''اِس کارِ جنوں میں''

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ''صدائے پاکستان'' کے آفس میں داخل ہوئی اور دھم سے کرسی پر گر گئی۔

ثناء نے ہمدردانہ نظروں سے اسے دیکھا اور گلاس میں پانی ڈال کر اس کے سامنے رکھا۔ جسے وہ ایک ہی سانس میں چڑھا گئی۔

''کیا بات ہے حجاب؟'' ثناء نے کچھ تشویش سے استفسار کیا۔

''کیا بات ہو سکتی ہے ثناء طارق صاحبہ!'' وہ گلاس پٹخ کر بولی۔

''صبح مشین لگائی یہ سوچ کر کہ آج ہفتہ بھر کے کپڑے دھو کر کلف لگا کر وارڈ روب میں سیٹ کروں گی اور سارا ہفتہ سکون سے گزر جائے گا۔ مگر......'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''یہ واپڈا والے میرے ازلی دشمن۔ ہر دو گھنٹے بعد، گھنٹہ بھر کے لیے لائٹ غائب۔ اور میں صبح سے کلس کلس کر آدھا خون جلا چکی ہوں۔ آدھا دن ضائع ہو گیا اس بکھیڑے میں اور پھر جب خوب ذلیل ہونے کے بعد ابھی کپڑے کلف لگا کر پھیلائے تھے اور خود نہانے کے لیے باتھ روم میں داخل ہوئی تو لائٹ پھر غائب۔ وہ تو شکر ہے ٹنکی بھری تھی اس لیے شاور تو لے لیا مگر اب نئی ٹینشن۔ سوٹ کیسے پریس کروں پھر محلے کی دھوبن سے پورے بیس روپوں میں گیس آئرن پر سوٹ پریس کرایا اور اب تمہارے سامنے ہوں'' وہ داستان غم سنا کر چپ ہوئی ہی تھی جب دروازہ کھول کر عمر اندر داخل ہوا۔

''ہیلو لیڈیز! کیسی ہیں مس ثناء؟ اور مس تاثیر آپ تیار ہیں نا! ہمیں ایک ضروری

فنکشن کی کوریج کے لیے جانا ہے'' وہ مصنوعی سنجیدگی سے بولا تو حجاب نے اسے خاصی قہر انگیز نظروں سے گھورا۔

''او......عمر گل کے جانشین......ابھی سکون سے بیٹھو اِدھر۔ اور ثناء تم چائے منگواؤ تب تک میں ذرا اس سے نمٹ لوں'' وہ کہتی ہوئی عمر کی طرف مڑی۔

''کہاں تھے تم؟ چار فون کیے تھے تمہیں کہ مجھے ساتھ لے جانا اور کوئی بیس ایکس میسج۔ مگر تم......کہاں تھے؟'' اس کے تیور خاصے خطرناک تھے۔ عمر نے ڈرنے کی ناکام ایکٹنگ کی۔

''دیکھو حجاب میں پہلے ہی آچکا تھا۔ میں نے تم سے کہا تھا! اور پھر اب اگر تمہارے بیس روپے سوٹ پر اور چالیس روپے کرائے پر خرچ ہوئے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' وہ ڈھٹائی سے کہتا اسے زہر لگا۔

''لیکن عمر تم تو ابھی آئے ہو'' ثناء نے معصومیت سے اس کا بھانڈا پھوڑا۔

''تم......چپ نہیں رہ سکتیں فتنی......دیکھنا میں......'' وہ دانت کچکچا کر اس کی طرف بڑھا مگر آگے حجاب کو خوں خوار انداز لیے دیکھ کر پلٹ کر بھاگ گیا۔

''ثناء یار! وہ میرا کل نامکمل رہ جانے والا کالم تو دو۔ آج مکمل کر دوں ورنہ فاروقی صاحب نے پکا میرا حساب کتاب کر دینا ہے۔''

''لیکن تم نے تو کوریج کے لیے جانا ہے'' ثناء نے پیپر الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہا۔

''عمر ایک گھنٹے سے پہلے نہیں آئے گا اور تب تک میں کام مکمل کر لوں گی'' وہ لاپرواہی سے بولی۔

''ویسے کیا ٹاپک ہے تمہارا؟'' ثناء نے پیپر اس کے سامنے رکھ کر پوچھا۔

''جان توڑ اور کمر پھوڑ مہنگائی''

وہ کہہ کر سر جھکا کر تیزی سے کالم مکمل کرنے لگی۔

''......اس بحث میں پڑے بغیر کہ بجلی کے بحران کے سبب کتنی فیکٹریاں بند ہوئیں۔ کتنے لوگ بے روزگار ہوئے۔ کتنے گھروں کے چولہے بجھ گئے۔

لوگوں کی اجتماعی خودکشیاں اور تیزی سے بڑھتی جرائم کی شرح آخر وطن عزیز کو کس مزید بحران سے دوچار کرے گی؟ سرکار کی بے حسی اور قوم کے زنگ آلود ذہن، آخر کب ہوش آئے گا ہمیں؟ اے میرے دوستو! جاگو! اٹھو اس سے پہلے کہ ڈھیروں قربانیاں دے کر حاصل کیا گیا وطن مزید ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے۔ اُٹھو! کہ ''زمانہ چال قیامت کی چل گیا''۔

اس نے اپنے سائن کرنے کے بعد پیپر پیچھے سرکایا اور خود کرسی کی بیک سے سر ٹکا دیا۔ ثناء نے ہمدردانہ نظروں سے اسے دیکھا وہ جانتی تھی اب وہ دیر تک یونہی گم صم اور اداس رہے گی۔ شاید دردمند دل رکھنے والوں کو یہی تحائف ملتے ہیں۔ اور حجاب تاثیر کے سینے میں موجود دل تو سارے جہان کا درد سمیٹے ہوئے تھا۔ اس اخبار میں کام کرتے ہوئے اسے ابھی صرف ایک سال ہوا تھا۔

پولیٹیکل سائنس میں ماسٹرز کرنے کے بعد اسے اس اخبار میں ملازمت صرف عمر کی وجہ سے مل گئی جو کہ اس کا تایا زاد ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی بھائی بھی تھا۔ اور آج کل وہ مارننگ کلاسز میں جرنلزم میں ماسٹرز کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اسے فاورقی صاحب کا بلاوا آ گیا۔ اس نے پیپرز سمیٹے اور ایڈیٹر صاحب کی طرف چل پڑی۔ ''نوید فاروقی'' اس اخبار کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ بقول شخصے کثرت علم ان کے دماغ پر اثر کر گیا تھا۔ لیکن حقیقتاً وہ ایک عالم و فاضل شخص سے زیادہ دوربین اور ماہر تجزیہ نگار تھے۔ اور جن کی کہی ہوئی بات سولہ آنے درست نکلتی تھی۔ اور اپنے نااہل شاف کے لیے نہایت مہربان اور مشفق شخصیت تھے۔ انہوں نے حجاب کو دیکھ کر اپنا سر ہلایا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آیئے آیئے عزیزہ! ہم آپ کے انتظار میں وہ دیدۂ فراش کیے بیٹھے ہیں گویا آنکھیں اور کیا کہتے ہیں بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے'' وہ کاغذوں کے پلندے سے سر نکال کر بولے۔

''یہ رہا فاروقی صاحب میرا کالم۔'' حجاب نے پیپر ٹیبل پر رکھا۔ ''ویسے تو ہمیں یقین ہے لیکن ہم ابھی اس کا بقلم خود مطالعہ کیے لیتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں ''یقین مثلِ خلیل آتش نشین گویا'' انہوں نے کہتے ہوئے پیپرز اٹھا لیے۔ کچھ دیر سر اٹھایا اور بولے۔

''بہت درد ہے آپ کے دل میں بھی عزیزہ۔ پیغام ہے قوم کے نام گویا۔

؎ نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش دل ریزہ ریزہ گنوا دیا۔

جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو تنِ داغ داغ لٹا دیا۔

لیکن مصیبت یہ ہے عزیزہ کہ خوابِ غفلت میں کھوئی قوم سنگ سمیٹنے کی روادار بھی نہیں ہے''

انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔ انہیں شعر استعمال کرنے کا خبط تھا اور ہمیشہ شعر کا حلیہ بگڑ جاتا۔ اور ''گویا'' ان کا تکیہ کلام تھا۔ ''عمر بتا رہا تھا کہیں جانا ہے؟'' حجاب نے پوچھا۔

''ہاں وہ جانا ہے وہاں اپنے رانا صاحب کے دولت کدے پہ کسی تقریب کا انعقاد ہے کسی سیاسی میٹنگ کے سلسلے میں وہ کیا کہتے ہیں گویا۔

’’تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے‘‘

اسی دوران گھنٹی بجی۔ انہوں نے فون اٹھالیا۔

’’آہا...... عمر شریف کہاں ہو برخوردار؟ جہاں بھی ہو فوراً تشریف لے آؤ ورنہ ہم تمہاری تشریف پر وہ رسید کریں گے گویا پاپوش نمبر تیرہ اور......‘‘

حجاب نے کچھ اُکتا کر انہیں دیکھا اور بول اٹھی۔

’’چائے منگوایئے فاروقی صاحب! کب سے بیٹھی ہوں‘‘

انہوں نے حجاب کی بات نہیں سنی اور یہی سمجھے کہ چائے کی فرمائش عمر نے کی ہے۔

’’اگر تم نہ آئے تو چائے کی بجائے ہم تمہیں دیں گے زہر ہلاہل‘‘ دوسری طرف سے جانے کیا کہا گیا کہ وہ مسکرانے لگے پھر فون بند کر کے حجاب کی طرف متوجہ ہوئے۔

’’ہاں تو کیا کہہ رہے تھے ہم...... ہاں وہ تفصیلات بتا رہے تھے۔ وہ عمر خود بتادے گا تمہیں۔ اب ذرا انتہائی بخش دو ہمیں بہت کام ہے‘‘ وہ کہہ کر پھر سے کاغذوں کے پلندے میں گم ہوگئے۔ حجاب کچھ اُکتا کر اُٹھ گئی۔

وہ واپس ثناء کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد عمر بھی آ گیا۔

’’تم تیار ہو حجاب؟‘‘ اس نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

’’ہوں۔ چلو‘‘ وہ ہینڈ بیگ سنبھالتی اٹھ گئی۔

’’عمر کچھ بتاؤ تو سہی یہ فنکشن ہے کس سلسلے میں؟‘‘ وہ متجسس ہوئی۔

’’نئے الیکشن، نیا کھیل، نئے کھلاڑی اور نئے اتحاد‘‘ وہ دلسوز لہجے میں بات ختم کر گیا۔

حجاب نے خاموشی میں عافیت جانی۔ کچھ دیر بعد وہ رانا شوکت سلطان کے عشرت کدے میں موجود تھے۔ وہاں تو دنیا ہی بدلی ہوئی تھی۔ شہر بھر کے صحافی، سیاست دان اور بیوروکریٹس جمع تھے۔ رانا صاحب بھی اس وقت چند اہم اشخاص میں گھرے کھڑے تھے۔ کچھ دیر بعد فرصت ملنے پر وہ ان کی طرف آ گئے۔

’’ارے بھئی ان سے ملئے خان صاحب۔ یہ ہمارے بچوں جیسے ہی ہیں‘‘ انہوں نے عمر کی طرف دیکھ کر نمروز علی خان سے کہا۔

’’ہیلو! میں عمر ہوں۔ کرائم رپورٹر ہوں۔

’’صدائے پاکستان‘‘ میں کام کرتا ہوں‘‘ عمر نے تعارف کرایا۔

’’اور یہ نمروز علی خان ہیں، چیئرپرسن آف پی۔ جے۔ الیف‘‘ رانا صاحب نے جوش و فخر سے تعارف کرایا۔

’’نائس میٹنگ یو‘‘ عمر نے رسمی طور پر کہا۔

’’اور یہ حجاب کہاں ہے؟‘‘ انہوں نے پوچھا تو عمر نے قدرے چونک کر نظریں دوڑائیں اور اردگرد ڈھونڈا۔ کچھ فاصلے پر وہ اُسے کسی چینل کے نمائندوں سے بحث میں مصروف نظر آ گئی۔

’’حجاب!‘‘ اس نے آواز دی تو حجاب جو بری طرح اس بحث میں مصروف تھی کہ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا میں افواہ بازی کی دوڑ میں آگے کون ہے۔ قدرے چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی اور پھر اس کی طرف چلی آئی۔

’’ان سے ملو حجاب‘‘ عمر نے اسے نمروز علی خان سے ملنے کو کہا۔

’’السلام علیکم!‘‘ حجاب نے سامنے کھڑے شخص کے سحر میں ڈوبے ہوئے کہا۔

’’وعلیکم السلام! نمروز علی خان‘‘ اس نے مسکرا کر اپنا تعارف کرایا۔

حجاب کا دل دھڑک اٹھا۔ اس کے دیکھنے اور ہنسنے کا جان لیوا انداز۔ اسے اپنے دل کو بچانا دشوار محسوس ہوا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی کمزور لڑکی تھی۔ مگر مقابل کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا جو مسمرائز کر دے۔ حجاب نے بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ مونچھیں اور زیریں لب کے کنارے پر چمکتا سیاہ تِل ڈنر سوٹ میں سرخ سفید رنگ، سیاہ ذہانت سے معمور چمکدار آنکھیں، پیشانی پہ گرے سیاہ بال، گھنی سیاہ مونچھیں، اونچا لمبا، خوش پوش بلکہ سیاہ پوش، اس کی شخصیت میں سیاہ رنگ کی کثرت تھی وہ سحر زدہ سی تھی جب رانا صاحب کی آواز نے اسے عمیق سوچ سے باہر نکالا۔

’’ارے بھئی حجاب! تم تو گم صم ہو۔ میرا خیال تھا کہ تم سوالات کر کر کے ان کی جان کھا لو گی‘‘۔

’’ارے نہیں۔ ویسے ایسی کیا خاص بات ہے ان میں؟‘‘ وہ بھنویں اچکا کر بولی۔

’’چیئرپرسن آف پی۔ جے۔ الیف‘‘ عمر نے خوشدلی سے کہا تو وہ چونکی۔

’’پلیز اپنی پارٹی کا کمپلیٹ نیم بتائیں۔

اصل میں پاکستان میں اتنی پولیٹیکل پارٹیز ہیں کہ اے بی سی ختم ہوگئی ہے اس لیے پلیز......‘‘ اس نے روانی سے کہا۔

سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''پیس جسٹس اینڈ فریڈم آف ایکسپریشن''

''امپریسو۔ ہمارے وطن کو واقعی ان تین چیزوں کی اشد ضرورت ہے''۔

''سر آپ کو کبھی نیوز چینلز پر نہیں دیکھا گیا؟''

منزہ (جو کہ ایک نیوز چینل کی نمائندگی کر رہی تھی) نے فوراً سوال اٹھایا۔

''مجھے لائم لائٹ میں آنے کا کوئی شوق نہیں''

مسکرا کر کہا گیا ہجوم سے دبے دبے قہقہے ابھرے۔

''آپ کا بیان ناقابلِ تردید ہے لیکن......سیاسی لیڈر تو ہمیشہ سے لائم لائٹ میں رہتے ہیں کیونکہ وہ ایک پبلک لائف گزارتے ہیں''

عمر نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

''آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں میں کیونکہ......''

''کیونکہ آپ بحث سے بچنا چاہ رہے ہیں''

عمر نے بات مکمل کی۔

''کہہ سکتے ہیں''۔ نمروز علی خان نے مزید ''اتفاق'' کیا۔

''حالات کے تناظر میں نئے انتخابات کو کس نظر سے دیکھتے ہیں آپ؟'' حجاب نے فوراً ہی آغاز کر دیا۔

''پی۔ جے۔ ایف کو کس پوزیشن میں دیکھتے ہیں آپ؟'' ایک اور صحافی نے فوراً دوسرا سوال اٹھایا۔

''لیڈیز اینڈ جنٹلمین! آپ کے تمام سوالوں کے جواب ملیں گے۔ پہلے آپ ریفرشمنٹ سے لطف اندوز ہو لیں''۔ رانا صاحب نے تسلی آمیز انداز اختیار کیا۔ اور آگے بڑھ گئے۔

''ہجوم منتشر ہو گیا۔ کھانے کا دور شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ پارٹی اپنے عروج پر پہنچ رہی تھی۔ جوں جوں رات گہری ہوتی گئی ''اہم شخصیات'' کی آمد بڑھتی گئی۔ اس وقت تو شہر کی ساری کریم جمع تھی۔

پھر انتظار ختم ہوا اور پریس کانفرنس کا اعلان کر دیا گیا۔ صحافی، رپورٹرز، فوٹوگرافرز، نیوز چینلز کے نمائندے اور اینکرز تیزی سے اس طرف اکٹھے ہونے لگے۔ جہاں کرسیاں لگا کر بیٹھنے کا انتظام تھا۔ ایک قطار میں لگی چیئرز کے بالکل سامنے کین ووڈ کے خوبصورت کام سے مزین ٹیبل اور دو چیئرز موجود تھیں۔ کچھ دیر بعد رانا شوکت سلطان اور نمروز علی خان تشریف لے

آئے اور ان چیئرز پر براجمان ہو گئے تھے۔ ابتدائی تعارف کے بعد رسمی طور پر ان کی آمد کا شکریہ ادا کیا گیا۔

''آگے بڑھنے سے پہلے میں آپ کو ایک مختصر سی بریفنگ دینا چاہوں گا'' نمروز علی خان کی بھاری پُرتاثر آواز گونج رہی تھی۔ کھٹا کھٹ، کیمروں کے فلش چمکنے لگے۔

''پیس جسٹس اینڈ فریڈم آف ایکسپریشن نے گزشتہ چند برسوں سے بے پناہ سیاسی مقبولیت حاصل کی ہے اور پی۔ جے۔ ایف کا سیاسی مستقبل خاصا روشن ہے......''

''کیا یہ خوش فہمی نہیں ہے؟'' تیزی سے تیسری رو سے سوال اٹھانے والا یہ آفتاب واسطی تھا ایک جغادری صحافی۔

''کہا جا سکتا ہے'' سنجیدگی سے جواب دیا گیا۔

''اور اس خوش فہمی کا سبب کیا ہے؟'' عمر نے سوال کیا۔

''ہمارے ملک کی نوے فی صد بے وقوف عوام''۔ جواب حجاب کی طرف سے آیا۔

ہجوم پر ایک سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر نمروز علی خان کی آواز گونجنے لگی۔

''بہت افسوس کے ساتھ ایسا کہنا پڑ رہا ہے۔ مس تاثیر! کہ صحافی ہونے کے باوجود آپ ایسا کہہ رہی ہیں۔ اگر اس ملک کے نوے فی صد عوام اتنے بے وقوف یا سادہ نہ ہوتے تو کیا وہ ہو سکتا تھا جو اب تک اس ملک میں ہوتا رہا ہے۔ لوگ اب تک نہیں سمجھے۔ ساٹھ سال گزر جانے کے باوجود۔ کیا دیا ہر آنے والی حکومت نے ہمیں سوائے نعروں، وعدوں اور ایشوز کے۔

آزادی، اسلام، جمہوریت، پنج سالہ ترقیاتی منصوبے، مسئلہ کشمیر کا حل، مہنگائی میں کمی، غریبوں کی مدد یہ سب لالی پاپ دکھا کر ہمیں بے وقوف بنایا جاتا ہے اور ہم بڑی خوشی سے بن جاتے ہیں۔ مسائل صرف حکومت کے حل ہوتے ہیں۔ جبکہ قوم دن بدن مسائل کی گہری دلدل میں اترتی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود ہمارے ''بے وقوف عوام'' باز نہیں آتے۔ بڑے شوق سے اخبار پڑھتے ہیں، جلسے جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔ تجزیے کرتے ہیں اور جب کوئی نیا امیدوار آتا ہے تو خوشی خوشی اسے منتخب کرتے ہیں۔ یہی امیدوار جب اقتدار میں آنے کے بعد عوام کی ایسی تیسی کرتا ہے تو سر پکڑ کر روتے ہیں۔ لیکن باز پھر بھی نہیں آتے۔ بہتری کی دعائیں مانگتے ہیں، مگر بہتری لانے کی کوشش نہیں کرتے'' وہ ایک لمحے کو رکا۔

''تو تبدیلی کیسے آسکتی ہے؟'' منزہ نے سوال کیا۔

''ہمارے ملک میں نہ تو ٹیلنٹ کی کمی ہے اور نہ وسائل کی اور نہ......؟'' نمروز علی خان

کی بات ادھوری رہ گئی۔ ''اور نہ مسائل کی۔''

کسی دل جلے نے ٹکڑا لگایا۔

دبے دبے قہقہے ابھرے۔

''ہمارا نوجوان طبقہ تبدیلی کا خواہاں ہے ان کے پاس ذہانت ہے اور کچھ کر دکھانے کا عزم بھی ہے لیکن بدقسمتی سے ہم ان کو آگے آنے کا موقع نہیں دیتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ......''۔

''آپ فلم انڈسٹری میں آجائیں تاکہ انڈسٹری کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا مل سکے'' رپورٹر فیاض نے ان کی بات کاٹ کر کہا پھر قہقہے بلند ہوئے۔

''ویسے آپ ہیں بھی اتنے ہینڈسم۔ یہ شان، معمر رانا تو پانی بھرتے ہیں آپ کے سامنے''۔

عائشہ (نیوز چینل سے متعلق) کی آنکھوں میں دبی دبی شرارت تھی۔

''پلیز......'' نمروز علی خان ٹیبل بجا کر سب کو خبردار کیا۔ ہنسی کی آوازیں فوراً بند ہوگئیں۔

حجاب نے دیکھا کہ اس سارے عمل کے دوران اس کے چہرے پر مسکراہٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کی آنکھوں سے خطرناک سنجیدگی پھوٹ رہی تھی اور زیریں لب کا سیاہ تل سمٹا ہوا تھا۔

''سر تبدیلی کیسی آسکتی ہے؟'' منزہ نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

''ہم لائیں گے تبدیلی'' اتنا مُصمم عزم، آنکھوں میں امید کی چمک لیے وہ بے حد پُراعتماد تھا۔

حجاب دنگ رہ گئی تھی۔ پھر فوراً ہوش میں آگئی۔

''آپ انقلاب لانا چاہتے ہیں کمال اتاترک، خمینی یا ماوزے تُنگ جیسا'' اس نے چُبھتا ہوا سوال اٹھایا۔

''انقلاب! انقلاب کی بات کس نے کی۔ ہم تبدیلی لانا چاہتے ہیں''۔ نمروز علی خان نے تصحیح کی۔

''جانے دیجئے سر۔ ہمیں الفاظ کی ہیرا پھیری میں مت الجھائیے۔ سب سمجھتے ہیں ہم''۔

۔ ''اک عمر گزری ہے اس دشت کی سیاہی میں۔'' آفتاب واسطی نے جواب دیا۔

''مسٹر واسطی! ہم صحافیوں کو اپنا دوست مانتے ہیں اور ان سے اس برتاؤ کی امید نہیں کرتے'' اس کے لہجے میں تپش تھی۔

''سوری سر۔ پلیز سوری'' واسطی نے فوراً معذرت کی۔

''موجودہ الیکشنز میں آپ کی پارٹی کا ایجنڈا کیا ہوگا؟'' حجاب نے سوال کیا۔

''دو دن بعد پارٹی کے ایگزیکٹیو کمیٹی کا اجلاس ہے۔ اس سوال کا جواب تو آپ کو تب مل سکے گا''۔ اس نے جواب دیا۔

''او۔ کے اب ایک سوال رانا صاحب سے''۔

''آپ الیکشنز میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں؟''

''جی بالکل۔ آپ مجھے الیکشن کمپین اور الیکشنز کے دوران پوری طرح متحرک دیکھیں گے''

رانا صاحب نے جواب دیا۔

''آپ پی۔ جے۔ ایف کے سینئر نائب صدر ہیں رانا صاحب! اگر آپ اقتدار میں آئے تو کونسا محکمہ اپنے لیے پسند کریں گے''۔ ایک تجزیہ نگار نے سوال اٹھایا۔

''اس کا جواب تو الیکشنز کے نتائج کے بعد دیا جاسکتا ہے''۔

''او۔ کے سر ایک سوال آپ سے''۔ عمر نے نمروز سے پوچھا۔

''موجودہ انتخابات میں آپ پی۔ جے۔ ایف کو کس طرح دیکھتے ہیں؟''

''ہماری پوزیشن سٹرونگ ہے۔ اور ہم آپ سے بھی یہی امید کرتے ہیں کہ اس نازک وقت میں ہمارا ساتھ دیجئے انشاءاللہ آپ کو پچھتانا نہیں پڑے گا''۔ نمروز علی خان نے اختتامی الفاظ کہنے شروع کیے۔

''او۔ کے لیڈیز اینڈ جنٹلمین! تھینکس فار یور کمنگ۔ کوئی اور سوال؟'' اس نے ہجوم پر نظر دوڑائی۔

''نو سر۔ تھینک یو'' مختلف آوازیں آئیں۔

اس کے ساتھ ہی کانفرنس کے اختتام کا اعلان کر دیا گیا۔

ہجوم منتشر ہونے لگا۔ حجاب نے دیکھا عمر نمروز علی خان کو گھیرے کھڑا تھا۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھی۔

''سر! آپ تبدیلی لانے کی بات تو کرتے ہیں مگر ہوتا یہ ہے کہ جیسے ہی کوئی انقلابی دعوے کرنے والا امیدوار منتخب ہو کر برسراقتدار آتا ہے۔ دعوے، وعدے اور نعرے صرف زبانی

کلامی رہ جاتے ہیں۔ آپ کو لگتا ہے آپ اکیلے تبدیلی لا سکتے ہیں؟ اس سسٹم کو بدل سکتے ہیں جو گزشتہ آدھی دہائی سے اس ملک میں رائج ہے؟" عمر فل فارم میں تھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" نمروز علی خان نے اچانک حجاب سے سوال کیا۔ وہ جو خاموش کھڑی تھی بے طرح چونکی۔

"میں عمر سے سو فی صد متفق ہوں، بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہم خود ان چوروں، لٹیروں اور ڈاکوؤں کو ووٹ دے کر منتخب کرتے ہیں اور جیسا کہ آپ نے کہا کہ پھر سر پکڑ کر روتے ہیں جب وہ قوم و ملک کی ایسی تیسی کر دے" حجاب کا تیکھا لہجہ، نمروز نے بمشکل خود پر قابو پایا۔ یہ براہ راست حملہ تھا اس کی ذات پر۔

"آپ کو لگتا ہے میں بھی ایسا ہی کروں گا"۔

اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"سر۔ اصل میں جو دعوے آپ کر رہے ہیں وہ ہر کوئی کر سکتا ہے۔ بلکہ کرتا ہے۔ لیکن بعد میں......" عمر نے کہنا شروع کیا مگر نمروز نے اس کی بات قطع کر دی۔

"بعد کی بات چھوڑ دیجیے۔ بعد کو بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"اور اگر آپ کوئی تبدیلی نہ لا سکے تو کیا کریں گے؟ چھوڑ دیں گے سب؟ نہیں۔ بلکہ آپ بھی باقی لوگوں کی طرف دعوؤں اور وعدوں کو زبانی کلامی سمجھیں گے"۔ حجاب نے وار کیا۔

"میں آپ سے ایک وعدہ کرتا ہوں حجاب تاثیر! اگر میں اس سسٹم میں تبدیلی نہ لا سکا تو ریزائن کر دوں گا"۔ دھیمی مسکراہٹ سے اس کی زیریں لب کا سیاہ تل جگمگا اٹھا تھا۔ حجاب دنگ رہ گئی۔

"حکومت ایک پُر فریب، خوبصورت اور دلکش محل کا نام ہے۔ جس تک جانے کا راستہ پر پیچ، دشوار گزار اور رکاوٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن جب کوئی ان تمام مشکلات کو پار کر کے اس محل میں داخل ہو جاتا ہے تو پھر واپسی کے سارے راستے بند ہو جاتے ہیں"۔ حجاب کا کچھ جتاتا لہجہ وہ ایک بار پھر حیران رہ گیا۔ یہ لڑکی قدم قدم پر اسے شاک لگا رہی تھی۔

"واپسی کے لیے راستہ ہمیشہ کھلا ہوتا ہے مس تاثیر بات صرف کچھ کر گزرنے کی ہے" جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں تپش تھی۔

وہ طنزیہ مسکرائی۔ یوں جیسے کہہ رہی ہو۔

ہم دیکھیں گے لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے، ہم

دیکھیں گے۔

☆☆☆

اس نے مارچ پاسٹ کرتے ہوئے کوئی اکیسویں بار گھڑی پر نظر دوڑائی اور پھر کچن میں مصروف صفیہ بیگم سے مخاطب ہوئی۔

"بڑی امی۔ دیکھ لیں آپ۔ نو بج رہے ہیں اور عمر ابھی تک نہیں اٹھا۔ اب اسے میں جگاتی ہوں۔ دیکھنا کیسے نیند ختم ہوتی اس کی"۔ اس نے گلاس پانی کا بھرا۔ اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔ عمر کا کمرہ دوسرے پورشن میں تھا۔

دھاڑ سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تو اسے بے سدھ پڑے دیکھ کر غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

"عمر اگر تم پانچ منٹ میں نہیں اٹھے نا تو میں یہ پانی کا گلاس تمہارے منہ پر اُنڈیلوں گی" وہ دانت پیس کر بولی۔

"اُنڈیل دو" وہ پھرتی سے چہرہ مکمل کمبل میں چھپا گیا۔

"اُف" اس نے گلاس ٹیبل پر پٹخا اور اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔

"پلیز۔ اچھے بھائی اُٹھ جاؤ۔ پلیز۔ میری ایکسٹرا کلاس کا ارینج ہے۔ مجھے لازمی اٹینڈ کرنا ہے"۔ اب کی بار وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

"ناشتہ کر لیا تم نے؟" عمر نے چہرہ باہر نکال کر پوچھا۔

"ہاں" وہ فوراً بولی۔

"او۔ کے چلو پھر" وہ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا سائیڈ ٹیبل سے بائیک کی چابیاں اٹھا کر بولا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے نیچے آ گئے۔ وہ بائیک سٹارٹ کر رہا تھا۔ حجاب کو ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر شرٹ میں بے حد پیارا لگا۔ آخر اکلوتا بھائی تھا۔ پیارا کیوں نہ لگتا۔ کچھ دیر بعد وہ بائیک پر سوار یونیورسٹی اُڑے جا رہے تھے۔ لیکن صرف پانچ منٹ کا راستہ رہ گیا تھا جب وہ ٹریفک جام میں پھنس گئے۔ کسی وزیر کی گاڑی گزرنی تھی۔ ہائی سیکورٹی الرٹ تھا۔ درمیان میں وزیر صاحب کی گاڑی، آگے پیچھے سیکورٹی کی گاڑیاں اور اردگرد موٹر سائیکل سواروں کا دستہ۔ سرکاری پروٹوکول کی گاڑیاں چونکہ ہائی سپیڈ پر چلتی ہیں۔ اس لیے تین منٹ بعد ہی انہیں جانے کی اجازت مل گئی۔

"تمہیں پتا ہے حجاب۔ جب اپنے رانا صاحب اور خان صاحب کی حکومت آئے گی

تو پھر ہر وزیر، مشیر صرف موٹر سائیکلوں پر سفر کرے گا'' عمر نے خوشگوار طنز کیا۔ وہ گہری سوچ میں گم تھی اس نے سنا نہیں۔ جب عمر نے اسے یونیورسٹی کے سامنے اتارا تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔

''پیسے چاہیں؟'' عمر نے پوچھا۔ وہ اپنے ہینڈ بیگ کی تلاشی لینے لگی۔

'' اُف۔ صرف اکلوتا پچاس کا نوٹ ہے میرے پاس۔ شکر ہے تم نے پوچھ لیا ورنہ میں تو بھولی ہوئی تھی''۔ وہ سر پر ہاتھ مار کر بولی۔

''یہ لو'' اس نے نوٹ اسے والٹ سے نکال کر تھمایا۔ ''چلے گا''

''چلا لوں گی'' وہ مسکرائی۔

''اچھا واپسی کا ٹائم کیا ہے؟''

''ایک بجے آ جانا''

''او۔ کے اپنا خیال رکھنا''۔

وہ یونیورسٹی میں داخل ہو گئی۔ قدموں سے جیسے پہیے لگے تھے۔ لیکن دیر تو ہو چکی تھی۔ جیسے ہی وہ کلاس کے نزدیک پہنچی سر باجوہ کلاس میں آ چکے تھے۔ اس کا چہرہ مظلومیت کا عنوان بن گیا کیونکہ باوجود اس کے کہ وہ سر باجوہ کی موسٹ فیورٹ سٹوڈنٹ تھی وہ تاخیر برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس نے قدرے بے چارگی سے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑائی۔ تین منٹ گزر چکے تھے۔ قدرے ڈرتے ڈرتے اس نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا۔

''سر پلیز۔ میں ٹریفک جام میں پھنس گئی تھی''

اس نے منت کی۔

''نو ایکسکیوزز'' انہوں نے درشت لہجے میں ڈانٹا۔

''سر حجاب ٹھیک کہہ رہی ہے۔ کسی منسٹر کی گاڑی گزرنی تھی اور آپ کو پتا ہے ہمارے ملک میں ایسی صورتحال میں کیا کیا جاتا ہے۔ ہنگامی حالت نافذ ہو جاتی ہے۔ خواہ کوئی ایمبولینس ہے یا کوئی زخمی مر رہا ہے۔ پولیس والے کسی کو نہیں سنتے۔ ہم تو پھر سٹوڈنٹ ہیں''۔ یہ اس کی کلاس فیلو ثمین اکرام تھی۔ وہ بھی اس کی طرح لیٹ آئی تھی۔

''او۔ کے آپ آ جائیں۔ بٹ بی کیئرفل نیکسٹ ٹائم'' انہوں نے اجازت دی۔

دونوں شکر ادا کرتے ہوئے اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئیں۔

''گرلز اینڈ بوائز! آج کا ہمارا ٹاپک ہے'' ییلو جرنلزم یعنی ''زرد صحافت'' کیا مراد لیتے ہیں آپ اس سے؟'' چند ہاتھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے انیس کو اشارہ کیا۔

''زرد صحافت کی آسان ترین تعریف میرے نزدیک یہ ہے کہ ''اخبار کی سرکولیشن بڑھانے کے لیے کسی بھی خبر کی تصدیق کیے بغیر اس کے حقائق سے بے خبر رہتے ہوئے ''رائی کا پہاڑ'' بنا دیا جائے۔

''اچھی کوشش ہے۔ کوئی اور؟ یس! فائزہ آپ بتائیں؟''

''سر ہمارے ملک کے بیشتر اخبارات ''زرد صحافت'''' کی طرف گامزن ہیں۔ سنسنی خیزی کے لیے وہ گھٹیا اسٹوریز اور خبروں کو بلا تحقیق شائع کرتے ہیں۔ صحافی چونکہ بکاؤ ہی سمجھے جاتے ہیں اس لیے وہ آسانی سے یہ کام کر لیتے ہیں۔ آپ انہیں کوئی بھی ہیڈ لائن دے دیجئے۔ خبر تفصیل، مقامات، واقعات، ملزم اور مظلوم سب خود ہی تیار کر لیں گے۔ یہاں تک کہ جس پر واقعہ گزرا ہوا ان کی بنائی گئی تفصیل سُن کر وہ بیچارا بھی اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا مظلوم سمجھنے لگے گا''۔ فائزہ نے استہزائیہ نظروں سے حجاب کو دیکھ کر تنقید کی۔

''یہ تو سیدھی صحافیوں پر تنقید ہے سر'' خرم نے احتجاج کیا۔

''بالکل یہ ڈائریکٹ اٹیک ہے سر'' عاشر جو کہ خود بھی صحافی تھا نے فوراً کہا۔

''میں کچھ کہنا چاہتی ہوں سر'' حجاب نے ہاتھ کھڑا کر کے کہا۔

''یس'' انہوں نے کچھ تجسس اور دلچسپی سے کہا۔

''سر! اخبارات پر یہ الزام کہ صرف وہ ''زرد صحافت'' کی طرف گامزن ہیں سراسر غلط ہے۔ اس دوڑ میں نیوز چینلز بھی پیچھے نہیں ہیں۔ ہم سب دیکھتے ہیں کہ یہ نیوز چینلز ہر روز کوئی نہ کوئی غلط خبر نشر کرتے ہیں کہ جناب فلاں جگہ خودکش حملہ۔ تک سک تیار نیوز کاسٹرز مسکرا کر بتاتی ہیں کہ اتنے مر گئے اور مزید کی امید ہے۔'' وہ غصے اور جوش کی ملی جلی کیفیت سے بولتی گئی۔ دبے دبے قہقہے ابھرے۔

''بہت اچھا حجاب'' انہوں نے توصیف کی۔

''تو کلاس حجاب کی رائے یہ ہے کہ سنسنی خیز صحافت میں نیوز چینلز آگے ہیں'' انہوں نے کہا۔

''جی نہیں سر! میری رائے یہ ہے کہ صرف اخبارات ہی پر الزام لگانا درست نہیں۔ اس میں نیوز چینلز بھی برابر کے شریک ہیں''۔ حجاب نے تیکھے لہجے میں کہا اور فوراً بیٹھ گئی۔

''میں آپ کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں''۔

سر باجوہ نے مسکرا کر کہا اور اس کے ساتھ ہی لیکچر کا آغاز کر دیا۔

حجاب نے جرنل کھولا اور پھرتی سے اہم نکات نوٹ کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد ہی اس کے ہنڈ بیگ میں تھرتھراہٹ ہونے لگی۔ یقیناً اس کا موبائل وائبریٹ کر رہا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ سے لکھتے لکھتے بایاں ہاتھ بیگ میں ڈالا اور موبائل نکال لیا۔

کوئی اجنبی نمبر تھا۔ اس نے موبائل واپس بیگ میں ڈال دیا۔ پچیس منٹ کے لیکچر کے دوران مسلسل وقفے وقفے سے تھرتھراہٹ ہوتی رہی یقیناً کال کرنے والا نہایت ہی مستقل مزاج تھا۔ جیسے ہی کلاس ختم ہوئی اس نے کال اٹینڈ کی۔

''السلام علیکم'' حجاب نے کہا۔ یہ اس کی عادت تھی۔ فون اٹھاتے پہلا فقرہ سلامتی کا ہی ہوتا تھا۔

''وعلیکم السلام'' بھاری، گھمبیر، پُرتاثر آواز۔

حجاب کے لائبریری کی طرف جاتے قدم رُک گئے۔ اس نے آواز پہچاننے کی کوشش کی۔ مگر ناکام ہو گئی۔ اسے یاد نہیں آ سکا۔

''بہت انتظار کرایا آپ نے۔ حالانکہ اس وقت آپ کی کوئی کلاس بھی نہیں ہوتی''۔ شکوہ کناں لہجہ۔ وہ بری طرح اُلجھی۔

''میری ایکسٹرا کلاس تھی۔ ویسے کون بات کر رہا ہے۔ آئم سوری میں نے پہچانا نہیں'' اس نے محتاط لہجے میں کہا۔

''نمروز علی خان دِس اینڈ......'' تعارف کرایا گیا۔ وہ ٹھٹک کر رُک گئی۔

''ویسے میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا۔ کیونکہ مجھے آپ کے ریسورسز کا اندازہ ہے۔ لیکن پھر بھی مجھے حیرت ہے کیونکہ میرا یہ نمبر چند خاص لوگوں کے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔ خیر......'' وہ ریلنگ سے کمر ٹکا کر وسیع وعریض سر سبز اور خوش منا لان کو دیکھنے لگی۔

''کیا کرتی ہیں آپ؟''

''یونیورسٹی کوئی کیا کرنے آتا ہے؟ آف کورس پڑھنے آتی ہوں'' اس نے طنز کیا۔

''کیا پڑھتی ہیں؟'' اگلا سوال ہوا۔ اس نے کچھ حیرانی سے فون کو گھورا۔

''جب آپ کو یہ پتا ہے کہ اس وقت میری کلاس نہیں ہوتی تو یہ بھی پتا ہوگا کہ میں کیا پڑھ رہی ہوں'' حجاب نے چبا چبا کر کہا۔

''اور اگر کوئی آپ سے جاننا چاہے تو؟''

اسی روانی سے کہا گیا۔ اور حجاب کو لگا یقیناً وہ مسکرایا بھی ہے۔

اس کا خون کھول اٹھا۔

''پلیز ڈونٹ مائنڈ۔ اس وقت میری کلاس ہے'' اس نے قدرے رکھائی سے کہا۔ ارادہ فون بند کرنے کا تھا۔

''او۔کے اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت بھی آپ کی کوئی کلاس نہیں ہے'' اس نے مسکرا کر کہا اور فون بند کر دیا۔ حجاب یک ٹک فون کو گھورنے لگی۔ یہ کیا چاہتا ہے مجھ سے؟''

یہ بے مقصد، فضول باتیں کیوں؟

کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اسے؟

نمبر چینج کر لینا چاہیے۔

مختلف سوالات ذہن میں اُودھم مچانے لگے مگر حل سوچ کر وہ بتدریج پُرسکون ہو گئی۔ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے وہ لائبریری چل دی۔

☆☆☆

وسیع وعریض شاہانہ طرز سے سجے بیڈروم میں نمروز علی خان اس وقت راکنگ چیئر پر جھول رہا تھا۔ سامنے موجود کمپیوٹر پر رات کی پارٹی اور پریس کانفرنس کی مووی چل رہی تھی۔ مگر منظر اسٹل تھا۔ اسکرین پر مسکراتا ہوا ایک چہرہ تھا۔ جھکی ہوئی نظریں، ٹھوڑی پر پڑتا گھڑا سفید اسکارف کے ہالے میں جگمگا رہا تھا۔ لائٹ پنک کلر کے سوٹ میں اسکارف سر پر لپیٹے اور پنک دوپٹہ سینے پر پھیلائے وہ حجاب تاثیر تھی۔

حجاب تاثیر جو بہت عام سی ہونے کے باوجود بھی بہت خاص تھی۔

''کیا ہے تم میں کہ میں تم سے ہٹ کر کچھ سوچ رہی نہیں پا رہا'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

پھر اس نے سیل فون اٹھایا اور اس کا نمبر ملانا شروع کیا۔ بات کرنے کے بعد جب اس نے فون رکھا تو اس کے چہرے پر ایک محظوظ کن مسکراہٹ تھی۔ ؎

کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے
کوئی ایک لفظ تو ایسا ہو جو قرار ہو
کہیں ایسی رُت بھی ملے ہمیں جو بہار ہو
کبھی ایسا وقت بھی آئے کہ ہمیں پیار ہو

وہ دھیمے لہجے میں گنگنا رہا تھا۔ شاعری سے اسے عشق تھا۔

اپنی زندگی کی چونتیس بہاریں دیکھ لینے کے بعد اب اس کا دل کہیں رُکنے کو چاہا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس نے حسن نہیں دیکھا تھا۔ اس نے دنیا کی تقریباً ہر نسل کی لڑکی دیکھی تھی۔ اسے سیر و سیاحت کا شوق تھا اور وہ آدھی دنیا گھوم چکا تھا۔ مختلف لڑکیوں سے اس کی دوستی بھی رہی تھی۔ مگر ایک حد تک۔ جو حد اس نے اپنے لیے اپنی زندگی کے ابتدائی بیس سالوں میں متعین کی تھی۔ کبھی بھی اسے پھلانگنے کی کوشش نہیں کی۔ کہ اُس کے دامن پر کوئی دھبا نہیں تھا۔ حالانکہ چارے ہمیشہ دلکش رہے تھے۔ کبھی امریکن، کبھی چینی، کبھی انڈین تو کبھی سویڈش اور اسے فخر تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کرخت، سرد مزاج یا بڑا پارسا تھا مگر بس وہ خاص تاثر، احساس اور خوشی کی جو انتہا پانا چاہتا تھا وہ اسے کسی میں نہ ملی۔

اسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب آٹھ سال پہلے فیروز علی خان کی ناگہانی موت پر اسے ہنگامی طور پر پاکستان آنا پڑا تھا۔ اور اکلوتا بیٹا ہونے کی حیثیت سے اپنے باپ کی سیاسی جماعت کا سربراہ بننا پڑا تھا۔ سیاست نہ تو اس کا شوق تھی نہ خواہش صرف مجبوری تھی۔

وہ تو اپنی زندگی سے بڑا مطمئن تھا۔ ''خان بلڈرز'' کے نام سے ایک کامیاب فرم امریکہ میں چلا رہا تھا۔ مگر تقدیر کے اُلٹ پھیر نے اسے سیاست میں لا پٹخا۔

فیروز علی خان کی وصیت کہ مطابق اسے پی۔ جے۔ ایف کا چیئرپرسن کا عہدہ سنبھالنا پڑا۔ پارٹی کی ایگزیکٹیو کمیٹی نے بڑی خوش دلی سے اس کو چیئرمین تسلیم کیا۔ سینئر نائب صدر رانا شوکت سلطان نے اس کا قدم قدم پر ساتھ دیا یہی وجہ تھی کہ آج وہ ایک کامیاب سیاست دان تھا۔ لوگ اسے پہچانتے تھے۔ اسے اپنی پرسنالٹی کا بخوبی اندازہ تھا اور اس نے حجاب کی آنکھوں سے اُمڈتی خفیف سی پسندیدگی کی چمک فوراً محسوس کر لی تھی۔

اسے دیکھ کر نمروز علی خان کو لگا تھا کہ اس کا تراشا ہوا خالی پیکر اس کے خیالوں سے نکل کر زندہ وجود میں ڈھل گیا ہو۔

''کتنی فطری سی معصومیت ہے اس کے چہرے پر۔ حالانکہ باتیں بہت تیکھی کرتی تھی'' وہ مسکراتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ زیریں لب کا سیاہ تل بہت عرصے بعد یوں جگمگا رہا تھا۔

''اور اس کی ٹھوڑی کا ڈمپل'' وہ ہنسا۔ ''یوں جیسے قدرت نے شاہکار تخلیق کرنے کے بعد خود ہی پیار سے چھو لیا ہو''۔

جانے کیسے کیسے رنگ اتر رہے تھے اس کے اندر۔ ایک میلہ سا لگ رہا تھا۔ اور وہ اپنی سوچوں کے بہاؤ میں بہتا جا رہا تھا۔ دل و جاں میں سرور سا پھیل رہا تھا۔ اندر باہر بدلا ہوا سا لگ رہا تھا۔ یوں لگا جیسے زندگی کسی کنارے لگنا چاہ رہی ہو۔ نشانِ منزل چمکنے لگا تھا۔

''تمہیں حاصل کرنا مشکل نہیں ہے حجاب تاثیر! مگر میں تمہیں جیتنا چاہتا ہوں''۔ آنکھوں کی چمک سے دل کا مصمم عزم نمایاں تھا۔

میں بھی مانتا نہیں مگر یہی سچ ہے
تیرے واسطے میں عمریں گزار سکتا ہوں
یہی نہیں کہ تجھے جیتنے کی خواہش ہے
میں تیرے واسطے خود کو بھی ہار سکتا ہوں

☆☆☆

وہ یونیورسٹی سے تھکی ہاری لوٹی تھی۔ کھانا کھا کر جو سونے لیٹی تو اٹھنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ اس کی نیند ایسی ہی گہری تھی۔ چاہے اس کے پاس بیٹھ کر بینڈ بجاتے رہو۔

سحاب نے دو تین بار جھانک کر دیکھا مگر جب اس کے اٹھنے کے آثار نہیں دیکھے تو شرارت سوجھی۔ فوراً گلاس پانی سے بھرا اور دبے پاؤں حجاب کے کمرے کی طرف بڑھی۔ ابھی دروازے تک ہی تھی جب آمنہ بیگم کی آواز پر ٹھٹک کر رُک گئی۔

''حجاب کے لیے پانی لے کر جا رہی ہو اٹھ گئی وہ؟'' انہوں نے استفسار کیا۔

''جی امی'' اس نے معصومیت سے کہا۔ اور اندر داخل ہو گئی۔

''میری پیاری حجاب آپی، آپ کے اور عمر بھیا کا واحد حل پانی ہے۔ جو آپ کو اٹھنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اتنی گرمی میں ایک گلاس پانی چہرے کو کتنا فریش کر دیتا ہے''۔ وہ مزہ لیتے ہوئے بڑبڑائی اور پھر اس کی طرف بڑھی۔

اور اگلے ہی لمحے پانی کا گلاس حجاب کے چہرے پر تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

''سحاب کی بچی، رُک اِدھر، دیکھ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں'' وہ چیختی ہوئی اس کی طرف لپکی۔

سحاب بچاؤ کے لیے فوراً بھاگی اور اندر آتے عمر کے پیچھے چھپ گئی۔

''بھیا! مجھے آپی سے بچا لیں نا! دیکھیں کتنے قاتل موڈ میں ہیں''۔

''سحاب! تم ٹینگ بنا کر لاؤ تا کہ اس کے دماغ کی گرمی کم ہو'' عمر نے سحاب کو کہا۔

''سچ آپی! پھر ڈانٹیں گی تو نہیں نا'' سحاب نے عمر کی پشت سے منہ نکال کر پوچھا۔

''نہیں'' وہ ہنس دی۔

''او۔ کے پھر میں جاتی ہوں'' وہ فوراً کچن میں بھاگی۔ وہ دونوں بیڈ پر بیٹھ گئے۔

''دن کیسا گزرا؟'' عمر نے پوچھا تو وہ بھرپور انداز میں چونکی۔

''سیدھی طرح پوچھو جو پوچھنا ہے۔ یہ تمہید کیوں باندھ رہے ہو؟ حجاب اس کے چہرے پر کچھ کھوجتے ہوئے بظاہر اطمینان سے بولی۔ وہ ہنس دیا۔

''کچھ زیادہ ہی جاننے لگ گئی ہو مجھے''۔

''آف کورس۔ بھائی ہو میرے۔ وہ بھی بہت پیارے''۔

عمر کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آگئی۔ وہ جانتا تھا۔ حجاب اسے بے حد پیار کرتی تھی۔ اب بھی اس کا ملائم لہجہ اس کے چہرے پر الوہی روشنی پھیلا گیا۔

''حجاب تم اظہر کو پرپوزل کے لیے ہاں کیوں نہیں کر رہیں۔ امی نے بات کی ہے مجھ سے کہ تم سے تمہاری رائے لوں۔ اب تم مجھے بتاؤ کیا خرابی ہے اس پرپوزل میں؟'' وہ سنجیدہ سا پوچھ رہا تھا۔

وہ بے بس سی ہو کر ہونٹ کاٹنے لگی۔ ''عمر پلیز مجھے نہیں کرنی شادی'' وہ کچھ جھلا گئی۔

''تو صاف لفظوں میں بات کرو۔ کیا چاہتی ہو؟''

''ابھی مجھے ماسٹرز کمپلیٹ کرنا ہے''۔

''وہ تو چھ ماہ تک ویسے بھی ہو جائے گا۔ کیا حرج ہے اگر ابھی بات ہو جائے اور شادی......'' اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

''شادی۔ شادی۔ مجھے نہیں کرنی شادی۔ نہ کسی اظہر سے اور نہ کسی مظہر سے''۔ ''بات کیا ہے آخر؟'' عمر جھلا گیا

''کیا ہو گیا ہے تمہیں عمر۔ کوئی بات نہیں۔ اچھا میرے ماسٹرز کمپلیٹ ہونے تک رُک جاؤ۔ پھر جیسے تمہاری مرضی'' وہ ہار مان کر بولی۔

''ڈن''

''ڈن ڈنا ڈن'' وہ بھی ہنس دی۔

تبھی سحاب چلی آئی۔ وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور وہ موضوع وہیں ختم ہو گیا۔

☆☆☆

وہ تھکا ہارا ''نمروز منشین'' لوٹا تو رات کے دو بج رہے تھے۔ شاور لینے کے بعد بیڈ پر

بیٹھا تو یاد آیا کہ اسے کچھ کھائے پیئے بنا کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور شدید بھوک سے برا حال تھا اس نے انٹرکام اٹھایا اور آرڈر کیا۔

''صدف! ایک کپ دودھ اور کچھ سینڈوچز لے آؤ''۔ انٹرکام بند کرنے کے بعد اس نے صوفے کی بیک سے سر ٹکا دیا۔ وہ اس وقت شدید تھکا ہوا تھا۔ سارا دن بے حد مصروف گزرا تھا۔ الیکشن کمپین زوروں پر تھی۔ اور صحیح معنوں میں اسے صبح سے لے کر اب تک سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملی تھی۔ مگر اس بے انتہا مصروفیت میں بھی ایک چہرہ ذہن سے محو نہیں ہوا تھا۔ ایک خوبصورت چہرہ جو اپنے خیال سے دل و دماغ کو منور کرتا تھا اور اپنی طرف بلاتا تھا۔ جس کی الوہی روشنی سے دل میں ایک لہر سی چلتی تھی۔

''یوں تو بلا کی افراتفری ہے ہماری ذات میں !!!
لیکن ہم بے دھیانی میں بھی تیرے دھیان میں رہتے ہیں''

آہستگی سے دروازہ ناک کر کے صدف اندر آئی تو وہ چونک کے متوجہ ہوا۔

صدف آج سے دس سال پہلے اپنی ماں کے ساتھ فیروز علی خان کے آبائی شہر ملتان سے یہاں آئی تھی۔ آج اس کی ماں کو مرے پانچ سال ہو چکے تھے۔ اگرچہ وہ ''نمروز مینشن'' کی ہاؤس کیپر تھی مگر ملازموں کے نزدیک اسے مالک تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ خود نمروز علی خان کا رویہ تھا۔ اس کا سب سے رویہ بہت دوستانہ قسم کا تھا۔ جب وہ پاکستان آیا تھا تو صدف نائنتھ میں تھی۔ بھاگ بھاگ کر اس کے کام کرنے والی لڑکی آج اگر ہاؤس مینجمنٹ میں ماسٹرز کرنے کے بعد پورے ''نمروز مینشن'' کو کنٹرول کر رہی تھی تو اس میں سب سے بڑا ہاتھ نمروز کا تھا۔ دونوں کا رشتہ بہت عجیب تھا۔

شاید مالک ملازم کا!!!

شاید دوستی کا!!

شاید بہن بھائی کا!

وہ نہیں جانتا تھا۔ جانتا تھا تو صرف اتنا کہ وہ اپنی تمام پریشانیاں اس سے ڈسکس کرنے کے بعد پرسکون ہو جاتا تھا۔

صدف نے ٹرے ٹیبل پر رکھی۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی خان'' وہ دھیمے مگر محتاط لہجے میں بولی۔

''ہاں...... میں کچھ پریشان ہوں'' اس نے ٹرے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔

''الیکشنز کی وجہ سے؟''

''بھاڑ میں گئے الیکشنز۔'' وہ اپنی پیشانی پر دھیرے دھیرے مکے مارتے ہوئے بولا۔

''میں پوچھ سکتی ہوں ایسی کون سی بات ہے؟''

وہ نظریں جھکائے ہوئے مؤدبانہ انداز میں بولی۔

وہ اپنے خیالات سے چونک گیا۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ کیسے بتاؤں......اور کیا......؟ خود نہیں جانتا میں یہ کیسے ہوا؟ کیسے وہ یہاں آ گئی؟ کیسے......؟ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ صدف نے پوری آنکھیں کھول کر اس حقیقت کو محسوس کرنے کی کوشش کی کہ شاید نہیں بلکہ یقیناً وہ کسی لڑکی کی بات کر رہا تھا۔

''کون ہے وہ خوش نصیب خان۔ جسے آپ کے دل میں جگہ پانے کا اعزاز حاصل ہوا ہے''۔ وہ مسکراہٹ چھپا کر بولی۔

''حجاب۔ حجاب تاشیر ہے وہ۔ وہ جادوگرنی، وہ ساحرہ جس نے مجھے اپنے جال میں اس طرح قید کیا کہ فرار کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا۔ میرا دل چاہتا ہے وہ ہر وقت میرے سامنے ہو۔ میرے پاس۔ صرف میں اسے دیکھوں۔ اسے سنوں، اسے چاہوں۔ اس سے اس کے سارے حق چھین لوں۔ وہ سانس بھی میری مرضی سے لے''۔ اس کے لہجے میں دیوانگی تھی، جنوں تھا، شدتیں تھیں۔ آنکھیں شدت جذبات سے سرخ ہو چکی تھیں، صدف ایک بار پھر حیران رہ گئی۔

''تو آپ اسے بتا کیوں نہیں دیتے؟''

''کیسے بتاؤں؟'' وہ چونکا۔

''آپ اسے ''مینشن'' بلائیں اور سب بتا دیں بلکہ پرپوز ہی کر دیں''۔

نمروز علی خان کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ کوندگئی سیاہ تل جگمگا اٹھا۔

''گڈ آئیڈیا۔ یہ تو بالکل سمپل اور سامنے کی بات ہے۔ حیرت ہے۔ میرے دماغ میں کیوں نہیں آئی''؟ وہ حیران سا تھا۔

اور کم بکھیڑے ہیں آپ کی زندگی میں اور آج کل تو اور زیادہ مصروف ہیں۔ اس لیے یہ سامنے کی بات آپ کے سامنے نہیں آئی۔ اب ٹینشن چھوڑیں''

''آپ کچھ لیجیے نا''

اس نے سینڈوچ اٹھایا۔ آدھا کھا کر چھوڑ دیا۔ پھر دودھ کا گلاس اٹھایا اور گھونٹ گھونٹ پینے کے بعد اسے واپس کر دیا۔

''تھینکس۔ اب تم جا سکتی ہو''۔

صدف کے جانے کے بعد وہ بیڈ پر دراز ہو گیا۔ مکمل اندھیرے کمرے میں وہ بیڈ پر چت پڑا تھا۔ اسے سیدھا سونے کی عادت تھی اور مکمل اندھیرے میں بھی۔ اس وقت وہ کسی عمیق سوچ میں گم تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

''جتنی شدت سے میں نے تیرا تعلق محسوس کیا اتنی گہرائی تو روحوں میں ہوا کرتی ہے۔''

وہ گنگنا رہا تھا آنکھوں کی چمک سے عیاں تھا کہ وہ ایک اٹل فیصلہ کر چکا تھا۔

☆☆☆

وہ کب سے عمر کا انتظار کر رہی تھی۔ عام طور پر وہ بارہ سے ایک کے درمیان گھر آ جایا کرتا تھا مگر آج دو بج چکے تھے مگر وہ ہنوز لاپتا تھا۔ حجاب نے وال کلاک کی تیزی سے آگے بڑھتی سوئیوں پر ایک خوفزدہ نظر ڈالی اور دل میں اس کی خیریت کی دعا مانگتے ہوئی صحن میں ٹہلنے لگی۔ سارا گھر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سحاب بھی کچھ دیر پہلے سوئی تھی۔

حجاب کو علم تھا کہ اسے فون کرنا بھی بے کار ہے وہ فون سائیلنٹ پر رکھتا تھا۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ پونے تین۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ گلی میں موٹر سائیکل چلنے کی آواز نے رات کے سناٹے کو توڑا وہ تیر کی طرح دروازے کی طرف لپکی۔ پہلی دستک پر ہی اس نے دروازہ کھول دیا۔ صحن سے آتی روشنی میں عمر کے ماتھے پر بندھی پٹی نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی۔ حجاب کی چیخ نکل گئی۔

''یہ...... یہ کیا...... ہوا...... ہے''؟ ''چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔'' عمر نے کہا

''ایکسیڈنٹ...... کیسا ایکسیڈنٹ...... کیسے ہوا...... کہاں پہ......؟''

پھولے تنفس کے ساتھ وہ کئی سوال کر گئی۔ آنسو گالوں پر لڑھک آئے تھے۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے...... دیکھو...... کچھ ہوا ہے کیا؟ بالکل ٹھیک ہوں'' وہ مسکرا کر بولا۔ تو اسے کچھ تسلی ہوئی۔

''خاک ٹھیک ہو...... چلو ذرا اندر۔ پھر بتاتی ہوں'' اس نے گال پونچھتے ہوئے دھمکی دی۔

پھر پلٹ کر دروازہ بند کیا اور اسے کمرے میں جانے کا اشارہ کر کے خود آگے چل پڑی۔

''کمرے میں پہنچ کر اس نے عمر کو بیڈ پر بیٹھایا اور باریک بینی سے اس کا جائزہ لینے لگی۔ ماتھے پر تو بینڈیج ہوئی تھی مگر گردن پر ایک لمبی خراش سے ہلکا ہلکا خون رس رہا تھا۔ بائیں ہاتھ پر رگڑ سے کھال چھلی گئی تھی۔ شرٹ ایک سائیڈ سے پھٹی ہوئی تھی۔ اور کپڑوں پر کیچڑ اور مٹی

کے داغ تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے۔

وہ دراز سے مرہم نکال لائی۔ عمر شرمندہ سا ہو کر وضاحتیں دینے لگا۔

''میرا یقین کرو حجاب! میں نے بائیک تیز نہیں چلائی تھی۔ کام بہت زیادہ ہے آج کل۔ کل بھی میری نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ آج بھی کام کی زیادتی کی وجہ سے تھکن مزید بڑھ گئی۔ گھر واپس آتے ہوئے مری آنکھیں خود بخود بند ہو رہی تھیں۔ اپنی دھن میں مجھے وہ نسان کار نظر ہی نہیں آئی۔ حالانکہ غلطی میری ہی تھی مگر وہ بھلا آدمی اتنا شرمندہ ہوا تھا کہ میری پٹی کروانے کے بعد بے شمار بار معذرت کرنے کے بعد بھی مطمئن نہیں تھا''۔

''اور تو کہیں چوٹ نہیں آئی؟'' گردن اور ہاتھ پر مرہم لگانے کے بعد اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں''

''اٹھو۔ نہا لو اور دیکھو سر مت دھونا''۔ وہ ہدایات جاری کرنے کے بعد الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

''حجاب! تم ناراض ہو؟'' وہ پاس کھڑا بے چینی سے پوچھنے لگا۔ حجاب نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تمہیں فرق پڑتا ہے؟ تم یہ کیوں بھول جاتے ہو عمر کے تم چار بہنوں کے اکلوتے بھائی ہو۔ ہمارا سرمایہ ہو۔ تمہارے ایک نہیں دو دو ماں باپ ہیں۔ کتنے دل ہیں جو تمہاری معمولی تکلیف پر تڑپ اٹھتے ہیں۔ کتنی آنکھیں ہیں جو اشکبار ہو جاتی ہیں۔ آخر کیوں ہو تم اتنے لاپرواہ؟''

''آئم سوری'' وہ کچھ شرمندگی سے بولا تھا۔

''ہاں۔ بہت آسان ہے۔ انگریزی کے تین لفظ بول کر جان چھڑا لینا''۔

''اچھا نا! پلیز......''

''او۔ کے'' وہ قصداً مسکرائی۔ اس کا سر سہلایا اور باتھ کی طرف اشارہ کیا۔

''نہاؤ تم۔ میں دودھ لاتی ہوں''۔

''ویسے کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ تم مجھ سے چھ ماہ چھوٹی نہیں بلکہ چھ سال بڑی ہو۔ سچ بالکل آپا جان لگ رہی ہو'' وہ ہنسا۔ وہ بھی ہنس دی۔

''مجھے بچپن سے ہی شوق تھا تمہاری آپا بننے کا۔ یاد ہے وہ اپنا کے جی سکول کا زمانہ یہ تپلی تپلی ٹانگوں اور سوکھے منہ کے ساتھ ہر وقت روتے تھے''۔

''بالکل یاد ہے۔ اور تم میری خاطر سب سے لڑنے کھڑی ہو جاتیں تھیں۔ نعرہ لگایا جاتا تھا کہ ہمت ہے تو میرے بھائی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو''۔ وہ ہنس دی۔

''ایک تو تم اتنے مظلوم سے ہوا کرتے تھے کہ دل چاہتا تھا تمہیں ننھے چوزے کی طرح پروں میں چھپا لوں''۔

''حجاب کیا دنیا کی ساری بہنیں اپنے بھائیوں سے اتنا ہی پیار کرتی ہیں''۔ وہ حیرت اور اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

''ہاں۔ دنیا کی ساری بہنیں اپنے بھائیوں سے اتنا ہی پیار کرتی ہیں'' وہ یقین سے بولی پھر اسے باتھ روم کی طرف دھکیل کر خود نیچے آ گئی۔ نیچے آ کر اس نے دودھ گرم ہونے کے لیے رکھا اور خود اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

''آہستگی سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ سحاب بے خبر سو رہی تھی۔ اس نے سحاب کا بیڈ سے نیچے لٹکتا بازو اوپر کیا۔ پیار سے اس کے بال پیچھے ہٹائے اور لائٹ آف کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا جب نظر فون پر پڑی جس کی سکرین بلنک کر رہی تھی۔ اس نے کچھ حیران ہو کر فون اٹھایا۔ غور سے نمبر دیکھا۔ اگلے ہی لمحے وہ نمبر پہچان چکی تھی۔ تنفر سے ہونٹ سکوڑ کر اس نے فون واپس بیڈ پر پھینکا اور خود کچن میں چلی گئی۔ دودھ گرم کر کے عمر کو دیا اور اسے سونے کی تلقین کر کے خود نیچے آ گئی۔ دھم سے بیڈ پر بیٹھ کر اس نے تمام دن میں پیدا ہونے والی تھکن کو بھگانے کی کوشش کی۔ اسی اثنا میں نظر فون پر پڑی جس پر ابھی تک کال آ رہی تھی۔ اس نے لب بھینچ کر فون اٹھایا اور ''یس'' کر کے کان سے لگا لیا۔

''السلام علیکم'' نہایت خشوع و خضوع سے سلامتی بھیجی گئی۔

''وعلیکم السلام'' حجاب نے دانت پیس کر کہا۔

''بہت انتظار کراتی ہیں آپ'' شکوہ کیا گیا۔

''کیوں فون کیا ہے؟'' وہ بگڑے لہجے میں بولی۔

''ہر بار ایک ہی سوال کر کر کے آپ تنگ نہیں آئیں۔؟''

''مقصد کیا ہے آپ کا۔ دوستی کرنا چاہتے ہیں؟ آج کل کے بدتمیز اور گھٹیا لڑکوں کی طرح؟''

''میں آپ کو ایسا لگتا ہوں؟'' دھیمے لہجے میں استفسار ہوا۔

اس کی ایک بیٹ مس ہو گئی۔ ایک گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کرنا چاہا۔

''کان کو آگے سے پکڑیں یا پیچھے سے رہے گا تو وہ کان ہی۔ اس لیے آج آپ مجھے

فائنلی بتا دیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''آپ کو۔ میں آپ کو چاہتا ہوں حجاب۔ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کہاں؟ یہ آپ کی چوائس ہے۔ میں آپ سے روبرو بات کرنا چاہتا ہوں'' لہجے میں ڈھیروں شدتیں تھیں۔

وہ ساکت رہ گئی۔

''ایکسکیوزمی! مجھے آپ سے ایسے کوئی مسائل حل نہیں کروانے جو ''روبرو'' ملوں''۔

حجاب نے ''روبرو'' پر زور دیتے ہوئے تلخی سے کہا اور کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

اس کی آنکھیں غصے سے جل رہی تھیں۔

طیش کے مارے مٹھیاں بھینچ گئیں تھیں۔

''بدتمیز انسان! جانے کیا سمجھتا ہے خود کو؟

میں ہی احمق ہوں جو نمبر چینج نہیں کرتی۔ لیکن اگر اس نے نیا نمبر بھی ٹریس کر لیا تو......؟ اوہ خدایا! کیا کروں؟''

وہ لبوں کو بھینچ کر سوچے جا رہی تھی۔ نیند غائب ہو چکی تھی۔

☆☆☆

سرخ اینٹوں سے بنے اس پرانی طرز کے مکان میں بنیادی طور پر دو فیملیاں آباد تھیں۔

سفیر اور صفیہ کا گھرانہ۔ ان کی تین اولادیں تھیں۔ مائرہ منزہ اور عمر۔

تاثیر اور آمنہ کا گھرانہ۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں۔ حجاب اور سحاب۔

مائرہ اور منزہ کے بعد عمر کی پیدائش سے پہلے ہی صفیہ بیگم بیمار رہنے لگیں۔ عمر کی پیدائش انتہائی نامساعد حالات میں ہوئی۔ وہ ایک کمزور، سوکھا سڑا اور پتلی پتلی ٹانگوں والا بچہ تھا جو ہر وقت روتا رہتا تھا۔ عمر کی پیدائش کے صرف چھ ماہ بعد آمنہ بیگم کے ہاں حجاب کی پیدائش ہوئی۔ ان دنوں صفیہ بیگم کو ٹائیفائیڈ کی بیماری ہو گئی جس کی وجہ سے آمنہ نے حجاب کے ساتھ ساتھ عمر کو بھی دودھ پلایا۔ اور اس طرح وہ دو گھروں کا اکلوتا بیٹا بن گیا۔ آمنہ بیگم کے ہاں حجاب کے بعد سحاب کی آمد ہوئی۔

بیٹے کی کمی عمر کے ہوتے ہوئے کبھی محسوس نہ ہوئی۔ اس لیے سفیر اور صفیہ شروع سے ہی تایا، تائی کی بجائے بڑی امی اور بڑے بابا بن گئے۔

دونوں گھروں میں محبت والفت مثالی تھیں۔ وقت کا پہیہ چلتا رہا۔ مائرہ اور منزہ کی شادیاں ہو گئیں۔ عمر نے اخبار کے آفس میں ملازمت کر لی۔ اس کے ساتھ حجاب نے بھی اخبار جوائن کر لیا۔ سحاب ابھی تھرڈ ائیر میں تھی۔

عمر اور حجاب کی انڈرسٹینڈنگ کمال کی تھی۔

آج کل گھر میں سب سے ''ہاٹ ٹاپک'' حجاب کی شادی تھی۔ آنے والے بے شمار پرپوزلز میں سے تین چار تو سب کو بے حد پسند آئے تھے۔ مگر اب یہ حجاب ہی تھی جو کسی پر راضی ہونے کو تیار نہ تھی۔ اس میں قصور اس کا بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

نمروز علی خان کا تقاضا بڑھتا جا رہا تھا اور حجاب کی پریشانی بھی۔ کافی دنوں سے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس بات کو عمر سے ڈسکس کر ہی لے۔ مگر جانے کیا بات تھی جو اسے روک رہی تھی۔ تذبذب ختم ہی نہ ہو رہا تھا۔ فی الحال تو اس نے یہ حل نکالا تھا کہ فون ریسیو کرنا بند کر دیا تھا۔ پچھلے پانچ دنوں سے مسلسل وہ اس کی کال نہیں اٹھا رہی تھی۔ فون بجتا رہتا۔ وہ فون کی بیل بند کر کے ایک طرف پھینک دیتی۔ پھر ٹیکسٹ آنے لگتے۔ وہ چیک نہیں کرتی تھی۔

وہ بھی ایک مصروف اور بور دن تھا۔ یونیورسٹی سے واپسی پر اسے اخبار کے آفس جانا تھا۔ وہ کم و بیش پندرہ منٹ سے پوائنٹ کا انتظار کر رہی تھی۔ آج گرمی بھی غضب کی تھی۔ دھوپ سر میں گھسی آ رہی تھی۔ عمر بھی کہیں مصروف تھا اس نے آنے سے معذرت کر لی۔ اسی لیے اسے اس غضب کی گرمی میں کھڑا ہو کر پوائنٹ کا انتظار کرنا پڑ رہا تھا۔ جس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

اسی اثنا میں ایک سیاہ لینڈ کروزر آ کر رکی اور اس میں سے یونیفارم میں ملبوس ایک باڈی گارڈ ٹائپ کی مخلوق برآمد ہوئی۔ حیرانی اسے اس وقت ہوئی جب وہ اس کے قریب آ گیا۔

''میم حجاب'' اس نے تصدیقی انداز میں سر کو ہلکا سا خم دیا۔

''یس''

''آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے''

''کہاں؟'' بے اختیار منہ سے نکلا

''نمروز مینشن'' یہ سنتے ہی حجاب کا غصے اور طیش کے مارے برا حال ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے گا۔

''اور اگر میں انکار کر دوں تو......؟'' حجاب نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''میں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے کسی امتحان میں نہیں ڈالیں گی'' اس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

اس نے طویل سانس لی۔

''میں کنفرم کرنا چاہتی ہوں'' اس نے لب بھینچ کر ذہن میں اٹھتے طوفان پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''ضرور میم'' باڈی گارڈ نے فوراً فون نکالا اور نمبر ملا کر بات کرنے لگا۔

''جی خان۔ میم آپ سے خود بات کرنا چاہ رہی ہیں۔''

''جی'' اس نے دوسری طرف سے بات سنی اور فون حجاب کی طرف بڑھا دیا۔

''السلام علیکم'' مسکراتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو اس کے غصے کو مزید ہوا ملی۔

''مجھے بہت مجبور ہو کر یہ فیصلہ کرنا پڑا ہے حجاب۔ آپ ''مینشن'' آجائیں پھر تفصیلی بات کرتے ہیں'' نمروز علی خان کا لہجہ بے حد دوستانہ تھا۔

اس کے ساتھ ہی لائن ڈسکینکٹ ہو گئی۔ حجاب نے ایک طویل سانس خارج کی اور اپنے آپ کو تیار کیا۔

''آج آپ سے بھی دوٹوک بات ہو ہی جائے نمروز علی خان''۔ اس نے دانت پیس کر سوچا۔ اور لینڈ کروزر کی طرف بڑھ گئی۔ مختلف سڑکوں سے گزر کر لینڈ کروزر شہر کے پوش علاقے کی طرف بڑھ گئی۔

پندرہ سے بیس منٹ کے سفر کے بعد وہ سیاہ ماربل سے مزین وسیع و عریض عالیشان گھر کے سامنے موجود تھے۔ سنہرے حروف سے مزین ''نمروز مینشن'' عمارت کی پیشانی پر پوری شان سے جگمگا رہا تھا۔

لینڈ کروزر کے بغیر پورچ میں آ کر رُک گئی۔ باڈی گارڈ نے دروازہ کھولا تو وہ نیچے اُتر آئی۔ مرسڈیز اور لیموزین جیسی شاندار کاریں پورچ میں ایستادہ تھیں۔ اسے قطعاً حیرت نہیں ہوئی۔ وہ ایک سیاسی جماعت کا سربراہ تھا۔ چند گاڑیوں کی اس کے نزدیک کیا حیثیت؟

''آیئے مادام!'' ملازمہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی۔ ملازمہ چند قدم چلنے کے بعد رُک گئی۔ پھر ایک طرف کی مڑ گئی حجاب نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

پورچ کے پلر کے ساتھ وہ بڑی شان سے ایستادہ تھا۔ سیاہ شلوار سوٹ میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھے۔ ایک ٹانگ پلر سے ٹکائے اپنی ٹھٹکا دینے والی شخصیت کے ساتھ وہ دل و جان سے حجاب کی طرف متوجہ تھا۔

حجاب کے اندر زہر سا دوڑ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے مقابل آ کر ٹھہر گئی۔ وہ اسی طرح کھڑا رہا۔ نہ اس کی پوزیشن میں فرق آیا نہ انداز میں۔ وہ ایک ٹک حجاب کو دیکھ رہا تھا۔ بڑی جاندار نگاہ تھی۔ بے تاب، لپکتی ہوئی، کچھ کہتی ہوئی۔

حجاب نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ بڑی کاٹ دار نگاہ تھی اس کی۔ زہر سے بھری، جھنجلائی ہوئی، تنبیہہ کرتی ہوئی۔

مگر وہ نمروز علی خان کی آنکھوں کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ اس کی نگاہیں ننگی تلوار کی مانند حجاب کے وجود کو کاٹ گئیں۔ وہ نگاہیں جھکا گئی۔ وہ فاتحانہ انداز میں مسکرایا یوں جیسے اپنے سیاہ ہیروں جیسی آنکھوں کی طاقت پر نازاں ہو۔

''مجھے آج کوئی شبہ نہیں رہا کہ میری آنکھوں میں مسمرائیز کرنے کی طاقت موجود ہے۔'' وہ ہنسا۔

حجاب جانتی تھی اس کے ہنسنے کا انداز کتنا پیارا ہے۔ اسی لیے اس نے اس کی طرف دیکھنے کی غلطی نہیں کی۔ گلاب کی باڑ پر نظریں ٹکائے جب وہ بولی تو لہجہ اس آتش فشاں کی مانند تھا جس کا لاوا پھٹ پڑنے کو تیار ہو۔

''کیا چاہتے ہیں آپ؟''

''آپ کو چاہتا ہوں'' بہت متوازن اور پُر سکون لہجے میں جواب آیا۔

''تو اس چاہت کو میرے لیے سزا کیوں بنا رہے ہیں''۔

''سزا؟ یہ آپ کی اپنی سوچ ہے''۔

''او۔ کے لیٹس کم ٹو دا پوائنٹ۔ مجھے کیوں بلایا ہے یہاں؟''

''اتنی جلدی کس بات کی ہے؟ آیئے بیٹھ کر بات کرتے ہیں''۔

وہ چل پڑا۔ مجبوراً حجاب کو اس کی پیروی کرنا پڑی۔ وہ چلتے ہوئے ایک وسیع عریض لاؤنج میں آ گئے۔ آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھنے کے بعد حجاب نے اسے دیکھا۔ صوفے پر دونوں بازو پھیلائے، ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے وہ بڑی شان سے بیٹھا تھا اس کے انداز میں ایک شاہانہ پن تھا۔ یوں جیسے وہ بادشاہ ہو اور یہاں اس کا دربار لگا ہو۔

''آپ کو اپنانا چاہتا ہوں حجاب'' ایک مدھم دُھن کی مانند الفاظ اس کی سماعتوں میں اُترے اور اسے ساکت و جامد کر گئے۔

''آپ میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی نہیں ہیں حجاب! لیکن ''یہاں'' آنے والی پہلی ہستی ہیں''۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھکا۔

حجاب کا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ اسے خود کو سنبھالنے میں کچھ وقت لگا لیکن جب وہ بولی تو لہجہ بہت ہموار تھا۔

''میں نے آپ کی بات سن لی ہے اور سمجھ بھی لی ہے۔ امید کرتی ہوں آپ بھی میری بات کو سمجھ جائیں گے۔

پہلی بات۔ آپ کے اور میرے بیچ صدیوں کا فاصلہ ہے۔ جو کسی صورت پاٹا نہیں جا سکتا۔

دوسری بات۔ یہ دولت، جاہ حشمت، شہرت آپ اور آپ جیسے سیاستدان کیسے حاصل کرتے ہیں؟ میں بخوبی جانتی ہوں۔ بلیک میلنگ، سفارش، رشوت، غنڈا گردی اور دھاندلی سے۔ مجھے آپ کے اس سیٹ اپ کا حصہ بننے کا کوئی شوق نہیں۔

تیسری بات۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو خوامخواہ خود کو انٹلیکچوئل ظاہر کرنے کے لیے شادی نہیں کرتیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرا بھی ایک گھر ہوگا جہاں رزق حلال کھلانے والا میرا شوہر ہوگا اور فرشتوں جیسے بچے۔ میں نے کبھی آئیڈیل نہیں ڈھونڈے بلکہ خود کو آئیڈیل بنایا ہے۔

مجھے آپ جیسے ڈبل مائنڈڈ اور ڈبل کراس کرنے والے لوگوں سے ''چڑ'' ہے۔

محض ایک پریس کانفرنس کی بات لے کر آپ مجھے نیچا دکھانے کے لیے اس حد تک آ گئے ہیں۔ حد ہے'' آتش فشاں پھٹ چکا تھا۔ لاوا بہنے کے بعد تباہی کے آثار نمروز علی خان کے چہرے پر تھے۔ وہ یوں ساکت بیٹھا تھا جیسے اس کی راجدھانی سے بے دخلی کا حکم دے دیا گیا ہو۔ سفید پڑتا چہرہ اور سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ جب وہ بولا تو لہجے میں ہزاروں طوفان تھے۔

''آپ میرے دل کی طلب تھیں۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے حجاب تاثیر......! جو اپنی اعلیٰ سوچ کا نمونہ ابھی آپ نے دکھایا ہے میں اس پر کوئی صفائی پیش نہیں کروں گا۔ یہ میری توہین ہے۔ میں آپ کو معصوم سمجھا تھا۔ آپ تو پتھر نکلیں۔ یہ ملال تا عمر میرے ساتھ رہے گا۔ کیونکہ جانتا ہوں کہ دنیا میں بہت سے ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں جو قوت برداشت کا امتحان ہوتے ہیں۔ لوگ پھر بھی زندہ رہتے ہیں۔ میں بھی کوشش کروں گا''۔

وہ اثر لیے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہینڈ بیگ کندھے سے لٹکایا۔ فائل سینے سے لگائی اور بولی۔

''ہمارے درمیان کوئی آئندہ تو نہیں ہے نا مسٹر خان!'' پراعتماد اور پرسکون لہجہ۔

نمروز علی خان کے دل پر قیامتیں ڈھا گیا۔

''نہیں......'' بھینچا ہوا لہجہ۔ وہ تیزی سے خارجی دروازے کی طرف مڑ گئی۔

☆☆☆

الیکشنز کے دن قریب آ چکے تھے۔ وہ تینوں اس وقت کسی اہم رپورٹ کو فائل کر رہے تھے۔ حجاب نے کچھ بولتے ہوئے سر اٹھا کر عمر کو دیکھا اور اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ عمر ایک ٹک سامنے بیٹھی ثناء کو دیکھ رہا تھا جو سر جھکائے کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ اس نے عمر کو آواز دی۔ وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر اس نے اس کے شانے کو جھنجوڑا۔

''کہاں ہو؟ کب سے بول رہی ہوں'' وہ چونک کر متوجہ ہوا۔

''ہاں...... ہاں بولو''۔

حجاب نے اپنی مسکراہٹ چھپالی۔ اسے بڑے عرصے سے شک تھا کہ عمر، ثنا میں انٹرسٹڈ ہے۔ آج یقین ہو گیا تھا۔ رپورٹ مکمل کرنے کے بعد عمر اسے لے کر فاروقی صاحب کے کمرے کی طرف چل پڑا تو حجاب نے فوراً ثنا کو گھیرا۔

''ثنا! یار کہیں منگنی ونگنی کرانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

وہ حجاب کا سوال نما جواب سن کر ہنس دی۔

''تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے لڑکے بٹ رہے ہیں''۔

''پھر بھی...... کہیں بات وات تو نہیں چل رہی نا''۔

''ارے نہیں بھئی۔ ابھی کہاں۔ ابھی تو امی جان کو فرخ کے لیے کوئی پسند نہیں آرہا''

ثنا نے اپنی بڑی بہن کا نام لیا۔

''اچھا چھوڑو۔ بتاؤ کیا لکھ رہی ہو؟''

میرا موضوع ہے 'خواتین میں ووٹ دینے کے حوالے سے بیداری'۔

''اچھی بات ہے۔ ویسے تم کس کو ووٹ دے رہی ہو؟'' حجاب نے مسکرا کر کہا۔

''پی۔ جے۔ ایف کو'' ثنا نے خوشی سے کہا۔

''کیوں......؟'' حجاب کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

''کیوں؟ کیا کیوں؟ تمہیں نہیں لگتا حجاب! نمروز علی خان از دا بیسٹ پرسن فار اس''۔

''کیا فضول بات ہے ثنا طارق! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے ہر سیاستدان اندر سے دوغلا، جھوٹا، دہشت گرد اور بلیک میلر ہوتا ہے''۔

''اللہ کو مانو یار! اتنے سخت الفاظ۔ ماننا پڑتا ہے یار۔ اس بندے میں کوئی تو ایسی بات ہے جو اسے منفرد بناتی ہے''۔ ثنا کا یقین پختہ تھا۔

''جانے دو۔ سیدھی بات کرو۔ تم اس سے متاثر ہو اور کیا؟''

''بالکل ہوں۔ اتنی تباہ کن پرسنالٹی سے کون متاثر نہیں ہوگا؟''

''بند کرو یہ موضوع یار۔ کوئی اور بات کرتے ہیں''۔

حجاب نے موضوع بدل دیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں دنیا و مافیہا سے بے خبر کپڑوں کے ڈیزائن، رنگوں، قسموں پر خالصتاً زنانہ بحث میں مصروف ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

سب گھر والے اس وقت دسترخوان پر جمع تھے۔ منزہ اور مائرہ بھی آئی ہوئی تھیں۔ کھانا کھانے کے دوران حجاب نے سٹارٹ لیا۔

''منزہ آپی! آپ کو نہیں لگتا ہم نے اب تک ایک نہائیت اہم کام کو پسِ پشت ڈالا ہوا ہے''۔

''کون سا کام......؟'' مائرہ نے حیرت سے سر اٹھایا۔

''بڑی امی! آپ کو نہیں لگتا اب ہمیں عمر کی شادی کر دینی چاہیے''۔ اس نے سب کے چہروں پر نظر دوڑا کر صفیہ بیگم کو فوکس کیا۔ پانی پیتے ہوئے عمر کو اچھو لگ گیا۔

''ایک جھانپڑ دوں گا بدتمیز لڑکی۔ اپنی بلا میرے سر ڈالنا چاہتی ہو''۔ عمر نے اسے گھر کا تو سب کی دبی دبی ہنسی پھیل گئی۔

''ارے نہیں بھئی۔ کہنے دو اسے۔ یہ تو ہم سب کا ارمان ہے'' مائرہ نے محبت سے کہا۔

حجاب فوراً جوش میں آ گئی۔ ''بالکل۔ کم از کم منگنی تو ہو جانی چاہیے''۔

''پھر ہم وہ گانا بھی تو گائیں گے شادی پہ دیر میرا گھوڑی چڑھیا''۔ سحاب نے بچوں کی طرح تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔ سب ہنس دیئے۔

''پھر کیا خیال ہے عمر؟'' آمنہ بیگم نے پوچھا۔

اس نے حاضرین پر نظر ڈالی۔ سب کو سنجیدہ دیکھا تو ذرا اپنا موڈ چینج کر لیا۔ اور جب وہ بولا تو لہجے میں اس شخص کی سی رعونت اور سختی تھی جو گھر کا اکلوتا سربراہ ہوتا ہے اور جیسے اپنی کمائی کا بڑا زعم ہوتا ہے۔ چہرے پر مصنوعی سنجیدگی ابھر آئی۔

''یہ کیا فضول ٹاپک شروع کر لیا آپ سب نے۔ اور تم......'' حجاب کو ایک خاص گھوری سے نوازا۔

''امی جان! آپ اس کے کسی پرپوزل کی بات کر رہی تھیں نا۔ چھان بین کروائیے پھر فائنل کرتے ہیں''۔ اس نے گویا حجاب کا منہ ہی بند کر دیا۔ اس کی تو جان پر بن گئی۔

''اور تم ذرا فارغ ہو کر میرے کمرے میں آؤ''۔ وہ بات ختم کر کے اٹھ گیا۔ حجاب نے اس کی پشت کو گھورا۔ اب سب کا دھیان حجاب کی طرف ہو گیا۔ اور حجاب کی شامت آ گئی۔

''ہاں بھئی۔ بات تو صحیح کی ہے عمر نے۔ تم سناؤ کیا ارادہ ہے؟'' منزہ نے اسے گھیر لیا۔ وہ جھلا گئی۔

''چہ......اوف......میرے پیچھے مت پڑیں......میں ذرا عمر کی بات سن لوں'' وہ کنی کترا کر بھاگی۔

''لو سن لو۔ ان بہن بھائیوں کی تو ہر بات نرالی ہے۔ میں کہتی ہوں آمنہ! ان کی شادیاں اکٹھے ہی کرنا ہوں گی''۔ صفیہ بیگم نے تاسف سے کہا۔

''اکٹھے کیسے ہوں گی۔ کوئی مانے تو پھر نا''۔

مائرہ نے بھی حصہ لیا۔

''بات کرتی ہوں اس کے بابا سے'' آمنہ بیگم نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

دوسری طرف وہ عمر کے کمرے میں پہنچی تو اسے کمپیوٹر پر مصروف پایا۔

''مجھے پھنسا کر خود یہاں ہو۔ مزے میں''۔

حجاب نے طنز کیا۔

''تمہیں پھنسا کر......؟'' عمر نے حیران ہو کر کرسی اس کی طرف گھمائی۔ وہ ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

''ہاں۔ تو اور کیا''۔

''اور تم نے انتہائی اہم موضوع انتہائی غلط وقت پر چھیڑا ہے۔''

''بالکل غلط۔ پتا ہے میری نظر میں اتنی اچھی لڑکی ہے کہ کیا بتاؤں۔ سنو گے تو......''

اس نے معنی خیز انداز میں کہہ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

وہ بے طرح چونکا۔

''کون......کون ہے؟''

''داد دو گے میری پسند کی''۔

''اچھا بتاؤ بھی'' وہ بے چین ہوا۔

''ثنا طارق''۔

''عمر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے ناقابلِ یقین نظروں سے حجاب کو دیکھا۔

جس کے چہرے پر دبی مسکراہٹ تھی۔

''اوہ تو...... تم...... جانتی ہو'' وہ بے ربط ہو گیا۔

''یو نو عمر۔ آئم آ جینئس۔ تمہیں تو مجھ جیسی بہن پر فخر کرنا چاہیے۔ جو تمہارے چہرے سے تمہارے دل کی خوشی جان لیتی ہے''۔ اس نے مسکرا کر فرضی کالر جھاڑے گئے۔

وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے سمجھ نہیں آئی وہ اپنی خوشی کا اظہار کس طرح کرے۔ چند لمحے وہ تمتماتے چہرے کے ساتھ حجاب کو دیکھتا رہا پھر بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''میں کہتا ہوں، بہن ہو تو تمہارے جیسی۔ دل خوش کر دیا میرا''۔

دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنستے چلے گئے۔

''نیک خیال ہے لیکن......''

''میں چاہتا ہوں پہلے تمہارے فرض سے سبک دوش ہو جاؤں''۔ عمر کے چہرے پر ذمہ دار بھائیوں والی سنجیدگی آ گئی۔

''اوفو...... تم سب مل کر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو'' وہ جھنجھلا گئی۔

''چپ رہو تم۔ نیک بچیاں ان معاملوں میں نہیں بولا کرتیں'' عمر نے اسے ڈانٹ دیا۔

''یہ غلط بات ہے۔ تم نے مجھے ٹائم لمٹ دی ہوئی ہے'' وہ بسوری۔

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ......''

حجاب نے اس کی بات قطع کر دی۔

''پلیز ابھی مجھے شادی نہیں کرنی۔ ابھی مجھے بہت کچھ کرنا ہے''۔

''مثلاً کیا کرنا ہے؟ کے ٹو سر کرنی ہے'' عمر نے طنز کیا۔

''اس سے بھی اہم کام ہے۔ تمہیں نہیں لگتا ہمیں اپنی زندگیوں میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ کیا ساری زندگی ہم کولہو کے بیل کی طرح ایک دائرے میں چکر کاٹتے ہوئے گزاریں گے؟ اتنی معمولی تنخواہ جس میں اپنی پسند کا سوٹ خریدتے ہوئے بھی سوچنا پڑتا ہے کہ بجٹ ڈسٹرب نہ ہو۔ مجھے نفرت ہے اس زندگی سے۔ یہ حقیر کیچوؤں جیسی زندگی جس میں جو چاہے ہمیں روند کر گزر جائے۔ میں چاہتی ہوں کم از کم ہمارے پاس اتنی دولت تو ہو کہ ہم ان گندی گلیوں سے کسی پوش علاقے میں شفٹ ہو سکیں۔ میں چاہتی ہوں ہمارے پاس اتنی طاقت ہو، اتنی دولت ہو کہ کوئی ہمارے ساتھ زیادتی نہ کر سکے'' عمر ششدر بیٹھا تھا۔

''بہت خوب۔ اتنی اعلیٰ سوچ کا مظاہرہ کبھی پہلے تو نہ کیا تم نے۔ ویسے یہ تبدیلی آئی کب؟ میں تمہیں بچپن سے جانتا ہوں حجاب تمہاری سوچ کبھی ایسی نہ تھی''۔ وہ تلخی سے پوچھ رہا تھا۔

''اب ہو گئی ہے'' وہ سکون سے بولی۔

''تو یہ وجہ ہے شادی سے مسلسل انکار کی''۔

''بالکل۔ میں چاہتی ہوں فی الحال مجھے تنگ نہ کیا جائے'' وہ اپنی بات پوری کر کے کمرے سے نکل گئی۔

عمر دنگ سا اس کی ''تبدیلی'' پر غور کر رہا تھا۔ دوسری طرف وہ سکون سے نیچے اتری تو مائرہ، منزہ کو ای کے پاس براجمان پایا جبکہ سحاب کچن سمیٹ رہی تھی وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ ٹیبل سے کچھ پیپرز، فائل اور اپنی بکس پکڑیں اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اسے اسائنمنٹ تیار کرنی تھی۔ کام کرتے ہوئے دائیں طرف پڑے فون کی بپ ہوئی تو وہ چونکی۔ اس نے فون چیک کیا تو ثمین کا میسج تھا۔ وہ پڑھ کر جواب لکھنے لگی۔ گزشتہ انیس دن سے وہ حالت سکون میں تھی اب نہ تو میسج آتے اور نہ فون کال۔ وہ اپنی کامیابی پر نازاں تھی۔ نمروز علی خان کی کسی بات پر نہ تو اس نے کان دھرا تھا اور نہ ان کی گہرائی جانچنے کی کوشش کی تھی اس کے خیال میں یہ سب صرف اسے ہرانے اور نیچا دکھانے کی سازش تھی۔ جو کہ اس نے ناکام بنا دی۔ وہ اس کا سکون، اطمینان، خوشی سب چھین چکی ہے یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

☆☆☆

''آپ کے اور میرے بیچ صدیوں کا فاصلہ ہے''

''مجھے آپ جیسے ڈبل مائنڈڈ اور ڈبل کراس کرنے والے لوگوں سے چڑ ہے''۔

''آپ مجھے نیچا دکھانے کے لیے اس حد تک آ گئے ہیں''

''ہمارے درمیان کوئی آئندہ تو نہیں ہے نا!''

آوازیں تھیں کہ سرسراتے زہریلے ناگ جو سماعتوں سے لپٹ کر پورے وجود کو اپنے زہر سے نیلا کر رہے تھے۔ اس نے بے تابی سے کروٹ بدلی۔ تکیے پر سر پٹخا اور پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں قبر کی سی تاریکی تھی۔ اس نے دونوں آنکھیں کھول کر ماحول کو سمجھنا چاہا اس کا سارا بدن پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ سانس دھونکنی کی مانند تیز چل رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے تو محسوس ہوا کہ ایک سیال مادہ آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا اس نے بے تابی سے آنکھیں صاف کیں اور ہاتھ بڑھا کر روشنیاں جلا دیں۔ کمرہ جگمگ کرنے لگا۔ دیوار گیر آئینے میں خود کو دیکھا تو عجیب منظر تھا۔ اس کی سیاہ خوبصورت آنکھیں سرخ

اور متورم تھیں۔ چہرے پر بے پناہ شکستگی اور کرب کے آثار تھے اے سی آن ہونے کے باوجود براؤن کاٹن کی قمیض پسینے سے بھیگ کر جسم سے چپکی ہوئی تھی۔ بال منتشر ہو کر پیشانی پر جھک آئے تھے۔

اس نے نا قابلِ یقین نظروں سے خود کو دیکھا۔

''یہ ......تم ہو؟ تم ......نمروز علی خان! تم ؟ کتنے دِلوں کو ٹھکرایا تھا آج خود کسی کی ٹھوکروں میں ہو۔ کتنے قابلِ رحم لگ رہے ہو۔ حقیقت کو قبول کرو۔ تم مسترد کئے جا چکے ہو''۔

"You are rejected person"

وہ وحشت کے بگولوں میں چکرانے لگا۔

حجاب تاثیر!!!!

تم سے عشق میرا جُرم!!!

تمہیں پانے کی کوشش میرا گناہ!!!

تمہیں دیکھنے کی خواہش میری سزا!!!!

اس کا سر درد سے پھٹنے لگا۔

''اتنی آسانی سے کیسے مجھے مسترد کر سکتی ہو تم ؟ میں بے نشان ذرہ نہیں ہوں۔ بہت اعلیٰ نسب ہے میرا۔ میں چمکتا سورج ہوں۔ لوگ میری مثالیں دیتے ہیں''۔ اس کی فطری رعونت اور غرور عود کر آیا۔ چہرے پر شکستگی کے سب آثار مٹ گئے تھے۔

''میں نے تمہیں دیکھا، پسند کیا، چاہا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے اور میرا احسان ہے تم پر۔ تمہیں یہ تسلیم کرنا ہوگا''۔

اس کی رگ رگ میں شرارے دوڑ رہے تھے۔

☆☆☆

وہ دونوں یونیورسٹی سے واپس جا رہے تھے جب عمر کی نظر سڑک کے کنارے رُکی سیاہ لینڈ کروزر پر پڑی اور اس کے ساتھ ہی ٹیک لگائے ''نمروز علی خان'' پر بھی۔ اس نے بے اختیار بائیک روک دی۔ حجاب نے چونک کر نظر اٹھائی۔ تو اندر تک کوفت و بیزاری پھیل گئی۔

''آپ یہاں؟ خیریت ہے'' عمر نے استفسار کیا۔ بائیک کو روک کر اس نے حجاب کو اُترنے کا اشارہ کیا اور اس کے اُترنے کے بعد بائیک سٹینڈ پر لگا دی۔

''ہاں۔ وہ گاڑی تھوڑی پرابلم کر رہی ہے۔ ٹریفک بھی اتنا نہیں اس روڈ پر۔ اس لیے کسی سے مدد بھی نہیں مانگی جا سکتی''۔ اس نے اکا دکا ٹریفک پر نظر دوڑا کر اطمینان سے جواب

دیا۔ نظریں حجاب کو فوکس کر چکی تھیں۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' عمر نے پوچھا۔

''ریڈی ایٹر گرم ہو گیا ہے پانی کی ضرورت ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں یہاں دور دور تک کوئی نہیں ہے۔ ڈرائیور کو کیا کہوں۔ وہ غلطی سے پانی کی بوتل رکھنا بھول گیا''۔

''مجھے لگتا ہے ہم کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ حجاب تمہارے ہینڈ بیگ میں منرل واٹر کی بوتل ہوتی ہے نا! دیکھو شاید اس میں پانی ہو''۔ عمر حجاب سے مخاطب ہوا۔ حجاب نے دانت بھینچ کر بیگ کی زپ کھولی اور بوتل نکال لی۔ چھوٹی سی بوتل سے صرف چند گھونٹ لیے گئے تھے۔ اس نے بوتل عمر کی طرف بڑھائی۔

''بہت شکریہ'' نمروز نے دھیمے سے کہتے عمر سے بوتل تھام لی۔ اور مسکرایا۔ یہیں حجاب سے غلطی ہوئی اس نے اس کی سمت دیکھا اور جان ہزار قیامتوں میں گھر گئی۔

نمروز علی خان کی آنکھیں کوئی اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔ وہ اس دن سے بالکل مختلف لگ رہا تھا۔ تر و تازہ ٹک سک تیار، کریم کلر کے کرتا شلوار میں اپنی مسکراہٹ بکھیرتا، اس کی آنکھوں میں ایک چیلنج تھا، غرور تھا۔ پھر اس نے ڈرائیور کو پانی کی بوتل تھما دی۔

''اور کیسے ہیں آپ عمر؟''۔

میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں'' اسے نمروز علی خان کی حجاب کی طرف اٹھی نظر بڑی مختلف لگی مگر وہ اسے وہم جان کر جھٹلا گیا۔

''آپ کیسی ہیں مس حجاب؟'' لہجے میں دنیا جہان کی خوش اخلاقی سموئے وہ مخاطب تھا۔

حجاب نے فقط سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ اسے شدت سے کچھ غلط ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

نمروز علی خان نے اس کا یہ انداز (سر ہلانا) دیکھا اور دل پر کڑی گزر گئی۔

''اُف یہ میری رگ رگ میں بسی لڑکی۔ اس کا یہ غرور، یہ شانِ استغنا، یہ بے نیازی مجھے خوار کر کے رہے گی''۔ وہ دل گرفتہ سا سوچ رہا تھا۔

''ہم چلتے ہیں سر! اجازت دیجئے۔'' عمر نے کہا۔

''بالکل ایک بار پھر شکریہ، خدا حافظ'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اللہ حافظ'' عمر نے بھی فریضہ نبھایا اور بائیک سٹارٹ کرنے لگا۔ حجاب نے پیچھے بیٹھ کر ہاتھ عمر کے شانے پر رکھا تو نمروز علی خان بھڑ بھڑ جلنے لگا۔

''اتنا بامراد۔ یہ کون ہے؟ اتنا با اعتماد؟ اتنا خوش قسمت؟ صرف کزن ہی تو ہے۔

صرف تایازاد۔ اتنا بانصیب۔ کیوں......؟''

''میں تمہیں جیتنے کی احمقانہ سوچ رکھتا تھا حجاب تاثیر!!! تھا نا احمقوں کا بادشاہ۔ مگر اب نہیں! بالکل نہیں۔ اب وقت بدل چکا ہے۔ کھیل بھی بدل چکا ہے اور میں بھی۔ اب تم میری ضد بن چکی ہو۔ میری انا کو چیلنج کر کے تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔'' وہ گہری سوچ میں گم تھا۔ ڈرائیور کی آواز سن کر چونکا۔ جو گاڑی ٹھیک ہونے کی نوید سنا رہا تھا۔

☆☆☆

الیکشنز میں صرف دو دن تھے۔ 2 ستمبر کا خوبصورت دن تھا۔ اس دن گرمی تمام دنوں سے کم تھی۔ ماحول میں خوشگواریت تھی۔

آج کا دن بے حد خاص تھا۔

حجاب کی سالگرہ تھی۔

گھر میں چہل پہل تھی۔ دوپہر میں سب کی شاندار لنچ سے تواضع کی گئی۔ سہ پہر میں مائرہ اور منزہ اپنے گھروں کو سدھاریں۔ جیسے ہی شام نے پر پھیلائے۔ حجاب عمر کے سر ہوگئی۔

''آج میری سالگرہ ہے۔ مجھے ڈنر باہر کراؤ''۔ اس نے دھونس سے کہا۔

وہ اُچھل پڑا۔

''بالکل نہیں۔ میں غریب سا آدمی ہوں۔ گھر میں اتنا اچھا کھانا بنا ہے تمہاری تسلی نہیں ہوئی۔ چلو شاباش'' اس نے چٹکی بجا کر گویا اسے ''شکل گم'' کرنے کا اشارہ کیا۔

وہ صدمے میں گھر گئی۔ پھر چلا پڑی۔

''عمر۔ بدتمیز۔ کتنے برے ہو تم۔ کوئی گفٹ بھی نہیں دیا مجھے۔ اب کھانا کھلانے سے بھی انکار''۔

اسی دم سحاب اندر داخل ہوئی۔ اس نے حجاب کی بات سن لی تھی۔

''بھیا! یہ غلط بات ہے'' اس نے اتنی معصومیت سے سر ہلایا کہ عمر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''کیا بات غلط ہے؟'' عمر نے ہنسی دبا کر پوچھا۔

''آپ نے آپی کو کوئی تحفہ بھی نہیں دیا۔ باقی سب نے دیئے ہیں۔ اس لیے یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ ''ہمیں'' کھانا کسی اچھے ریسٹورنٹ میں کھلائیں'' سحاب نے ''ہمیں'' کا مزید اضافہ کیا۔

پاس بیٹھے سفیر احمد مسکرا دیئے۔

''بھئی عمر۔ بچیاں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لے جاؤ'' انہوں نے سفارش کی۔

''چلیں بابا جان آپ کی بات مان لیتے ہیں'' عمر نے حامی بھر لی۔ تو دونوں نے ''یا ہو'' کا نعرہ لگایا۔

ٹھیک آٹھ بجے وہ تینوں بائیک پر پھنس پھنسا کر بیٹھے ڈنر کے لیے رواں دواں تھے۔ عمر نے اپنی جیب کے حساب سے ایک عام سے ریسٹورنٹ کے سامنے بائیک روکی۔ وہ تینوں ہنستے مُسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور داخلی دروازے کے قریب ایک میز منتخب کر کے براجمان ہوگئے۔

مینو کارڈ پکڑ کے جھگڑتے ہوئے یہ فیصلہ کر رہے تھے کہ کیا آرڈر کیا جائے جب حجاب کی نظر سامنے اٹھی اور ٹھٹک کر رُک گئی واپس آنے سے انکاری ہوگئی۔

سفید کرتا شلوار میں بند مٹھی ٹھوڑی تلے ٹکائے وہ یک ٹک حجاب کو ''گھور'' رہا تھا۔

حجاب کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔

''کیا اسے میرے پروگرامز کا پیشگی پتا چل جاتا ہے۔ یہ تو ایک عام سا ریسٹورنٹ ہے اس کا بھلا یہاں کیا کام''۔

اس نے اندر ہی اندر خوفزدہ ہوتے ہوئے سوچا۔ وہ بے خیالی میں اب بھی اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے اس طرح دیکھنے پر ''نمروز علی خان'' نے ایک دلکش مسکراہٹ پھینکی۔

وہ جلتے شعلوں میں گھر گئی۔ عمر نے حیرت سے اس کے بدلتے تاثرات دیکھے۔

''حجاب! کیا بات ہے؟''

''ارے کچھ نہیں۔ کچھ منتخب ہوا کہ نہیں؟'' وہ خود کو سنبھال کے گویا ہوئی۔

اسی وقت عمر نے بھی اسے دیکھ لیا۔ چونکہ عمر اور حجاب ساتھ ساتھ کرسیوں پر بیٹھے تھے اس لیے یہ کوئی عجیب بات نہ تھی۔ وہ بے اختیار اٹھا۔ اور نمروز علی خان کی میز پر چلا گیا۔

''سر! آپ یہاں۔ اتنے عام اور غیر معروف ریسٹورنٹ میں؟'' وہ حیران سا پوچھ رہا تھا۔

''آپ نے ہی تو کہا تھا عمر کہ سیاسی لیڈر پبلک لائف گزارتے ہیں۔ اسی لیے میں کسی فائیو سٹار ہوٹل میں جانے کا رسک نہیں لے سکتا۔ صحافیوں سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے آج باہر کھانے کا موڈ تھا اس لیے یہاں چلا آیا۔ آپ لگتا ہے کچھ سلیبریٹ کرنے آئے ہیں''۔ مصافحہ کرنے کے بعد وہ تفصیل سے گویا ہوا۔

''بالکل۔ حجاب کی سالگرہ ہے۔ آیئے آپ بھی ہمیں جوائن کریں''۔ عمر نے بتانے کے ساتھ دعوت دے ڈالی۔

“ارے نہیں۔ کچھ اچھا نہیں لگتا”۔

“پلیز سر! اچھا تو ہمیں نہیں لگے گا جب آپ یہاں تنہا ڈنر کریں گے۔ پلیز......” اس نے اصرار کیا۔

“پلیز سر ہماری خوشی کے لیے”۔

“چلیں۔ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو” وہ مسکرا کر اٹھ گیا۔

حجاب نے بے حد حیرت سے عمر کے ساتھ اسے اپنی میز کی طرف آتے دیکھا۔ اس نے آ کر سلام کیا اور کرسی گھسیٹ کر عین اس کے سامنے براجمان ہو گیا۔ حجاب کی جان جل گئی۔

“السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟” مسکرا کر پوچھا۔

“فائن” اس نے فائن کو دانتوں تلے پیس ڈالا۔

“اور آپ؟” اس نے سحاب کی طرف رخ کیا۔

“میں سحاب ہوں” وہ حیرت و جوش سے بولی۔ پھر عمر کے کان میں گھس گئی۔

“بھیا یہ تو وہی ہیں نان! انصاف، آزادی، امن والے، جو ٹی وی پہ بھی آئے تھے”۔

اس کا اندازہ اتنا معصومانہ تھا کہ وہ اپنا قہقہہ ضبط نہ کر سکا۔

“جی میں وہی ہوں۔ انصاف، آزادی اور امن کا علمبردار، لوگ تو ہمیں راشی اور وہشت گرد تک کہتے ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے؟ سیاست ہے ہی اتنا بدنام شعبہ” اس نے کنکھیوں سے حجاب کو دیکھتے ہوئے جملہ کسا۔

“ارے نہیں سر۔ ایسا صرف کوتاہ نظر لوگ ہی کہہ سکتے ہیں اور پھر اکثریت اور اقلیت کی رائے یکساں کبھی نہیں ہو سکتی۔ جتنا اچھا آپ بول لیتے ہیں میں اپنی زندگی میں کسی سیاست دان کو بولتے نہیں دیکھا۔ کیونکہ یہ لوگ تو ٹھیک سے اردو بھی نہیں بولنا جانتے کئی کئی دن تقریر رٹنے کے بعد عوام کا سامنا کرتے ہیں” عمر نے تفصیلی جواب دیا۔

“لیکن میں لوگوں کو اپنی گفتگو سے سحر زدہ نہیں کرنا چاہتا عمر! میں عملی کام کرنا چاہتا ہوں”۔

“بالکل سر! عملی کام کا موقع بھی آئے گا۔ آپ کی مقبولیت تو سب کو نظر آ رہی ہے اور ویسے بھی لوگ ان پرانے گھاگ سیاستدانوں سے تنگ آ چکے ہیں انہوں نے تو ملک بیچ دینا ہے لوگ تبدیلی کے خواہاں ہیں”۔

“تبدیلی ضرور آئے گی” نمروز علی خان نے پر یقین لہجے میں کہا۔

“ان شاء اللہ” عمر نے زور و شور سے تائید کی۔

“کیا آج ہم صرف باتیں کریں گے؟”

حجاب نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ دونوں چونک کر متوجہ ہوئے۔

کچھ دیر بعد باہمی مشورے سے مینیو منظور کر کے آرڈر کیا گیا۔

نمروز علی خان کی نظریں اب راہ راست اس پر فوکس تھیں حجاب کے اندر طوفان اٹھنے لگا۔ اپنے دائیں ہاتھ کی بڑی انگلی میں موجود انگوٹھی کو بے چینی سے بار بار گھماتی وہ اسے اپنے دل سے بے حد قریب لگی۔

“کیا بات ہے حجاب! آج کوئی سوال نہیں کرو گی” عمر نے کہا۔ وہ بے طرح چونکی۔ انگوٹھی ہاتھ سے نکل کر رول ہوتی ہوئی ٹیبل پر کچھ آگے جا کر رک گئی۔

“بھئی اتنی چپ کیوں ہو؟” وہ حیران ہوا۔

“کچھ نہیں” اس نے سر جھٹکا۔

“آپی! کیا بات ہے؟” سحاب بھی متفکر ہوئی۔

“کوئی بات نہیں ہے” اس نے جھنجھلا کر کہا۔

“مجھے لگتا ہے۔ آپ میری وجہ سے اَن ایزی ہو گئے ہیں۔ میں نے آپ سے پہلے ہی معذرت کی تھی۔” نمروز علی خان کا لہجہ گواہ تھا کہ اسے حجاب کا رویہ شدید ناگوار گزر رہا ہے۔

“ارے...... نہیں سر! پلیز آپ تشریف رکھیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے” عمر نے شرمندہ ہو کر کہا۔

وہ اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔

“حجاب” عمر نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا۔ وہ نظر چرا گئی۔

“مجھے لگتا ہے حجاب! ہمیں پرانی باتوں کو بھول جانا چاہیے”۔ نمروز نے کہا۔

عمر چونک گیا پھر بے اختیار کچھ یاد آنے پر بول اٹھا۔

“آپ ابھی تک ایک دوسرے سے اس اسٹوپڈ سے پراسس کی وجہ سے ناراض ہیں۔ اوگاڈ! حد ہے بھئی۔

سر! آپ پریشان مت ہوں وہ تو حجاب نے اپنے صحافیانہ جوش میں کہہ دیا تھا۔ اب تک تو یہ خود بھی بھول چکی ہو گی۔ کیوں حجاب!” عمر نے اسے مخاطب کیا۔

“تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں پرانی باتیں بھلا چکی ہوں” اس نے مضبوط لہجے میں کہہ کر ترچھی نظروں سے نمروز علی خان کو دیکھا۔ اس کا چہرہ روشن ہو گیا۔

''پھر تو دوستی ہو جانی چاہیے'' وہ مسکرایا۔

''میں آپ سے دوستی افورڈ نہیں کر سکتی'' اس کے تلخ لہجے پر نمروز نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر ویٹر کو ڈشیں سجانے کے لیے آتے دیکھ کر چپ ہو گیا۔

کھانے کے دوران موضوع یکسر بدل گیا۔ عمر اسے اپنی اور حجاب کی بچپن کی شرارتیں بتانے لگا جنہیں نمروز علی خان تو بے حد انجوائے کر رہا تھا مگر وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

''ہمارے گھر میں داخلی دروازے کے ساتھ ہی آم کا درخت ہوا کرتا تھا۔ گرمیوں کے موسم میں اس پر وافر مقدار میں آم لگتا ہے۔ جسے تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ کچھ اچار ڈالنے کے لیے، کچھ رشتہ داروں میں بانٹنے کے لیے اور کچھ کھانے کے لیے۔ جیسے ہی اس پر پھل لگتا حجاب صاحبہ کو مصیبت پڑ جاتی۔ بھری دوپہر میں تاک تاک پتھروں کے نشانے لگائے جاتے۔ جتنی کیریاں ملتی انہیں سمیٹ کر پچھلے صحن میں چھپ کر نمک لگا کر کھایا جاتا تو ایک روز کیا ہوا۔ پتھروں سے لگائے گئے حجاب کے سارے نشانے خطا ہوتے گئے غصے میں آ کر حجاب نے بڑے ابا کی چپل اٹھائی اور تاک کر نشانہ لگایا۔ شومئی قسمت اسی وقت دروازہ کھول کر امی جان بازار سے آئی تھیں۔ بڑے ابا کا بھاری جوتا پوری رفتار سے ان کی پیشانی پر لگا اور پھر......'' عمر ہنستے ہنستے رُکا۔

''عمر! بکواس مت کرو'' حجاب نے دھیمی آواز میں گھر کا۔

''پھر کیا ہوا؟'' تمروز نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔

''سر! ایسے موقعوں پر ظاہر ہے پھر کیا ہو سکتا ہے۔ سوائے پٹائی کے'' عمر نے ڈرامائی انداز میں اینڈ بتایا۔

دونوں کا مشترکہ قہقہہ گونج اٹھا۔ سحاب بھی ہنسی۔ جبکہ خود حجاب کو یقین تھا کہ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا ہوگا۔ اس نے پوری توجہ کھانے کی طرف مرکوز کر کے جیسے خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''بھئی آج ہمیں حجاب کی اچھی باتیں کرنی چاہئیں آج ان کی سالگرہ کا دن ہے''۔ نمروز نے اپنائیت سے کہا۔ حجاب کو نوالہ نگلنا مشکل ہو گیا۔

''سحاب! آپ کی آپی میں سب اچھی بات کیا ہے؟'' وہ مسکرا کر سحاب کی طرف متوجہ ہوا۔

''سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ ''میری'' آپی ہیں'' وہ جوش سے بولی۔ ایک قہقہہ پڑا۔

''واللہ'' عمر نے داد دی۔

''بہرحال حجاب میری طرف سے سالگرہ مبارک ہو'' عمر نے مسکرا کر کہا۔

''اس سال میں تئیس کی ہو چکی ہوں۔ اس لیے اب میری عمر بڑھنا رُک جائے گی۔ اب اگلے سال میں سالگرہ کا کیک تو کاٹوں گی مگر موم بتیوں کے بغیر''۔ وہ فطری شوخی سے چہکی۔ سب مسکرا دیے۔

''میری طرف سے سالگرہ مبارک۔ تحفہ تو نہیں ہے البتہ یہ ڈنر میری طرف سے'' نمروز نے مسکرا کر کہا۔

''ارے نہیں سر۔ یہ ڈنر تو......'' عمر کے کی بات نامکمل رہ گئی۔

''پلیز عمر! میں انکار نہیں سنوں گا'' وہ قطعیت سے بولا۔ عمر بھی خاموش ہو گیا۔ جبکہ حجاب کو یہ سوچ کر ہی پیٹ میں درد اٹھتے محسوس ہو رہے تھے کہ کھانا نمروز علی خان کی طرف سے ہے۔ کچھ دیر بعد وہ سب جانے کے لیے اٹھ گئے۔ حجاب کا موڈ سخت خراب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

پورے ملک میں الیکشنز کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ ہر نیوز چینل پوری طرح فعال نظر آتا تھا۔ تبصرے، تجزیے، کالم، ٹاک شوز اور دیگر پروگرامز سبھی کے پاس صرف ایک ہی موضوع تھا اور وہ تھا الیکشنز۔ ہر پارٹی کے ارکان اپنی پارٹی کو فاتح قرار دیتے نظر آتے۔ خدا خدا کر کے وہ دن آ پہنچا۔ حجاب صبح سے صوفے پر براجمان تھی اور کبھی ایک نیوز چینل کو دیکھتی تو کبھی دوسرے کو۔ سب پر کم و بیش ایک سی خبریں تھیں۔ ایک تجزیاتی سروے کے مطابق الیکشنز سے ایک دن پہلے پی۔ جے۔ ایف کو گیارھویں نمبر پر دیکھا گیا تھا مگر حالیہ خبروں کے مطابق ملک کی چھٹی کامیاب پارٹی پی۔ جے۔ ایف نظر آ رہی تھی۔

عمر صبح سے کوریج کے سلسلے میں مصروف تھا۔ حجاب نے جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس لیے اب وہ ڈھیر ساری کھانے کی چیزیں جمع کئے ٹی وی کے آگے براجمان تھی۔ اور صحیح معنوں میں عیش کر رہی تھی۔ اس کا اعلان اس نے صبح ہی کر دیا تھا ناشتے کے دوران۔

''سب سن لیں۔ آج میرا ریسٹ کا موڈ ہے۔ اس لیے امی جان مجھے جھاڑ پونچھ کرنے کو اور سحاب تم مجھے چاول بنانے کو بالکل بھی مت کہنا۔ ورنہ میں سخت برا مان جاؤں گی''۔

''کیوں تم مہارانی ہو؟'' عمر نے فوراً مداخلت کی تھی۔

''اکیلی سحاب لگی رہتی ہے۔ کچھ خیال کرو۔ چھوٹی ہے تم سے'' بڑی امی نے بھی لتاڑ دیا تھا۔

''اونہوں۔ اتنے عرصے بعد تو چھٹی آئی ہے مکمل اطمینان لیے ہوئے'' وہ بسوری۔

''اٹس او کے آپی جان! بھائی میں سب خود ہی کرلوں گی۔ آپ انہیں کچھ مت کہیئے'' سحاب لاڈ سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

''یہ لو۔ جن پہ تکیہ تھی وہی پتے ہوا دینے لگے ہم تو تمہاری فیور کررہے ہیں''۔ عمر نے دھائی دی تھی۔ سب ہنس دیئے تھے۔

اور اب حسب اعلان وہ فرصت سے بیٹھی فرنچ فرائز کیچپ میں ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھی جب سحاب اندر داخل ہوئی۔ ''آپی! آپ بھی ووٹ دینے چلی جاتیں''۔ اس کے ساتھ صوفے پر ٹکتے ہوئے اس نے کہا۔

''ارے۔ یہ تو وہی ہیں نا!'' سحاب کی نظر ٹی وی پر پڑی تو وہ بے ساختہ بول اٹھی۔

''ہاں وہی ہیں'' حجاب نے جھنجھلا کر کہا اور ریموٹ اٹھا کر آواز بڑھا دی۔

اسکرین کے آدھے حصے پر نمروز علی خان کی تصویر ساکن تھی اور بقیہ حصے پر دیگر تفصیل تھیں جن میں پی۔ جے۔ ایف کا حدود اربعہ، منشور، دفتر، کارکنان اور اب تک کے کارناموں کی تفصیلات شامل تھیں۔ نیوز کاسٹر کے مطابق اس پارٹی نے حالیہ برسوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی تھی اور یہ سب پی جے۔ ایف کے بانی مرحوم فیروز علی کی وفات کے بعد ان کے ولی عہد اور اکلوتے وارث نمروز علی خان کی پارٹی کی قیادت سنبھالنے کے بعد وقوع پذیر ہوا تھا۔ خبر رساں ادارے کے مطابق ہمارے ملک کو بھی اب صرف نمروز علی خان جیسے لوگوں کی ضرورت ہے جنہوں نے دیار غیر میں تعلیم حاصل تو کی ہے مگر خدمت وطن کی کررہے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سچے اور محب وطن انسان ہیں''۔ حجاب نے اکتا کر چینل بدلا۔

''پیسہ بولتا ہے مائی باپ'' وہ بڑبڑائی۔ اسے یقین تھا کہ نیوز کاسٹر کو ''رشوت'' کھلائی گئی ہے۔

''آپی آپ کبھی ووٹ دینے ہی چلی جائیں'' سحاب نے پھر بات شروع کی۔ ''میں اور ووٹ ناممکن۔ فاروقی صاحب نے تو کہا تھا کہ عزیزہ ہمارے ووٹ بکڈ ہیں مگر میں نے صاف انکار کردیا کیوں کہ میرے نزدیک ابھی اس پائے کا لیڈر پیدا ہی نہیں ہوا جسے میں یعنی حجاب تاثیر ووٹ دے''۔

اس نے ناک چڑھایا۔

''نمروز علی خان کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' سحاب شرارت سے مسکرائی۔

''شٹ اپ'' اس نے ڈانٹا۔

''کیوں وہ نیوز کاسٹر تو بڑی تعریفیں کررہی تھی''۔

''اونہوں۔ تمہیں پتا ہے ہمارے ملک میں دو چیزوں سے ہر کام ہوسکتا ہے۔ (1) گولی، پسٹل والی اگر چلانے کی ہمت ہے تو ورنہ (2) قائداعظم کی تصویر والا کاغذ۔

''اب ایسی بھی بات نہیں آپی'' اس نے اختلاف کیا۔

''ایسی ہے بات ہے سحاب! میں جانتی ہوں کیونکہ بحیثیت صحافی ہمیں دن رات ایسے واقعات جو حالات اور اطلاعات سے واسطہ پڑتا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں''۔

''لیکن آپ کا اخبار تو سچی خبریں چھاپتا ہے؟'' سحاب حیرت زدہ رہ گئی۔

''ہاں سچی خبریں۔ وہ بھی سنسر شدہ۔ جس میں نہ کسی کا نقصان نہ فائدہ'' وہ تاسف سے بولی۔

''اچھا گھر میں صحافت کو دفع کریں۔ میں نے چکن پلاؤ بنایا ہے لاؤں؟''۔

''دیر کس بات کی ہے فوراً لاؤ''۔

کچھ دیر بعد الیکشنز کے بنیادی نتائج کا اعلان کردیا گیا۔ جس کے مطابق بی۔ جے۔ ایف نے لاہور سمیت اور بہت سے شہروں میں کلین سویپ کیا تھا۔

حجاب حیرت کے سبب چمچ منہ میں لے جانا بھول گئی۔

''یہ ہمارے لاہوریوں کو کیا ہوگیا؟'' وہ حیرت سے بڑبڑائی اسے لاہور میں پی جے ایف کے بھاری اکثریت سے جیت جانے پر شدید قلق ہوا تھا۔

''ہمارے شہر کے لوگ عقلمند ہیں آپی جان!'' سحاب نے اسے مزید چڑایا۔

حجاب نے چمچ پلیٹ میں رکھا اور ٹی وی آف کر کے اٹھ گئی۔ اس سے اس شخص کی کامیابی ہضم نہیں ہورہی تھی۔ سحاب نے حیرت سے اسے جاتے دیکھا۔

☆☆☆

عمر رات میں خاصی دیر سے لوٹا تھا اور خاصا خوش بھی۔ سحاب نے خاصے تھکے ہوئے انداز میں اسے ریسو کیا تھا۔ عام طور پر ہوتا یوں تھا کہ وہ دن میں سو لیتی تھی اس لیے رات دیر تک جاگ کر پڑھتی رہتی۔ اسی دوران عمر آجاتا تو اسے کھانا گرم کر کے دینا اور کپڑے وغیرہ نکال کر دینا بھی اس کی ذمہ داری تھی۔ آج اتفاقاً وہ دن بھر اتنی مصروف رہی کہ سونے کا وقت ہی نہ ملا۔

اسی لیے اب تھکن کے آثار چہرے سے ہی ظاہر تھے۔ وہ کچن میں کھانا گرم کر رہی تھی جب عمر قمیض کی آستینیں فولڈ کرتا اندر داخل ہوا۔ ایک نظر بغور اس کے تھکے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ دل میں ایک افسوس نے سر اٹھایا۔ وہ صرف اس کے انتظار میں جاگتی رہتی تھی۔

”کیا بات ہے سحاب! طبیعت ٹھیک ہے؟“

وہ تشویش سے پوچھنے لگا۔

وہ گلاس اور پانی کا جگ میز پر رکھ کر سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

”جی بھیا! مصروفیت بہت تھی“۔

”حجاب نے تمہاری مدد نہیں کروائی“ اس کے لہجے میں سختی آ گئی۔ اس کی یہی بات تو سب کو اچھی لگتی تھی وہ جتنا اچھا دوست تھا اس سے زیادہ ذمہ دار بھائی اور جتنا ذمہ دار بھائی تھا اس سے زیادہ فرماں بردار بیٹا۔ وہ دھیمی آواز سے ہنسی۔

”چھوڑیں جانے بھی دیں۔ ان کو کیا کہتی؟ وہ سارا دن نیوز چینلز سے چمٹی رہیں اور پھر تھک کر سو گئیں......اور ویسے بھی میں نے خود انہیں منع کیا تھا“۔ سحاب سارا ملبہ خود پر ڈال گئی۔

اسے پتا تھا اگر اس نے ابھی عمر کو ٹھنڈا نہ کیا تو صبح پکی حجاب کی شامت تھی۔

”یہ چاول تم نے بنائے ہیں؟“ وہ موضوع بدل کر بولا۔

سحاب نے اطمینان بھرا سانس لیا ورنہ وہ اتنی جلدی بات کو بھولتا نہیں تھا۔

”جی۔ میں نے بنائے ہیں۔ اچھے نہیں بنے؟“ وہ فکرمند سی ہوئی۔

”بہت اچھے بنے ہیں بھئی۔ تمہیں چاہیے حجاب کو بھی کچھ سکھاؤ“۔ وہ مسکرا کر کہنے لگا۔

”بھیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ زیادہ اہمیت اپنی تعلیم اور اخبار کو دیتی ہیں۔ باقی چیزیں ان کے نزدیک ثانوی ہیں“۔

”یہ غلط بات ہے سحاب! اسے اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔ ویسے بھی میں سوچ رہا ہوں کہ ایک چابی اپنے پاس رکھ لوں۔ خود ہی آ جایا کروں گا۔ کھانا گرم کرنا کونسا مشکل کام ہے۔ ایسے ہی تم بھی جاگتی رہتی ہو۔ خوامخواہ کی ڈیوٹی“۔

وہ گلاس میں پانی انڈیلتا سنجیدہ لہجے میں بولا۔

سحاب پہلے تو دنگ رہ گئی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو گئے۔

”آپ کو لگتا ہے آپ کی ڈیوٹی بوجھ ہے مجھ پر؟“ وہ رندھی آواز میں بولی۔

”گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے اس کے ہاتھوں کی حرکت رُک گئی۔ اس نے نظر اٹھا کر سحاب کو دیکھا اور گھبرا سا گیا۔

”سحاب! پاگل ہو گئی ہو۔ رو کیوں رہی ہو؟ میں تو تمہاری تھکن کے خیال سے کہہ رہا تھا“ وہ وضاحتیں دینے لگا۔ سحاب کو ہنسی آ گئی۔

وہ ایسا ہی تھا۔ باہر سے اخروٹ کی طرح سخت اور اندر سے نرم۔

”دوبارہ مذاق میں بھی ایسی بات مت کہیے گا۔ آپ ہمارے اکلوتے بھیا ہیں۔ ہم آپ کے نخرے نہیں اٹھائیں تو پھر کس کے اٹھائیں گے“۔ وہ پیار سے بولی۔

عمر نے ہنس کر اس کے سر کو تھپتھپایا۔

”رات بہت ہو گئی ہے اور تم تھکی ہوئی بھی ہو۔ سو جاؤ۔“ وہ اٹھ گیا تو سحاب بھی لائٹ آف کرنے لگی۔ اسے شدید نیند آ رہی تھی۔

اگلے دن ناشتے پر جب صرف عمر اور حجاب رہ گئے تو عمر نے پھر وہی موضوع چھیڑ ڈالا جس سے وہ مر جانے کی حد تک بیزار ہوئی بیٹھی تھی۔

”اب تم دیکھنا حجاب! ہمارے اخبار پر سے ساری پابندیاں ہٹ جائیں گی“۔ وہ پُرجوش سا کہہ رہا تھا۔ حجاب نے اسے ٹوک دیا۔

”پلیز عمر کوئی اور بات کرو“۔

”اُف تم بھی نا! آج ایک شاندار جشن ہے ”نمروز مینشن“ میں۔ ہم بھی انوائٹڈ ہیں“ عمر نے اپنے تئیں موضوع بدلا۔

”میں نہیں جا رہی“ حجاب نے فوراً اعلان کر دیا۔

”کیوں؟“ عمر نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔

”کیا مطلب کیوں؟ نہیں جا رہی تو مطلب نہیں جا رہی“۔ اس نے اطمینان سے دودھ کا گلاس تھاما۔

”فضول مت بولو۔ خوشی کا موقع ہے ہمیں تو شکر کرنا چاہیے کہ اب کوئی تبدیلی آئے گی۔ بی۔ جے۔ ایف کی شاندار کامیابی۔ ہم اسے ضرور سلیبریٹ کریں گے۔ بس تم میرے ساتھ چل رہی ہو“ عمر نے قطعیت سے کہا۔ وہ بے بس سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ جانتی تھی اس کی بات پتھر پر لکیر ہے۔ اور شام میں وہ تک سک تیار، خوشبوؤں میں بسا اس کے کمرے میں چلا آیا۔

”میں ٹھیک لگ رہا ہوں نا“ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنے جمے ہوئے بالوں کو پھر درست کیا۔

حجاب نے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔ ریڈ شرٹ اور بلو جینز میں، ٹائی باندھے، ڈھیروں کے حساب سے پرفیوم انڈیلے، چمکتے چہرے کے ساتھ وہ اس کے روبرو تھا۔ بالوں کو بھی جیل سے جمایا گیا تھا۔ اس نے ایک چکر اس کے گرد لگایا۔

''ٹائی اور وہ بھی جناب عمر سفیر نے لگائی ہے، اتنی خوشبو کیا ساری بوتل خالی کر دی؟ بال بھی سنورے ہوئے ہیں۔ ویسے تو ہاتھ پھیر لینا ہی کافی ہوتا ہے آپ کے لیے۔ بات کیا ہے؟'' اس نے عمر کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ گڑبڑا گیا۔

''کیا مطلب؟ اتنا گرینڈ فنکشن ہے۔ کیا معمولی سے حلیے میں چلا جاؤں؟''

''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ بات کیا ہے عمر سفیر؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

وہ جھلا گیا۔

''کوئی بات نہیں ہے''۔

''شیور؟'' وہ ابرو اچکا کر بولی۔

''آف کورس آپا جان!'' وہ چڑ گیا۔

''ویسے کون کون آ رہا ہے؟'' حجاب نے بات بدلی۔

''شہر کی کریم، بیوروکریٹس، سیاستدان، صحافی طبقہ فنکار، گلوکار......'' عمر کی بات ادھوری رہ گئی۔

''میں نے یہ نہیں پوچھا۔ ''ہم'' میں سے کون کون جا رہا ہے؟ مطلب ہمارے اخبار سے؟'' اس نے وضاحت کی۔

''سب جا رہے ہیں'' وہ رخ پھیر کر ٹائی کی ناٹ درست کرنے لگا۔ حجاب نے اس کے ہاتھ پیچھے کر کے ٹائی تھامی۔

''ثنا آ رہی ہے؟''

عمر کو ایک دم کھانسی آ گئی۔ ناٹ کچھ زیادہ ہی سخت ہو گئی تھی شاید۔ وہ پیچھے ہٹا۔

''چھوڑو مجھے۔ کیا گلا گھونٹنا ہے؟''

وہ ہنستی چلی گئی۔

''آپ میرے سامنے کھلی ہوئی کتاب ہیں عمر صاحب.. کب تک چھپائیں گے خود کو؟'' وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر باہر نکلنے لگا۔

''میں کچھ نہیں سن رہا''۔

''بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں آپ! کیا اظہار محبت کرنا ہے؟ یا پھر سیدھا پرپوز کریں گے؟ پھول کی ضرورت تو پڑے گی کہتے ہیں تو منگوا دوں؟'' وہ بولتی جا رہی تھی۔ وہ دروازے سے پلٹا۔

''آہستہ بولو! امی جان باہر بیٹھی ہیں بدتمیز لڑکی'' وہ دانت پیس کر بولا۔

''انہیں بھی پتا چلنا چاہیے کہ ان کے بیٹے نے لڑکی پسند کی ہوئی ہے'' وہ مسکرائی۔

''تو کیا اشتہار لگوا دوں؟'' وہ مزید برہم ہوا۔

''چچ چچ۔ کتنے خواب ٹوٹ جائیں گے ان کے۔ ہر بیٹے کی ماں کی طرح ان کی بھی، خواہش ہوگی کہ گھر گھر جا کر لڑکیوں کو ریجکیٹ کریں''۔ وہ تاسف سے ہاتھ مل کر بولی۔

''شرم کرو''۔

''تم نے کی تھی۔ خود ہی لڑکی پسند کرتے ہوئے'' وہ مزید شرارت پر آمادہ تھی۔ اس سے پہلے کہ مزید بات ہوتی۔ سحاب اندر داخل ہوئی۔

''میں بہت تھک گئی ہوں آپی'' وہ اکیڈمی سے آئی تھی۔ آتے ہی بیڈ پر گر گئی۔

''آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ آپ نے تو......!'' سحاب کی نظر عمر پر پڑی تو بات ادھوری رہ گئی۔

وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ چہرے پر روشنیاں اتر آئیں۔

''ماشاءاللہ۔ بھیا آپ بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ آپی آپ نے ان کی نظر اتاری''۔ وہ خوشی سے معمور لہجے میں بولی۔

''نظر اتارنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسے ساتھ لے جا رہا ہوں نا! نظر بٹو کے طور پر'' عمر نے بھی بدلہ چکایا۔

''اب پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں لاؤنج میں امی جان کے پاس بیٹھا ہوں''۔ وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

''سحاب پلیز بتاؤ کیا پہنوں؟'' وہ اس کی طرف رخ کر کے بولی۔

''ریڈ سوٹ پہن لیں۔ اچھا لگے گا''۔

''ریڈ......اونہوں......کوئی لائٹ کلر ہو''۔ وہ ارڈروب میں سر گھسیڑے بولی۔

''یہ کیسا ہے؟'' وہ ایک بلو سوٹ نکال کر بولی۔

''یہ لائٹ کلر کب ہے؟'' سحاب نے اعتراض کیا۔

''ہاں لائٹ کلر تو نہیں ہے۔ چلو کوئی اور دیکھ لیتی ہوں'' وہ پھر سے مصروف ہو گئی۔

''یہ ٹھیک ہے نا!'' وہ پنک سوٹ فائنل کرنے کے موڈ میں تھی۔

''یہ تو آپ نے پہلے بھی پہنا ہوا ہے'' سحاب نے اعتراض کیا۔

''تو پھر کیا ہے۔ میں نے کونسا بردکھوے کے لیے جانا ہے'' وہ جھلا گئی۔

''کیا پتا؟'' سحاب شرارت سے مسکرائی۔ حجاب نے تکیہ اٹھا کر اسے دے مارا۔

''یہ پہنیں۔ یہ اچھا لگے گا'' سحاب نے سبز سوٹ نکال کر اسے تھمایا۔

وہ بلاچوں چراں کئے ہینگر اٹھا کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ واپس اکر اس نے سینڈل پہنی۔ بالوں کو سنوارا۔ اسکارف لپیٹا دوپٹہ کندھوں پر پھیلایا۔

''لپ اسٹک تو لگائیں'' سحاب نے پھر اعتراض کیا۔

''کیا ضرورت ہے۔ رہنے دیتی ہوں'' وہ ست ہوئی۔

''ہائی جینٹری جمع ہوگی وہاں۔ آپ اتنی سادہ۔ لائٹ پنک کلر کی لگالیں'' سحاب نے اصرار کیا۔ حجاب نے اُس کی بات مان لی۔

''حجاب'' عمر کی آواز آئی۔

''آرہی ہوں'' اس نے ہینڈ بیگ اٹھایا پھر سحاب کی طرف پلٹی۔

''میں ٹھیک لگ رہی ہوں نا اوور تو نہیں؟''۔

''بالکل نہیں'' سحاب نے تسلی دی تو وہ بھی مطمئن ہو کر نکل آئی۔ عمر نے گہری نظر سے اس کا جائزہ لیا۔ اسے اس کا حلیہ کہیں سے بھی قابل اعتراض نہیں لگا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''اللہ حافظ امی جان'' اس نے سر جھکایا۔

''فی امان اللہ'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا کہ ناقدانہ انداز میں اس کا جائزہ لیا۔ اور مطمئن سی ہوگئیں وہ کہیں سے بھی نمایاں نہیں تھی۔ وہ تھی ہی ایسی۔ اپنے آپ کو بہت سنبھال اور سمیٹ کر رکھنے والی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں شہر کے پوش علاقے کی طرف بائیک پر اڑے جا رہے تھے۔ جو سرِشام ہی سنسنان اور ویران نظر آرہے تھے۔ ''نمروز مینشن'' کا رستہ حجاب کو بہت اچھی طرح ازبر تھا۔ اندر سے وہ کچھ خوفزدہ تھی۔ جانے کیوں دل بار بار یہ تکرار کئے جا رہا تھا کہ وہ شیر کی کچھار میں قدم رکھنے جا رہی ہے۔ زیرِ لب آیت الکرسی کا ورد کرنے کے باوجود بھی دل تیز تیز دھڑک کر جیسے کسی خطرے کا سگنل دیئے جا رہا تھا۔ اسے اپنی کیفیت پر قابو پانا مشکل ہوگیا۔ بہت سے محلات جیسے گھروں کو پیچھے چھوڑتی ان کی بائیک ''نمروز مینشن'' کے آگے رُک گئی۔

ہر طرف رنگ و بو کا سیلاب تھا۔ زندگی سے معمور مسکراتے چہرے جیسے ہر فکر سے آزاد تھے۔ بلند و بانگ قہقہے، شوخ، کھلنڈری بے فکر مسکراہٹیں بتاتی تھیں کہ زندگی یہیں شروع اور صرف یہیں ختم ہے۔

حجاب نے ایک سرسری نظر اطراف میں ڈالی اور دل یکبارگی مطمئن ہوگیا۔ اسے ''وہ'' کہیں نظر نہیں آیا۔ تقریب کا انقاد وسیع و عریض لان میں کیا گیا تھا۔ وہ نسبتاً ایک طرف پڑے ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئی۔ عمر دوستوں میں مصروف ہوگیا۔ حجاب نے بیگ سے سیل فون نکالا اور ثناء کو ٹیکسٹ لکھ کر بھیجا۔

''کہاں ہو؟''

چند منٹ بعد اس کے سیل پر ٹون بجی۔ اس نے میسج کھولا۔ ثناء کا میسج تھا۔

''آدھے گھنٹے تک پہنچ رہی ہوں''۔ اس نے بور ہو کر سیل بیگ میں رکھا اور گلاس میں پانی ڈال کر پینے لگی۔ ابھی اس نے بمشکل دو گھونٹ ہی لیے تھے کہ ایک دم تیز اور ہیجان خیز میوزک شروع گیا۔ اس نے اس کے منبع کی طرف نظر دوڑائی۔ لان کے وسط میں نہائیت خوبصورتی سے ڈانسنگ فلور بنایا گیا تھا جس کے ایک طرف بیٹھے گلوکار نے ایک انڈین گیت گانا شروع کر دیا تھا۔

آپ کی خاطر، میرے دل کا جہاں ہے حاضر
اپنے سارے ارماں کر دوں میں ظاہر

حجاب نے کوفت سے سر جھٹکا۔ بہت سے جوڑے ڈانسنگ فلور پر آگئے۔ وہ [illegible] ہوئے بھی دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ یکدم ایک ہاتھ اس کے سامنے آیا۔

''کین یو ڈانس ود می؟'' اس نے نظر اٹھائی اور ساکت رہ گئی۔ ''اس'' شخص سے اس نے کبھی یہ توقع نہ کی تھی۔ مسکراتے چہرے کے ساتھ وہ ہاتھ پھیلائے اس کا منتظر تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر اس کے ساتھ کھڑے عمر کو۔ اس کا سانس کہیں سینے میں ہی اٹک گیا۔

☆☆☆

ہیجان اور حیرت کی تیز لہر تھی جو ریڑھ کی ہڈی سے ہوتی ہوئی حجاب کے سارے وجود میں سرائیت کر گئی۔ اس نے صدمے اور حیرت سے گنگ اپنے سامنے کھڑے ''آفتاب واسطی'' کو دیکھا۔ جس کے لبوں کی تراش میں ایک دلکش مسکراہٹ تھی۔

عشق بھی کیا چیز ہے، اس میں ہوش رہتا نہیں یہ تو ہے سلسلہ چین وسکون کا دل کے جنون کا ''واسطی!'' وہ غرا اٹھی۔

واسطی نے اپنا پھیلا ہاتھ سمیٹا اور مسکرا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''عمر! پلیز ڈونٹ مائنڈ۔ مجھے ابھی ابھی چلا ہے کہ تمہاری بہن کتنی اچھی ہے۔ سنو حجاب غصہ چھوڑو۔ مجھ سے شادی کروگی؟''

اتنی بڑی بات اور وہ بھی اپنے بھائی کے سامنے۔ اس کے عارض دہک اٹھے۔ وہ بیساختہ اٹھی اور بھاگتی چلی گئی۔ اندھا دھند بھاگتے وہ کسی سے ٹکرائی۔

''سو...... سوری آئم سوری، پھولی سانسوں کے ساتھ اس نے مقابل کو دیکھے بغیر کہا اور مخالف سمت کی طرف چل پڑی۔ اور دوسری طرف وہ جیسے کسی جادو کے زیر اثر جامد کھڑا ہوا تھا۔

اک فسوں چاروں طرف پھیل گیا تھا۔

جھومتی ہوئی شاخوں نے جھک کر اس کے کان میں بڑی خوبصورت سرگوشی کی تھی۔

ہوائیں اٹکھیلیاں کرتیں آگے بڑھ گئیں تھیں۔

مگر وہ وہیں کھڑا تھا۔ وہ نمروز علی خان تھا جو اپنی دُھن میں چلا آ رہا تھا جب نظر سامنے سے بھاگتی ہوئی حجاب تاثیر پر پڑی۔ جس کا سرخ چہرہ ان کہی داستانیں سنا رہا تھا۔ وہ ان کہی داستانیں جنہیں سننے کی چاہ اسے اس مقام تک لے آئی تھی جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔

کہاں سے شروع ہوئی تھی یہ داستان؟

کیا تھا آغاز؟

کونسی ابتدا تھی؟

شاید تب جب نمروز علی خان نے حجاب تاثیر کو پہلی بار دیکھا۔

وہ پہلی دستک!!!

وہ پہلا احساس!!!

وہ پہلا خمار!!

وہ پہلا نشہ!

پہلی دستک درِ دل پر ایسی تھی کہ بے اختیار اس نے سوچا تھا۔

تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا
زندگی دھوپ تم گھنا سایہ

وہ پہلا احساس؟ اتنا خوبصورت تھا، اتنا روپہلا کہ رگِ جاں میں زندگی رواں ہوگئی تھی۔

وہ پہلا خمار!

جس نے کئی راتیں، اپنے دلربا خیال سے رُت جگوں میں بدل دی تھیں۔

وہ پہلا نشہ! جس نے کسی آکٹوپس کی طرح اس کے جسم وجاں کو یوں اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا کہ وہ مزاحمت کے قابل ہی نہ رہا تھا۔

سچ تو یہ تھا کہ وہ اس قید سے آزاد ہونا بھی نہیں چاہتا تھا۔

پہلی دستک پہ اس نے اپنے دل کے دروازے اس پری پیکر کے لیے وا کر دیئے تھے۔ حالانکہ اگر دیکھا جاتا تو وہ ہرگز بھی پری پیکر نہ تھی۔ بلکہ پری پیکر تو دور وہ تو پیکر بھی نہ تھی۔ مقابلہ حسن میں وہ دسویں تو کیا ایک سودسویں نمبر پر بھی نہیں آسکتی تھی۔ حسن کہاں تھا اس میں؟

نہ غزالی، کجراری آنکھیں، نہ گھٹنوں کو چھوتے بال، نہ گلابی رنگت، وہ تو بہت عام سی تھی۔

اسے خاص بنایا تھا۔ نمروز علی خان نے، اس کی آنکھوں نے۔ جنہیں وہ ساری دنیا سے زیادہ حسین نظر آتی تھی۔ حقیقت یہی ہے ''مرد جس عورت سے عشق کرتا ہے وہ ساری دنیا سے زیادہ حسین ہوتی ہے''۔

حجاب تاثیر بھی ساری دنیا سے زیادہ حسین تھی۔ وہ سوچوں کی عمیق گھاٹیوں میں جانے کب تک بھٹکتا رہتا مگر ایک دم گونج اٹھنے والی موسیقی نے اسے اس مراقبے کی کیفیت سے کھینچ نکالا۔

وہ سر جھٹک کر سیدھا ہوا۔ تیز آواز چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

''آپ جو اس طرح ہم کو مل جائیں گے
پھول ہی پھول راہوں میں کھل جائیں گے
ہم نے سوچا نہ تھا۔

اس نے اپنی شرٹ کی طرف نگاہ دوڑائی۔

سفید بے داغ شرٹ پر عین دل کے مقام پر دو گلابی لبوں کا نشان بہت واضح تھا۔ اس کے اندر تک سنسنی خیز ہیجان اور سرشاری کی لہریں پھیلتی چلی گئیں۔ ایک خوبصورت خیال نے ذہن میں ڈیرا جمایا تھا اور اس کے قدم تیزی سے رہائشی حصے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

کچھ دیر بعد وہ نئے سرے سے ڈریس اَپ ہو کر تقریب میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ نظر نے ہر طرف اس چہرے کو ڈھونڈا تھا مگر ناکام لوٹ آئی تھی۔

فنکشن عروج پر تھا۔ یہ جشنِ کامیابی تھا۔ جہاں ہر طرح سے مہمانوں کو فری ہینڈ ملا

تھا۔ ہر طرح کے مشروبات موجود تھے۔ کاک ٹیل کا انتظام تھا۔ ڈانسنگ فلور میک اوور کیا گیا تھا۔ حالانکہ اگر دیانتداری سے دیکھا جاتا تو نمروز علی خان اس طرح کی پارٹی دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ مگر یہ سیاست کا میدان تھا۔ جہاں دوسروں کی خوشی مقدم رکھنا ضروری ہو جایا کرتی ہے۔ کبھی سیاسی مصلحتوں کی خاطر، کبھی مطلب کے لیے تو کبھی سیاسی کوریج اور (Fame) کے لیے یہ الگ بات تھی کہ اس وقت پارٹی میں موجود صحافیوں کو کوریج کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ ظاہری بات تھی۔ یہ کاک ٹیل پارٹیز تو پی۔ جے۔ ایف کے منشور میں نہیں تھیں۔ شاید نمروز علی خان جیسی کامیاب سیاسی شخصیت کے کردار پر دھبہ بھی۔

مگر ہائے رہی مجبوری۔ سیاست میں مرضیاں نہیں چلتیں، فائدے، اتحاد اور مقاصد دیکھنے پڑتے ہیں۔ سو اسے بھی نا چاہتے ہوئے اس فنکشن کو ارینج کرنا پڑا تھا۔

اب بھی ''اتحاد اسلام'' کے چیئر پرسن نبیل پراچہ سے گفتگو کرتے ہوئے اس کی نگاہ نے بے تابی سے ایک چہرے کو ہر طرف ڈھونڈا تھا اور مایوسی سے لوٹ آئی تھی۔ افسردگی نے اس کے دل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہر جمنے لگی۔ جب اس نے عمر کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

''السلام علیکم سر! کہیے کیا حال ہیں؟ سب سے پہلے مبارکباد''۔ عمر نے پر جوش انداز میں مصافحہ کرتے ہوئے کہا

''شکریہ بہت شکریہ عمر'' اس نے مسکرا کر کہا۔ دل میں ایک امید پھر سے جاگ اٹھی تھی۔ ''عمر کے ساتھ اسے بھی یہیں ہونا چاہیے'' وہ بے اختیار سوچنے لگا۔

''سر! ایک بات پوچھوں آف دی ریکارڈ'' عمر نے کہا۔

''بالکل''

''کس طرف جانے کا موڈ ہے آپ کا؟ میرا مطلب ہے کونسا شعبہ......؟'' عمر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں عمر! دیکھیں ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا یہ ڈیپنڈ کرتا ہے......'' نمروز علی خان کی بات ادھوری رہ گئی یکدم آفتاب واسطی بیچ میں بول پڑا تھا۔

''حکومت پر۔ وہ انہیں کس شعبے میں طبع آزمائی بلکہ قسمت آزمانے کا موقع دیتی ہے؟'' اس نے کٹیلے لہجے میں بات مکمل کی۔ نمروز بے اختیار ہنس دیا۔

''اگر مجھے یہ پتا نہ ہو واسطی! کہ آپ ہمیشہ اسی لہجے میں بات کرتے ہیں تو لازماً میں آپ سے......''۔

''بھڑ جاؤں''۔ آفتاب واسطی نے پھر بات اچکی تھی۔ تینوں کا مشترکہ قہقہہ گونجا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' واسطی نے کہا۔

''آف دی ریکارڈ......'' نمروز نے شرارت سے کہا۔

''آن آف کو چھوڑیں۔ میری معلومات کے مطابق آپ کو شاعری سے بہت زیادہ دلچسپی ہے؟''

واسطی نے سوال نما جواب دیا۔

''ہوں۔ ہے تو......''

''ایک طرف سیاست دوسری طرف شاعری۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟'' واسطی کی بات پر ایک بے اختیار قہقہہ پڑا۔

''بالکل ہے'' مسکراہٹ دبا کر بولا۔

''تو آپ کو چاہیے کہ آپ ہمیں کچھ سنائیں''۔ واسطی نے ضدی لہجے میں کہا۔

''سر جی! بیٹھنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' عمر نے پوچھا۔

''کیوں نہیں۔ آیئے بھئی''۔ وہ نزدیک ترین ٹیبل کی طرف بڑھا۔

''یہاں نہیں۔ وہاں چلتے ہیں۔ حجاب اکیلی ہے''۔ عمر نے ایک طرف اشارہ کیا۔

''حجاب'' اس کا دل دھڑک اٹھا۔

''چلئے'' نمروز نے آمادگی ظاہر کی۔ دل نے بند سینے میں ایک حشر سا اٹھا دیا تھا۔

سبز لباس میں مدھم سی لپ اسٹک کے ساتھ وہ اس کے سامنے تھی نمروز علی خان کے اندر روشنیاں سی پھیل گئیں۔ مقابل بیٹھی لڑکی شائد کبھی نہیں جان سکتی تھی کہ وہ اس شخص کے لیے کس درجہ اہم تھی۔ کس طور وہ اس کے لیے پاگل تھا۔ نمروز نے بے اختیار اس کے سامنے والی نشست سنبھال لی۔

''سر! آپ کچھ سنا رہے تھے'' ......واسطی نے یاد دلایا۔

''السلام علیکم!'' اس نے حجاب سے کہا اور واسطی کی بات سنی اَن سنی کر دی۔

''وعلیکم السلام'' حجاب کا دھیما لہجہ بمشکل اس نے سنا۔ اسی وقت منزہ وہاں آ گئی۔

''سر جی! آپ تو ہاتھ ہی نہیں آ رہے۔ ہم نے بھی آپ کو اپنے چینل کے ہر پروگرام میں مدعو کیا تھا'' وہ شکوے کیے جا رہی تھی۔ نیوز چینل سے متعلق ہونے کی بنا پر اس کا شکوہ

جائز بھی تھا۔

''بس کیا کریں یہ اخبار والے ہم کو زیادہ پیارے ہیں''۔ نمروز نے ٹھنڈی آہ بھری۔

حجاب تو اندر تک سلگ اٹھی۔ اسے پتا تھا کہ یہ بات صرف ''اسی'' کو سنائی جا رہی ہے۔

''اس واسطی نے پھنسایا ہوگا آپ کو''۔ وہ دانت پیس کر چیئر پر بیٹھ گئی۔

''خدا کو مانو میں نے آج تک ایک لڑکی نہیں پھنسائی انہیں پھنسانے کی جرأت کر سکتا ہوں''۔

واسطی بلبلا اٹھا۔ سب ہنس دیے۔

''واسطی نے آپ سے فرمائش کی تھی سر'' عمر نے یاد دلایا۔

''کونسی فرمائش؟'' منزہ چونکی۔

''ابھی پتا چل جاتا ہے'' عمر نے کہا۔

حجاب اس سارے عمل کے دوران خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھی۔

نمروز نے سامنے ٹیبل پر دھرے حجاب کے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر اس کی نظر ہاتھوں سے ہوتی بازوؤں پر سفر کرتی اس کی ٹھوڑی کے ڈمپل پر آ کر رُک گئی پھر ان گلابی لبوں پر جن سے آج کوئی نوکیلا اور کٹیلا فقرہ ادا نہیں ہوا تھا۔

کہو اب کیا ارادہ ہے؟
کہو اب کیا کہوں تم سے؟

بتاؤ؟
کیا لکھوں تم کو؟
مجھے تمہید دو کوئی
مجھے امید دو کوئی
نیا اک لفظ ہو کوئی
جہاں سے بات چل نکلے
میری مشکل کا حل نکلے
بتاؤ لہجہ کیسا ہوا؟
کہ تم سے بات کرنی ہے
مجھے تھوڑا اجالا دو

بسر اک رات کرنی ہے
تم اپنی روشن آنکھوں کو
اگر کھولو تو میں لکھوں
تمہارے لب سے آئے گا
سخن میں اک کٹیلا پن
تمہاری آنکھ دے دے گی
تخاطب کو نشیلا پن
کہو!
اب کیا ارادہ ہے؟
مجھے اظہار کرنا ہے
کہ بے تابی زیادہ ہے
کہ بے تابی زیادہ ہے۔

اتنی دلکش اور مدھم آواز' اور اتنی خوبصورت نظم تھی کہ لحظہ بھر کے لیے چاروں نفوس پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ پھر سب سے پہلے واسطی کو ہوش آیا اس نے بے ساختہ تالیاں پیٹنا شروع کر دیں۔ اور عمر کے اندر تو ڈھیروں سناٹے اتر آئے تھے۔ ایک بار پھر ایک وہم حقیقت بننے پر تیار تھا۔ اس نے پوری شدت سے اسے جھٹکا تھا مگر نمروز علی خان کی حجاب تاثیر پر اٹھنے والی نظر اتنی والہانہ وارفتگی اور لپک لیے ہوئے تھی کہ اسے اپنا دل رُکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس نے اپنے خیال کو پوری طاقت سے ردّ کرنے کی کوشش کی تھی۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ نمروز علی خان اور حجاب۔ ناممکن......!

یہ ناممکن تھا۔ عمر نے حتمی انداز میں سوچا تھا۔ مگر کیا یہ ناممکن ہے؟ ایک سوالیہ نشان اس کا منہ چڑانے لگا تھا۔ پھر اس نے حجاب کو ٹیبل سے اٹھتے دیکھا۔

''کیا بات ہے حجاب؟ کہاں جا رہی ہوں؟''

عمر نے چونک کر پوچھا۔

''ثناء آ گئی ہے ٹیکسٹ آیا ہے اس کا۔ گیٹ کے پاس کھڑی ہے۔ ہمیں ڈھونڈنے میں مشکل ہوتی اس لیے میں نے اس سے کہا ہے کہ وہ وہیں رُک جائے میں اسے لینے آتی ہوں''۔ اس نے بے تاثر لہجے میں بات ختم کی اور تیز قدموں سے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے بے تاثر لہجے اور سپاٹ تاثرات نے عمر کو کسی قدر حیران کیا تھا۔ کچھ دیر بعد واسطی معذرت کر کے اٹھ گیا۔

''مجھے اجازت دیجئے سر! کوئی بدتمیزی ہو گئی ہو تو معذرت چاہتا ہوں''۔

''ایسی کوئی بات نہیں آفتاب واسطی''۔ نمروز نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

''پھر بھی سر ہم مڈل کلاس لوگ آپ سے دشمنی نہیں کر سکتے۔ اجازت دیجئے'' اس نے کسی قدر جتاتے لہجے میں کہا۔

''کچھ خاص کام یاد آ گیا؟'' عمر نے پوچھا۔

''ہاں۔ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر کے پاس اپائنٹمنٹ ہے دس بجے چلتا ہوں''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اسی وقت جنرل سیکرٹری خالد عباسی تیز تیز چلتا نمروز علی خان کے نزدیک آ گیا۔

''خان صاحب آپ یہاں ہیں۔ سب جگہ ڈھونڈ کر آ رہا ہوں آپ کو۔ چلئے بہت ضروری گیسٹ ہیں''۔ خالد کا لہجہ کسی قدر جھنجلایا ہوا تھا۔

نمروز اٹھ کھڑا ہوا۔ واسطی سے ہاتھ ملایا اور تیز تیز قدم اٹھاتا خالد عباسی کی ہمراہی میں آگے بڑھتا گیا۔ حجاب ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ وہ دونوں بھی پارکنگ کی طرف بڑھ گئے۔

''میں سنجیدہ ہوں عمر۔ امی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو میں انہیں اور راحت آپا کو تمہاری ہاں بھیجوں گا''۔

عمر بڑے بھرپور طریقے سے چونکا۔ پھر اس کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ آ گئی۔

''حجاب سے پوچھنا پڑے گا۔ ویسے میری طرف سے تم او کے ہو''۔ آفتاب بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔

''تھینکس یار''۔

عمر نے بے ساختہ اس کی پشت تھپتھپائی۔ پھر اس سے الگ ہو کر بولا۔

''ویسے عمر مجھے غلط مت سمجھنا۔ میں نے پہلے کبھی حجاب کو اس نظر سے نہیں دیکھا۔ مگر آج وہ مجھے اتنی مختلف، اتنی اچھی اور اتنی سادہ سی؟ اور اب مجھے لگ رہا ہے کہ بنا کسی رشتے کے اس کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار ایک بھائی کی غیرت پر تازیانہ ہے'' وہ بہت مگن سا بولتے بولتے ایک دم اپنی جون میں واپس آ گیا۔ دونوں ہنس دیئے۔

''کیا اچھی امید رکھوں میں؟'' وہ رخصت ہوتے سے پوچھنے لگا۔

''میں تمہیں آس نہیں دلانا چاہتا آفتاب! تمہیں حجاب کے مزاج کا کچھ کچھ اندازہ تو ہے'' وہ دوٹوک بولا۔ ایک لمحے کو آفتاب واسطی کا رنگ متغیر ہوا تھا۔

''میں کوشش کروں گا۔ مگر زبردستی نہیں کر سکتا''۔ اس نے تسلی دی بھی تو اپنا دامن بچا کر۔

''اچھا کونٹیکٹ میں رہنا'' آفتاب نے کہا۔

''او۔ کے'' مصافحہ کرنے کے بعد وہ بائیک نکالنے لگا۔

اس کے جانے کے بعد عمر پلٹا تو حجاب اور ثناء ٹیبل پر بیٹھی نظر آئیں تھیں۔ وہ ان کی طرف آ گیا۔

''کیسی ہو ثناء؟'' عمر نے مسکرا کر پوچھا۔ حجاب معنی خیز انداز میں مسکرائی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو عمر؟'' وہ مسکرا کر بولی۔ سفید اور فیروزی سوٹ میں ملبوس وہ اس لمحے مسکراتی ہوئی عمر کو اپنے دل سے بہت قریب لگی۔

''میں تو بہت اچھا ہوں'' وہ شرارت سے بولا۔

''مجھے پتا ہے'' وہ لاپرواہ انداز میں بولی۔

''اور کیا کیا پتا ہے؟'' عمر کو گدگدیاں سی ہونے لگیں۔

اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتی ایک بار پھر گونج اٹھنے والی موسیقی نے ان کے انہماک بری طرح توڑا تھا۔

''اوفو...... کیا مصیبت ہے؟'' حجاب سخت جھنجلا گئی۔

عمر بھی بدمزہ سا ہو گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے انہوں نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور بمشکل آدھ گھنٹے بعد ہی جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

نمروز علی خان انہیں دیکھ کر اپنے مہمانوں سے ایکسکیوز کرتا ان کی طرف آ گیا۔

''اجازت ہے سر''۔ عمر نے ہلکے سے مسکرا کر کہا۔

''جا رہے ہیں آپ۔ اتنی جلدی؟'' نمروز کے لہجے میں بے چینی تھی۔

''نوید فاروقی صاحب بھی نہیں آئے''۔

''ان کی طبیعت کچھ ناساز تھی'' عمر نے بتایا۔

''او۔ کے اللہ حافظ''۔ عمر نے کہا اور ساتھ ہی اس کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ نمروز علی خان کی نظروں نے بڑی والہانہ بے تابی سے حجاب کو دیکھا تھا اور اس اک نظر میں اتنی شدت اتنی دیوانگی تھی کہ عمر کو اپنا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے حجاب کو دیکھا جو

سر جھکائے پیر سے زمین کرید رہی تھی جیسے اس سے زیادہ ضروری کوئی کام نہ ہو۔ وہ بے اختیار واپسی کے لیے مڑ گیا۔ پورچ کی طرف جاتے ہوئے حجاب نے کچھ دھیان سے اس کا جائزہ لیا۔

''کیا بات ہے عمر! کچھ الجھے ہوئے پریشان سے لگ رہے ہو''۔ وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

''نہیں۔ کوئی بات نہیں'' اس نے رد کیا تھا۔

''شیور؟''

''آف کورس یار''۔

''اگر کوئی بات ہے تو تم مجھے بتا سکتے ہو''۔

''ہر جگہ انوسٹی گیشن کرنے مت کھڑی ہو جایا کرو۔ جب کہا کہ کوئی بات نہیں ہ تو مطلب نہیں ہے''۔ وہ غصے سے بولا۔ حجاب حیران رہ گئی۔

''یہ بات تم آرام سے بھی کر سکتے ہو۔ اتنے غصے میں آنے کی کیا ضرورت ہے''۔ وہ بھی جھلا گئی۔

عمر نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے بائیک نکالنے لگا۔ راستے میں عمر نے نجانے کس خدشے کو غلط کرنے کے لیے بات شروع کی تھی۔

''نمروز علی خان کا گھر بہت خوبصورت ہے''۔

''ہوں تو'' حجاب لہجے سے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا اگرچہ اس کی چھٹی حس جاگ اٹھی تھی۔

''بہت Rich ہیں وہ'' عمر کا لہجہ کسی سچائی کی جستجو کرتا ہوا تھا۔ وہ اس وقت یہ اندازہ کرنا چاہ رہا تھا کہ آیا حجاب بھی اس کی شخصیت یا دولت میں سے کسی ایک سے بھی متاثر ہے یا نہیں۔

''تو ہم کیا کریں۔ امیر ہیں تو ہوں''۔ وہ جھلائے ہوئی بولی۔ عمر نے غیر محسوس انداز میں ایک پرسکون سانس لیا۔

''اچھا آؤ آئس کریم لیتے ہیں'' اس نے گاڑی ایک آئس پارلر کے سامنے روک دی۔

کچھ دیر بعد وہ سحاب کے لیے چاکلیٹ فلیور اور اپنے اور حجاب کے لیے اسٹرابری یوگرٹ پیک کروا کر لے آیا تھا۔ شاپر کو ہینڈل سے لٹکایا اور پھر سے بائیک سٹارٹ کرنے لگا۔

''حجاب، آفتاب واسطی سنجیدہ ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

''عمر! اگر ہم اس موضوع پر صبح بات کر لیں تو......'' حجاب نے کچھ اکتائے اور بیزار لہجے میں کہا۔

''او۔ کے'' ''جیسے تم چاہو'' اس نے طویل سانس لی۔ اور بائیک گھر کی طرف جانے والی سڑک پر ڈال دی۔

☆☆☆

''خان! آپ کی کافی''۔ صدف نے مگ ٹیبل پر دھرا تھا۔

''صدف!'' وہ ایزی چیئر پر جھولتا مسکرا کر بولا تھا۔

''جی خان!''

"Every thing is fair in love and war" کہاں تک درست ہے یہ کہاوت؟''

بہت عجیب سوال اٹھایا تھا اس نے

''بالکل درست ہے'' صدف نے بھرپور اتفاق کیا تھا۔

''کیا خیال ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو'' صدف بڑے بھرپور انداز میں چونکی تھی۔

''کیا مطلب؟''

''میں حجاب تاثیر کو جیتنا چاہتا تھا۔ کتنی احمقانہ خوش فہمی میں مبتلا تھا نا۔ مگر اب کھیل بدل چکا ہے۔ اب پہلا ٹارگٹ اسے حاصل کرنا ہے'' وہ ایک لمحے کو رکا۔

''تو آپ اسے اغوا کروائیں گے'' صدف کے چہرے پر حیرت تھی اس لیے وہ فوراً بول اٹھی تھی۔

وہ فی الفور ٹوک گیا۔

''اونہوں ارے نہیں بھئی۔ سارے معاشرتی تقاضے پورے کر کے لائیں گے اسے۔ بہت اتھری گھوڑی ہے وہ۔ لگام تو ڈالنی پڑے گی''۔ وہ خوش تھا بے حد۔

صدف ہنس دی تھی۔

''آپ بہت بدل گئے ہیں خان''۔

وہ ہنس دیا۔ سیاہ تل کی جگمگاہٹیں عروج پر تھیں۔

''یہ محبت کے کرشمے ہیں۔ سب عشق کے کمالات ہیں۔ میں ضبط کرتے کرتے تھک جاتا ہوں اور وہ سامنے آتی ہے اور پل میں سب زیروزبر کر دیتی ہے۔ مگر اب نہیں۔ اب ضبط نہیں کرنا اب تو بس اس سے ملنا ہے۔ وہ اپنے سارے حق اپنے ہاتھوں سے مجھے سونپے گی''۔ اس کے لہجے میں تپش تھی۔ یقین تھا۔

''وہ شعر سنا ہے نا تم نے'' کافی کے مگ سے سپ لے کر وہ بولا۔

کوئی تعویز ہو ردِ بلا کا
محبت پیچھے پڑ گئی میرے

''یہ خون آشام بلا ہے پور پور سلگایا ہے اس نے مجھے۔ پل پل تڑپایا ہے۔ اسے اس سے چھین لینا چاہتا ہوں''۔ کتنی شدت تھی۔ صدف کو اس لڑکی کے نصیب پر رشک آیا تھا۔

''محبت آبادکاری کرتی ہے۔ یہ خالی جگہوں کو بھرتی ہے مگر یہ بہت تکلیف دہ ہے۔ بالکل کسی نوکیلے کانٹے کی طرح۔ ہر پل تکلیف دیتی ہے۔ پل پل مارتی ہے مگر اس کے باوجود جینے پر اُکساتی ہے۔ اس دنیا میں کوئی جادو ایسا نہیں کوئی سحر ایسا نہیں جو اس بلا سے آپ کو چھٹکارا دلا سکے۔ تم بہت اچھی ہو صدف! سب کچھ کرنا بس محبت مت کرنا۔ بہت تکلیف دہ چیز ہے یہ۔ سچ مانو! بہت درد دیتی ہے۔

یہ درد جھیلنا آسان نہیں ہے۔ بہت بھلے کی صلاح دے رہا ہوں تمہیں بس کبھی محبت مت کرنا''۔

آنکھیں موندے وہ کسی خواب کے زیرِ اثر بول رہا تھا۔

صدف نے خاموشی سے خالی مگ تھاما اور روشنیاں بند کر کے باہر نکل آئی۔ لبوں پر صرف اس شخص کے لیے دعائیں تھیں۔ اس کی دائمی خوشی کے لیے۔

☆☆☆

صفیہ اور آمنہ نارووال کسی عزیز کی شادی کے سلسلے میں گئیں ہوئیں تھیں۔ دو دن سے پہلے ان کے آنے کا امکان نہیں تھا حجاب کا موڈ نہیں بنا تھا اس لیے اس نے معذرت کر لی تھی۔ سحاب اکیڈمی گئی ہوئی تھی۔ عمر اخبار کے آفس تھا۔ حجاب نے آج چھٹی کی تھی۔ اس وقت وہ گھر میں اکیلی تھی۔ چائے پینے کا موڈ ہو رہا تھا سو وہ کچن میں چلی آئی۔ ابھی ساس پین چولہے پر چڑھا یا ہی تھا جب ڈور بیل ہوئی۔ وہ چولہا دھیما کرتی دروازے تک آ گئی۔

دروازہ کھولا تو عمر تھا۔ وہ پلٹ آئی۔ بائیک کھڑی کر کے وہ بھی اس کے پیچھے آ گیا۔

''کیا بنا رہی ہو؟''

''چائے بنا رہی ہوں پیو گے تم؟''

''کھانے کو ہے کچھ؟ بہت بھوک لگی ہے۔ صبح صرف چائے کا کپ لیا تھا۔'' وہ دروازے کے فریم میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''دیکھتی ہوں فریج میں'' وہ فریج کھول کر جائزہ لینے لگی۔

''اوہ......کل کا سالن ہے ''باسی'' تم کھاؤ گے نہیں۔ وہ ''باسی'' پر زور دے کر بولی۔ عمر کو باسی روٹی اور سالن سے سخت چڑ تھی۔

''اچھا۔ کچھ اور نہیں ہے'' وہ مایوس ہوا۔

''نہیں۔ ہماری مائیں تو گھر ہیں نہیں اور میں اس قسم کا کام کر نہیں سکتی۔ تم چائے کے ساتھ بسکٹ کھا لو''۔ نادر مشورہ دیا گیا۔ وہ سلگ اٹھا تھا۔ اس نے صبح سے کھانا نہیں کھایا اور وہ اسے بسکٹ کھانے کا مشورہ دے رہی تھی۔ اسے اتنا غصہ آیا کہ وہ بنا جواب دیئے ہی پلٹ گیا۔

حجاب نے حیرت سے اسے جاتے دیکھا اور پھر سر جھٹک کر چائے مگ میں انڈیلنے لگی۔ جب وہ ٹی وی آن کیے حکومت سازی اور حکومتی عہدوں کی بانٹ و تشکیل کے لیے تمام جماعتوں کے اسلام آباد میں جمع ہونے والے وفود کی میڈیا سے بتدریج گفتگو دیکھ رہی تھی۔ تبصرے، تنقیدیں، خبریں سب جاری تھیں۔ اس نے چینل چینج کیا تھا جب نظریں ایک لمحے کو ٹھہر گئیں تھیں۔

''کل رات پی۔ جے۔ ایف کے چیئر پرسن نمروز علی خان حکومت سازی کے سلسلے میں اسلام آباد روانہ ہو گئے''۔

اس کے ساتھ ہی لاہور ایئر پورٹ کے مناظر دکھائے جانے لگے۔ سرمئی سوٹ میں وہ پہلے سے بڑھ کر شاندار اور خوش نظر آ رہا تھا۔ اسی وقت عمر اندر داخل ہوا اس نے سرعت سے چینل تبدیل کیا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' اسے دیکھتے وہ بولی۔

''سحاب کو لینے'' وہ مختصراً کہہ کر باہر نکل گیا۔

جب وہ سحاب کو لے کر آیا تو وہ چائے میں بسکٹ ڈبو کر کھا رہی تھی۔

''اف آپی! میں بہت تھک گئی''۔ اس نے آتے ہی روزمرہ والا فقرہ دہرایا۔

''بس اب آرام کرو''۔ اس نے بے فکری سے کہا۔ اسی وقت عمر اندر آیا۔

''سحاب گڑیا! کچھ کھانے کو مل سکتا ہے''۔

''جی بالکل بھیا۔ بس پانچ منٹ میں'' وہ مستعدی سے بولی۔

وہ بھی اس کے پیچھے کچن میں چلا گیا۔ سحاب نے توا چولہے پر چڑھایا فریج سے آٹے کا باؤل نکالا۔ پیڑا بنانے کے بعد اس نے پیاز چھیلا دوسرے چولہے پر پین چڑھایا اور

روٹی بنانے لگی۔

کچھ دیر بعد اس نے پیاز اور انڈوں کا آملیٹ پلیٹ میں ڈالا اور چنگیر میں روٹیاں رکھ کر اس کے سامنے رکھ دی۔ عمر نے تشکر سے اسے دیکھا اس نے اپنی تھکن کا احساس بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس اسے حجاب کی بے حسی بے حد کھلی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حجاب بھی بور ہو کر اٹھ گئی۔

‘‘کہاں جا رہی ہیں آپی؟’’

‘‘اوپر’’ وہ مختصراً کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

‘‘عمر’’ اس نے دروازہ دھکیلا وہ بستر پر اوندھا لیٹا ہوا تھا۔

‘‘کیا بات ہے؟ طبیعت ٹھیک ہے نا’’ اس نے تشویش سے کہا اور اس کے قریب چلی آئی۔

‘‘ہوں’’ وہ تکیے میں منہ گھسائے ہوئے بولا۔

‘‘مجھے تو ٹھیک نہیں لگ رہی’’ وہ بیڈ پر ٹک گئی۔

‘‘میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ سن لیا۔ اب جاؤ یہاں سے’’۔ وہ سپاٹ لہجے میں کہتا اسے حیران کر گیا۔

‘‘اپنا رخ اِدھر کرو نا۔ کیا بات ہے؟’’ اس نے دھونس سے کہا۔

‘‘حجاب!’’ وہ بلند آواز میں بولا۔ ‘‘میں کہہ رہا ہوں یہاں سے دفع ہو جاؤ’’۔ حجاب کے چہرے کا رنگ ایک پل میں زرد پڑا تھا۔

‘‘عمر! مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ مجھ...... مجھے معاف کر دو مگر اللہ کے لیے ایسے تو مت بولو’’۔ عجیب نیم جاں لہجہ تھا۔ اس کا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

‘‘صرف دس منٹ لگے تھے سحاب کو وہ آملیٹ اور روٹی بنانے میں تم نہیں کر سکتی تھیں؟ تمہیں پتا ہے آج تم نے مجھے کتنا ہرٹ کیا ہے؟’’

اس کے لہجے میں غصہ تھا۔ وہ سرعت سے اپنے آنسو پی گئی۔

‘‘مجھے معاف کر دو۔ پلیز۔ اچھا شام کا کھانا میں بناؤں گی۔

‘‘میں تمہیں بالکل بھی شکریہ نہیں بولوں گا کیونکہ مجھے تم پر بہت غصہ ہے’’ وہ کہتا ہوا پھر سیدھا لیٹ گیا۔

‘‘لاؤ میں تمہارا سر دبا دوں مجھے پتا ہے پین کلر تم پر اثر نہیں کرتی’’ وہ اس کا سر دبانے لگی۔

‘‘عمر’’ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

‘‘ہوں’’ آنکھیں موندے وہ پرسکون تھا۔۔

‘‘مجھ سے ناراض مت ہوا کرو۔ جب تم مجھ سے ناراض ہوتے ہو نا میری سانسیں رُکنے لگتیں ہیں’’۔

‘‘تم مجھے ناراض کرنے والے کام مت کیا کرو’’۔ اس نے رکھائی سے کہا۔

وہ تڑپ اٹھی۔ پھر اس کے بال مٹھی میں جکڑے تھے۔

‘‘لہجہ درست کرو اپنا۔ کیسے بول رہے ہو’’ وہ ہنس دیا تھا۔

شام میں حیرت انگیز طور پر حجاب کی بنائی گئی بریانی زبردست اور بہت اچھی بنی تھی۔ اور ڈھیروں تعریفیں سمیٹنے کے بعد وہ اور عمر فلور کشنز پر بیٹھ گئے جبکہ سحاب چائے بنانے چلی گئی تھی۔

‘‘حجاب! کچھ سوچا ہے تم نے؟’’ وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

حجاب نے لمحہ بھر کے لیے اس کا چہرہ جانچا پھر مسکرائی تھی۔

‘‘ہاں’’۔

‘‘کیا ہاں؟ وہ الجھا۔

‘‘تم لڑکی کی ‘‘ہاں’’ کا مطلب نہیں جانتے ہیں’’ وہ ‘‘ہاں’’ پر زور دے کر بولی۔

وہ چونکا تھا۔

‘‘یعنی تمہیں قبول ہے۔ میں واسطی کو او کے کر دوں پھر’’۔ وہ حیران تو ہوا مگر بے ساختہ خوشی چھپا نہ سکا۔

‘‘ہوں’’ وہ کہہ کر سر جھکا گئی۔

عمر نے دلچسپی سے اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھا۔

‘‘کیا خاص بات ہے اس میں؟’’ عمر نے بے تابی سے سوال داغا۔

‘‘وہ مچیور ہے۔ کامیاب ہے۔ اسمارٹ ہے۔ اور کیا چاہیے؟’’۔

‘‘مگر وہ بہت (Rich) نہیں ہے حجاب۔ وہ بالکل ہمارے جیسا ایک عام سا صحافی ہے۔ جو بمشکل سفید پوشی کا بھرم رکھے ہوئے ہے۔ وہ تمہاری ڈھیروں ڈھیر خواہشات پوری نہیں کر سکے گا’’۔ وہ استہزائیہ بولا تھا۔ ذہن میں حجاب سے کی گئی شادی اور دولت کے موضوع پر گفتگو گونج رہی تھی۔

حجاب پہلے چونکی پھر ہنس دی۔

''بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک چھوٹا سا واقعہ بھی ہماری سوچ کا رخ بدل دیتا ہے۔ وہ صرف ایک واقعہ کا نتیجہ تھا۔ وہ سب فضول بکواس بھول جاؤ۔ ایسے ہی دماغ خراب ہو گیا تھا میرا۔ ورنہ حلال کی کمائی کھائی ہے اس کا اثر ایسا کیسے ہو سکتا ہے''۔

حجاب نے اسے بڑے سلیقے سے مطمئن کیا تھا اور وہ ہو بھی گیا تھا۔ جبھی مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

''میں تمہارے فیصلے سے بہت خوش ہوں حجاب۔ خدا تمہیں خوشیاں دے بہت زیادہ''۔ اس نے خلوص دل سے دعا کی تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا بعض دعائیں ''رد'' بھی تو ہو جاتی ہیں۔

☆☆☆

ملک کے وفا پرستوں کے لیے یہ خبر نہائت افسوس ناک اور شاکنگ تھی کہ نمروز علی خان کو وفاقی وزیر تعلیم کا عہدہ تفویض کیا گیا تھا۔ لوگوں کی اکثریت متفق تھی کہ ایک ایمان دار اور راست گو انسان کو یہ معمولی کونے میں گھسا دینے والا عہدہ تفویض کیا جانا سراسر نا انصافی تھی۔ اسے تو وزیر خزانہ یا کم از کم وزیر خارجہ کا عہدہ دیا جانا چاہیے تھا۔

حالانکہ ایمانداری نے دیکھا جائے تو آج تک سیاست کی بساط پر ہمیشہ شاطر اور جالباز سیاستدانوں کا پلڑا بھاری رہا ہے۔ سچے اور ایماندار لوگوں کو آگے آنے نہیں دیا جاتا اور اگر خوش قسمتی سے کوئی پارلیمنٹ یا سینٹ میں پہنچنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو نقار خانے میں طوطی کی آواز سنتا کون ہے؟

☆☆☆

فرید پیشے کے لحاظ سے ویٹر تھا۔ میریٹ جیسے ٹاپ کلاس ہوٹل میں ویٹر ہونا بھی اس کے نزدیک ریسٹورنٹ کا مالک ہونے جیسا تھا۔ وہ وہاں آنے والی تمام بڑی بڑی شخصیات جن میں سیاستدان، بیوروکریٹس، سوشل ورکر شامل ہوتے تھے کو ملنے والی عورتوں کے قصے اپنے دوستوں میں بڑے فخر سے سناتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے دوست اس سے ہمیشہ متاثر اور مرعوب نظر آتے تھے یا شاید اس کی معلومات سے۔

اس وقت اس کی توجہ کا مرکز کمرہ نمبر 106 تھا۔ جس میں اس نے ابھی ابھی ایک غیر ملکی خاتون کو جاتے دیکھا تھا۔ اور جس شخصیت سے وہ ملنے گئی تھی فرید کے لیے اس کا نام آج سے پہلے بڑا واجب احترام اور مقدس تھا مگر اب وہ خاتون پچھلے ایک گھنٹے سے کمرہ بند تھی اور پچھلے

ایک گھنٹے سے فرید کے منہ سے بے دریغ گالیاں نکل رہی تھی۔ وہ غیر ملکی لڑکی بے حد خوبصورت تھی اور اس نے میک اپ بھی کافی گہرا کیا ہوا تھا۔ شومئی قسمت آج فرید کی اس فلور پر ڈیوٹی تھی۔ جب 106 سے کافی کا آرڈر آیا تو اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

رُبیکا جانسن نے اپنے سامنے بیٹھے اس پتھر اور بے حس انسان کو دیکھا جس پر اس کی ساری خوبصورتی، سادی ادائیں بے کار گئی تھیں۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے بول رہی تھی۔ مگر اس کے جواب میں سامنے بیٹھے شخص نے تین منٹ بول کر اس کا تختہ کر دیا تھا۔

''مسٹر خان! آپ ایک بار......!'' وہ جھنجلا کر بولی۔

اس نے ہاتھ اٹھا کر وہیں روک دیا۔

''مس جانسن! آپ یقیناً اپنا ''ہوم ورک'' مکمل کر کے آئیں ہیں۔ مگر میں آپ کو انکار کر چکا ہوں''۔ اس کا لہجہ خشک تھا۔

اسی وقت ہلکی سی دستک ہوئی۔ ''یس'' کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور فرید کافی لے کر اندر آ گیا۔ اس نے کافی ٹیبل پر رکھی اور چپکے سے کھسک لیا۔

''آپ ایک بار سوچ لیں'' رُبیکا جانسن کا لہجہ طمع دلانے والا تھا۔

''مس جانسن!'' اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

''میں اس ملک کے دس امیر ترین افراد کی فہرست میں سے ایک ہوں۔ اگر دس غریب ترین افرد کی فہرست میں بھی آ گیا۔ تو بھی آپ کی شرائط، ڈیمانڈز اور باتیں مجھے قبول نہیں''...... اس نے تلخی سے بات ختم کی۔

رُبیکا جانسن کا رنگ ایک لمحے کو بدل گیا۔ اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور ''گڈ بائے'' کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔ دروازہ کھٹاک سے بند ہوا۔

دو منٹ بعد وہ بھی باہر نکل آیا اور مضبوط قدموں سے چلتا لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

فرید نے خوشی کے آنسو آنکھوں میں لیے نمروز علی خان کو دیکھا بہترین سیاہ تھری پیس میں وہ اسے پہلے بڑھ کر خوبصورت قابل احترام اور مقدس لگا۔ اس نے دروازے سے ٹیک لگا کر سب باتیں سن لیں تھیں اور دل میں نمروز علی خان سے والہانہ عقیدت کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

☆☆☆

حجاب اس وقت لائبریری میں موجود تھی۔ سمیسٹر نزدیک تھے اور وہ سخت محنت کی قائل

تھی سو لائبریری میں بیٹھ کر کتابوں کی تسلی سے چاٹ رہی تھی۔ جب یکدم اس کے سیل پر ٹون بجی۔ چند افراد نے نظریں اٹھا کر ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا وہ فوراً معذرت کر کے باہر آ گئی قدرے جھنجلائے ہوئے سیل ہینڈ بیگ سے نکالا اور نمبر دیکھا۔ اسکرین پر ''عمر کالنگ'' کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ اس نے فوراً کال ریسو کی۔

''ہاں بولو عمر''۔

''کہاں ہو؟''

''احمقانہ سوال۔ ظاہر ہے یونیورسٹی ہوں اور کہاں ہوں؟'' وہ طنزیہ مُسکرا کر بولی۔

''اچھا! میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔ فوراً پہنچو''۔

''لیکن میری کلاس ہے بہت اہم اور کام کیا ہے؟'' اسے بولتے ہوئے احساس ہوا کہ وہ فون اس کی بات سُنے بغیر ہی بند کر چکا ہے۔ وہ جھنجلا کر کام کے متعلق سوچنے لگی۔ کچھ سمجھ نہ آنے پر وہ کندھے اچکا کر گیٹ کی طرف چل دی۔ پارکنگ میں اسے عمر بائیک کے ساتھ کھڑا نظر آیا تو وہ اس کی طرف بڑھتی چلی آئی۔

''کیا بات ہے؟ خیریت؟'' اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''سب ٹھیک ہے۔ تم بیٹھو۔ بتاتا ہوں''۔

اس نے بائیک سٹارٹ کی۔

''حجاب!'' دورانِ سفر وہ بولا تھا۔

''ہوں'' وہ سڑک کو دیکھتی ہوئی چونک کر متوجہ ہوئی۔ اسے سفر کرتے ہوئے سڑکوں کو غور سے دیکھنے کی عادت تھی۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکیں اس کی توجہ کا خصوصی مرکز بنتیں تھیں۔ کبھی کبھی تو عمر جھنجلا کر طنز کرتا ''کیا ٹھیکے پر لینے کا سوچ رہی ہو؟'' تو وہ محض مسکرا کر رہ جاتی۔

''اوفو! یہ سڑک پر غور و حوض بعد میں کر لینا پہلے میری بات سنو''۔

''تو بولو بھئی''۔

''آفتاب کی والدہ اور آپا جان تشریف لائیں ہیں۔ امی جان نے کہا تمہیں لے آؤں''۔

اس نے دھماکہ کیا۔

وہ ششدر رہ گئی۔ بولی تو بس اتنا ہی۔

''اوہ۔ اچھا''۔

''ذرا ڈھنگ سے جانا ان کے سامنے''۔

عمر کی نصیحت نما ہدایت پر اس نے بلند وبانگ قہقہہ لگایا۔

''یہ تم کہہ رہے ہو عمر'' اس نے دانستہ حیرانی ظاہر کی۔ عمر نے فوراً ڈپٹا تھا۔

''پاگل لڑکی۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں''۔

وہ پھر ہنسی تھی۔

''ایسے حکم تو مائیں جاری کرتی ہیں''۔

''میں بھی کر سکتا ہوں۔ بڑا بھائی ہوں تمہارا''۔ وہ مان سے بولا۔

''تمہیں لگتا ہے میں خراب حلیے میں ان کے سامنے گئی تو وہ مجھے مسترد کر دیں گی''۔ حجاب نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ بس پہلا تاثر تو اچھا ہونا چاہیے نا''۔ وہ جیسے اس کی کند ذہنی پر ماتم کرتا ہوا بولا۔ اس نے ہنسی دبائی۔

کچھ دیر بعد وہ گھر پہنچ گئے۔ حجاب رُکے بغیر سیدھی اپنے اور سحاب کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ امی جان اسی وقت کمرے میں آ گئیں۔

''حجاب کتنے رف حلیے میں ہو۔ جاؤ فوراً منہ ہاتھ دھوؤ اور کپڑے بدلو۔ اور سحاب اس کا اچھا سا سوٹ نکال دو''۔ انہوں آتے ہی حکم دیا۔

اس نے فوراً سرِ تسلیم خم کیا۔

کچھ دیر بعد وہ تبدیل شدہ کپڑوں میں خاصے فریش حلیے میں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی تھی جب راہ میں عمر حائل ہوا۔

''اچھی لگ رہی ہو''۔ اس نے تنقیدی جائزہ لینے کے بعد پاس کیا۔

اس نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''کنفیوز تو نہیں ہو؟'' وہ بے چین ہوا۔

''نہیں'' وہ پراعتمادی سے مسکرائی تھی۔

''تو بس پھر جاؤ''۔ اس نے پیار سے سر پر ہاتھ رکھا اور جانے کا اشارہ کیا۔

وہ مستحکم قدموں سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ بڑی امی اور امی جان دونوں ہی وہاں موجود تھیں۔

''یہ حجاب ہے''۔ بڑی امی نے مسکرا کر تعارف کرایا۔

''السلام علیکم'' اس نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ جیتی رہو''۔ پُرنور چہرے اور مشفق تاثرات لیے ہوئے خاتون یقیناً آفتاب کی والدہ تھیں۔

''ماشاءاللہ۔ حجاب تو بڑی پیاری ہے''۔

راحت آپا نے مسکرا کر کہا۔

وہ بے اختیار شرما گئی۔ ایک انوکھا احساس رگ وپے میں پھیلا تھا۔

''بس کیا بتاؤں، بہن! ایک ہی بیٹا ہے میرا۔ بتیس سال کا ہونے کو آیا ہے۔ شادی کے لیے نہیں مانتا تھا۔ کہتا تھا کروں گا تو اپنی پسند سے۔ جب آپ کی بچی کے بارے میں بتایا تو مجھے کئی خدشات نے گھیر لیا جانے کیسی ہوگی۔ خاندان کیسا ہوگا؟ جب اس سے ذکر کیا تو ہنسنے لگا۔ بولا اماں یہ مت سوچنے گا کہ میں نے اس سے لمبا چوڑا چکر چلایا ہے۔ وہ بڑی پاکیزہ سی لڑکی ہے۔ اپنے آپ کو سمیٹ کر رکھنے والی۔ مجھے پسند آئی میں نے سیدھے اس کے بھائی سے کہہ دیا۔ اور اب جب میں یہاں آئی تو یقین جانیں آپ کا گھرانہ مجھے بے حد پسند آیا اور خصوصاً آپ کی بچی بے حد پیاری ہے۔ بس آپ ہمارے بیٹے کو دیکھ لیں تو بات آگے بڑھے''۔ انہوں نے تفصیلاً احوال کہہ سنایا۔ حجاب کو ان کی صاف گوئی بے حد بھائی تھی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ بس اس کے بابا جان آ جائیں تو مشورہ کر کے ہی آپ کو بتا سکیں گے''۔ امی جان نے وضعداری سے کہا۔

''اور بھئی حجاب کیا کرتی ہو؟'' راحت آپا نے پوچھا۔

''بس یونیورسٹی اور پھر اخبار کا آفس''۔

اس نے مختصراً بات کی۔

''اخبار میں دلچسپی کس طرف ہے؟'' انہوں نے بات بڑھانے کی غرض سے پوچھا۔

''کالم نگاری کرتی ہوں۔ کوریج وغیرہ بھی کر لیتی ہوں''۔

''کالم نگاری اور رپوٹنگ۔ بالکل آفتاب والے شوق''۔

۔''خوب جمے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔'' ان کی بات پر قہقہہ پڑا تھا۔

عمر بے حد مسرور نظر آ رہا تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اور اسے خوش دیکھ کر حجاب کے اندر ڈھیروں سکون اترتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر مزید بیٹھ کر وہ لوگ ان سے جلد آنے کا وعدہ لے کر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد سحاب اور حجاب مل کر پھیلاوا سمیٹنے لگیں جبکہ بڑے آپس میں مشورہ جات میں مصروف ہو گئے۔ کام سمیٹنے کے بعد حجاب سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آ گئی۔ منڈیر پر ہتھیلیاں ٹکا کر اس نے ستاروں سے سجے آسمان کو دیکھا۔ آج چاند نہیں تھا۔ اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا جانے کیوں ہمیشہ اسے ستارے چاند کے ساتھ ہی اچھے لگتے۔ چاند کے بغیر اسے آسمان بڑا ادھورا سا لگتا تھا۔ اس وقت بھی اسے عجیب سے خالی پن کا احساس ہوا۔ اب جانے یہ خالی پن وجود میں تھا یا آسمان میں اس نے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کو دیکھا۔ نو بج رہے تھے۔

وہ ایک بار پھر ارد گرد نظریں دوڑانے لگی۔ یکدم سیل فون وائبریٹ کرنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھے بغیر فون ''یس'' کر کے کان سے لگایا۔

''جی کون؟'' بے خیالی میں وہ سلام دعا یکسر فراموش کر گئی۔

''نمروز علی خان آپ'' وہ دانت پیس کر کہتی پلٹی لیکن عمر کو دیکھ کر اس کی سانس تھم سی گئی۔ جانے وہ کب سے کھڑا تھا وہاں۔

وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔

عمر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ پھر فون اس سے لیا اور اسپیکر آن کر دیا۔

وہ یک ٹک عمر کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جس کا رنگ غصے وغم سے سرخ ہو رہا تھا۔ پھر شاید اس کی برداشت ختم ہو گئی اس نے کال ڈسکنکٹ کی اور فون اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پر دے مارا اور حجاب کی طرف پلٹا۔

حجاب کے جسم سے جان نکلنے لگی۔ موبائل کے بہت سے ٹکڑے بکھر گئے تھے۔

''مجھے آج پتا چلا ہے لوگ بیٹیوں کی پیدائش پر کیوں روتے ہیں۔ لیکن تم سے کیا کہوں۔ میں نہیں جانتا تھا حجاب تاثیر! تم دولت کے لیے یہ ''شارٹ کٹ'' استعمال کرو گی کیونکہ بہرحال اس شخص کے پاس لیڈی کلر کی سی پرسنالٹی بھی تو ہے۔ مجھے بالکل حیرت نہیں ہے۔ بالکل نہیں''۔ اس کے چہرے سے اس کے آتش فشانی موڈ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ آنکھوں سے نکلتی آنچ حجاب کے تن من کو جلا گئی تھی۔ لہجہ اتنا زہریلا تھا جیسا کہ کوئی سانپ پھنکار رہا ہو۔

''میں تمہیں یہ سب بتا دینا چاہتی تھی عمر! میری بات'' وہ ہوش میں آ کر وضاحت دینے لگی تھی۔ جانتی تھی کہ اگر اب یہ غلط فہمی دور نہ کی گئی تو ساری حیات کے نقصان قسمت میں لکھے جائیں گے۔ مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر وہیں روک دیا۔

''بس۔ جی تو چاہ رہا ہے کہ میں بھی جاہل اور گنوار بن جاؤں تم پر ہاتھ اٹھا لوں تمہیں اتنا ماروں۔ اتنا ماروں کہ جان لے لوں۔ غیرت پر قتل کرنے والوں کو احمق کہتا تھا میں۔ اب

سوچتا ہوں خدا مجھ پر کتنا ہنسا ہوگا۔ احمق تو میں تھا۔ تمہیں اس زمانے سے روشناس کرایا۔ باہر کی دنیا کا پتا دیا، اڑنا سیکھایا آج کیسا منہ کے بل گرا ہوں۔ میرے سامنے سے چلی جاؤ حجاب۔ جاؤ۔ اوہ خدایا! کتنا بڑا بے وقوف تھا میں سمجھتا رہا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ سوچتا رہا میرا وہم ہے اوہ خدایا!" وہ اپنے بال مٹھیوں سے نوچتے ہوئے اتنی اذیت میں تھا کہ حجاب کا دل پھٹنے لگا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میری بات سنو عمر۔ میں......" وہ التجائیہ انداز میں کہتی ہوئی رو دی۔

اگلے ہی لمحے اُلٹے ہاتھ کا بھرپور طمانچہ اس کے گال پر پڑا۔ "آج سے میرا تم پر اور تمہارا مجھ پر ہر حق ختم ہوا جاؤ یہاں سے"۔ عمر نے بے دردی سے اسے سیڑھیوں کی طرف دھکا دیا۔ وہ اس کے بازو سے لپٹ گئی۔ دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے وہ بولی تھی۔ "میری بات سنو۔ اللہ کے لیے۔ ایسا کچھ نہیں"۔

عمر نے اسے ٹھوکر ماری اور پیچھے ہٹا۔ وہ پیچھے کو الٹ گئی۔ وہ تیز تیز چلتا کمرے میں بند ہو گیا۔

کیسی رات تھی وہ۔ قیامت کی سی۔ مجسم قیامت۔ جس میں حجاب تاثیر کو سزا سنا دی گئی۔ یہ دغا باز ہے۔ یہ خائن ہے۔ اس کے وجود کو شکنجے میں اتنی سختی سے کس دو کہ اس کی تمام ہڈیاں آپس میں مل جائیں۔ اس کے بال رسی سے باندھ کر کھینچو۔ یہ بدکردار ہے۔ اسے سنگسار کر دو۔

اسے لگا ابھی زمین پھٹ جائے گی۔ بادل اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی مانند بکھر جائیں گے۔ ابھی سورج دھرتی پر اتر آئے گا۔

اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ شاید قیامت آ گئی۔ منجمد احساسات کے ساتھ اس نے سوچا تھا اور یہ اس کے ذہن کا آخری احساس تھا۔ اس کے بعد تاریکی چھا گئی۔

شاید کالی رات کی۔

شاید کالی قسمت کی۔

یا شاید بدبختی کی۔

وہ ہر احساس سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ اسی وقت سحاب شاید اسے ڈھونڈتی ہوئی اوپر آئی تھی اس کو یوں گرے دیکھ کر اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ اس نے چیخ چیخ کر پورا گھر اکٹھا کر لیا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر صاحب آ گئے۔ چیک اَپ کرنے کے بعد وہ کہ کچھ حیران اور پریشان نظر آئے تھے۔

"اتنی کم عمری میں عام طور پر اس قدر اسٹریس نہیں ہوتی۔ اتنی ہائپرٹینشن، کیا بات ہے؟"۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے"۔ امی جان بے حد حیران ہوئی تھیں ڈاکٹر کے منہ سے یہ سب سن کر۔

"بہرحال۔ یہ میڈیسن انہیں استعمال کروائیے اور انہیں خوش رکھنے کی کوشش کریں"۔ وہ پیشہ ورانہ ہدایت کر کے رخصت ہو گئے۔

"عمر کیا بات ہے؟ تم سے کوئی بات کی اس نے؟" صفیہ بیگم بے حد پریشان سی عمر سے مخاطب تھیں۔ وہ کوئی جواب دینے کی سوچ ہی رہا تھا جب سحاب نے اسے آواز دے دی۔ وہ جان چھوٹنے پر شکر کرتا آگے بڑھ گیا۔

"بھیا! آپی کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ آپ کو بلا رہی ہیں"۔ سحاب کی آنکھوں میں موتی چمک رہے تھے۔

عمر کے خون میں اُبال سا اٹھا تھا۔ مگر وہ ضبط کر گیا۔

"عمر جاؤ اس کے پاس پوچھو اس سے کیا بات ہے؟" صفیہ نے کہا وہ سر ہلاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

سامنے ہی وہ بیڈ پر دراز تھی رنگت میں زردیاں اور آنکھوں میں ویرانیاں لیے۔ وہ آہستہ سے آگے بڑھا۔

"اس سے پوچھو عمر! کیوں ماں کو پریشان کرتی ہے؟" آمنہ اس کے پاس سے اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

حجاب نے عمر کو دیکھا اور اس کے چہرے پر حجاب کے لیے اتنی نفرت تھی کہ اس کا وجود نیلا پڑنے لگا۔ اسے لگا یہ چہرہ کسی اجنبی کا ہے۔ اتنی بے گانہ آنکھوں اور سرد تاثرات والے اس چہرے کو وہ نہیں جانتی۔

"تم انہیں فون کرو عمر! میں ابھی تمہارے سامنے ساری بات کلیئر کر دیتی ہوں" بدقت بولتے ہوئے کئی آنسو گالوں پر لڑھک آئے۔

"مجھے اپنے گھر والے بہت عزیز ہیں حجاب تاثیر! میں انہیں کسی دکھ میں نہیں دیکھ سکتا۔ یہ لو۔ اور پوچھو اس سے وہ کب آ رہا ہے؟" اس نے سپاٹ لہجے میں کہہ کر فون اس کی سمت پھینکا۔

اس نے فون کو ہاتھ نہیں لگایا بس چپ چاپ دھندلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

وہ چند پل ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا پھر فون اٹھا کر باہر نکل گیا۔ باہر نکل کے بنا اِدھر اُدھر دیکھے اس نے تیزی سے سڑھیاں پار کیں اور اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ لاک کر لیا۔

راکنگ چیئر پر جھولتے اس نے ایک فیصلہ کیا تھا اور بے اختیار فون اٹھا کر ایک نمبر ملانے لگا۔

"ہاں واسطی! معذرت چاہتا ہوں یار۔ اس معاملے کو ختم سمجھو"۔

"وجہ؟ نہیں بتا سکتا۔ کیوں؟ ہاں بس ہمت نہیں ہے۔

"ایک بار پھر معذرت۔ اجازت؟" اس نے فون بند کیا۔

چند پل کچھ سوچا پھر ایک اور نمبر ملانے لگا۔

"جی فاروقی صاحب! عمر بول رہا ہوں"۔

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

"مگر برخودار! نہ سلام نہ دعا۔ یہ کافرانہ روش تو نامعقولوں کا وصف ہے گویا۔ تمہارے بارے میں ہماری رائے بہت اچھی ہے مگر تم......"۔

عمر نے ان کی بات قطع کر دی۔

"اپنے خان صاحب کب آ رہے ہیں اسلام آباد سے؟" اس کے لہجے میں غیر محسوس زہر گھلا تھا۔

"بھئی صبح ان کی آمدِ بادِ بہاری ہے۔ اپنے زندہ دلان لاہوریوں نے تو استقبال کی زبردست تیاری کی ہے بقول کسی شاعر کے۔

آمد پر تیری عطر وچراغ سبو نہ ہو
اتنا بھی بود وباش کو سادہ نہیں کیا

"اچھا اجازت دیجئے۔" عمر نے ان کی مزید بات سنے بغیر فون بند کر دیا۔

بند آنکھوں کے ساتھ راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے اس کے ذہن میں جیسے ایک ریل سی چل رہی تھی۔

"السلام علیکم! میں حجاب تاثیر۔

"ایسی کیا خاص بات ہے ان میں"۔

"حکومت ایک محل کی مانند ہے......"

"ہمارے پاس اتنا پیسہ تو ہو کہ ہم ان گندی گلیوں سے نکل کر کسی پوش علاقے میں شفٹ ہو سکیں"۔

"امیر ہیں تو ہوں ہمیں کیا......؟"

اس کے ذہن میں ہر بات گونج رہی تھی۔ نمبروز علی خان کا وہ اتفاقیہ ملنا، بے ساختہ حجاب کو دیکھنا، اس کی باتیں کرنا، جان بوجھ کر اسے مخاطب کرنا، اس کی والہانہ وارفتگی، بے تابی، نظروں سے چھلکتا پیار، اُمڈتا ہوا عشق، سب ہی کچھ تو عیاں تھا جانے کیوں وہ محسوس نہ کر سکا۔ حالانکہ اب دیکھا جاتا تو یہ سب یقیناً ایک پلان گیم تھا۔

حجاب کا گریز، عمر کے سامنے اس کے ساتھ تلخ لہجہ، جھکی نظریں اور وہ سب وہ تلخ لہجہ، گریز پائی بھی یقیناً سوچی سمجھی اسکیم تھی۔

سوچ سوچ کر اس کا دماغ پکے ہوئے پھوڑے کی مانند دُکھنے لگا۔ اب اس کے ذہن میں کوئی سوالیہ نشان نہیں تھا۔ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے اب کیا کرنا ہے۔ ہر چیز بہت صاف اور روزِ روشن کی طرح عیاں تھی بس عمل کرنا تھا۔

☆☆☆

اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ پورا وجود بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس نے کروٹ بدل کر غافل ہونا چاہا مگر پھر ادراک ہوا کہ رات اس کے ساتھ کیا بیت چکا ہے۔ وہ کچھ کھو چکی ہے۔

اخلاق
کردار!
یقین!
مان!
بھروسہ! اور
سب سے بڑا نقصان!
اپنا بھائی کھو چکی ہے۔
اتنا بڑا نقصان!

وہ ششدر پڑی تھی۔ اس نے اپنی سانس کو بے ترتیب ہوتا محسوس کیا۔ اسے سانس لینے میں دقت سی ہوئی۔ اسی وقت اس نے بڑی امی کی آواز سنی۔

"حجاب! بیٹا اٹھ جاؤ ناشتہ کر لو"۔ انہوں نے قریب آ کر اس کا ماتھا چھوا۔ پھر گھبرا گئیں۔

''میرے اللہ! اسے تو سخت بخار ہے۔ عمر! ذرا سے دیکھنا'' انہوں نے سیڑھیاں اترتے عمر کو فوراً پکارا تھا۔

وہ اندر آ گیا۔ جھک کر پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

''اسے تو تیز بخار ہے امی جان''۔

''تمہارے بابا سے کہتی ہوں ڈاکٹر کو بلا لائیں۔ تم اسے جگا کر ذرا یہ ناشتہ کروا دو''۔ وہ پریشانی سے کہتیں باہر نکل گئیں۔ ہونہہ! ''زہر نہ دے دوں۔'' اس نے بھی میز کو ٹھوکر ماری اور باہر نکل گیا۔

بہت سے گرم گرم آنسو حجاب کے گالوں پر لڑھک آئے۔ وہ بے حد نرم دل اور مہربان انسان آج کیسا کٹھور اور سنگدل ہو گیا تھا۔ وہ اس کا بھائی۔ اسے اس ساری دنیا سے زیادہ عزیز تھا۔ وہ تو اس کی چند پل کی ناراضگی نہیں سہتی تھی۔ اب جانے کیسے قسمت میں عمر بھر کے نقصان آ گئے تھے۔ زندگی نے کتنا بے رحم مذاق کیا تھا۔ وہ بھی اتنی بدصورتی کی ساتھ۔ آج صحیح معنوں میں احساس ہوا تھا اُسے کہ موت کو سخت اور اذیت ناک کہنے والے احمق لوگ یہ نہیں جانتے کہ موت سے بھی زیادہ سخت اور سفاک چیز ''زندگی'' ہے۔

اللہ! اتنی کڑی آزمائش!

یا شاید کسی نادیدہ گناہ کی سزا۔

اس کا دل ڈوبنے لگا۔

اسے یاد آیا اس نے عمر سے بات کیوں نہیں کی تھی۔ جب نمروز علی خان نے اسے یوں زبردستی ''نمروز مینشن'' بلایا تھا اور وہ بھی گارڈز کے ذریعے تو وہ کتنا ڈر گئی تھی۔ اگر وہ زبردستی پر اتر آتا اسے واپس نہ آنے دیتا تو وہ کمزور لڑکی کیا کر لیتی۔ شاید کچھ نہیں۔ اس روز اسے شدت سے احساس ہوا کہ کمزور ہونا بجائے خود ایک کمزوری ہے۔ ورنہ اسے آج تک یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک عام سے مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں سوچ سوچ کر ہر قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ وہ الگ بات کہ عمر سے بات کرتے ہوئے وہ کچھ زیادہ تلخ ہو گئی تھی اور بیچ میں بجٹ کا ذکر تو خوامخواہ نکل آیا ورنہ اس کے ذہن میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔

اور اب وہ کیا قدم اٹھائے گا؟۔

ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے منہ چڑا رہا تھا۔

☆☆☆

''تو کل آپ اسلام آباد جا رہے ہیں۔

صدف نے کافی کا کپ اس کے آگے رکھا۔

''ہوں''۔

''کچھ اندازہ ہے آپ کو موجودہ حالات میں کس شعبے میں بھیجا جائے گا؟''

''ہاں۔ کچھ اطلاعات ملی تو ہیں اپنے خیر خواہوں سے''۔ وہ راکنگ چیئر پر جھول رہا تھا۔

''کونسی اطلاعات؟'' وہ چونکی۔

''شعبہ تعلیم'' وہ مسکرا دیا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے؟ ایڈجسٹ کر لیں گے؟''۔

''بالکل بھئی۔ تعلیم تو ملک کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے میں اس کی اہمیت کو جانتا بھی ہوں اور مانتا بھی۔ انشاء اللہ بہتری لائیں گے''۔

اس کا لہجہ پر عزم تھا۔

''اپنی زندگی میں بہتری کب لائیں گے؟''

اس کا لہجہ معنی خیزی لیے ہوئے تھا۔

وہ چونکا پھر بات کی تہہ تک پہنچ کر مسکرا دیا۔

''اس، بہتری کو بھی جلدی لائیں گے''۔

''کب؟'' وہ اصرار سے بولی۔

''تم بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے اُلٹا سوال داغا۔

''سچ بتاؤں تو ہم ابتداء سے ہی غلط تھے۔ امریکن اسٹائل میں ڈائریکٹ پرپوزل دینا ہی انتہائی غلط تھا۔ یہاں کے معاشرتی قوانین کے مطابق آپ کو ان کے گھر جانا چاہیے''۔

''لیکن اس کی فیملی بھی تو اس کی رائے لے گی نا''۔ وہ کچھ الجھا۔

''یہ بعد کی بات ہے۔ ابھی اس بارے میں مت سوچیں''۔

صدف نے تسلی دی۔

اگلے دن وہ اسلام آباد میں فیروز لاج میں موجود تھا یہ گھر فیروز علی خان نے بنوایا تھا اور یہ ان کا پسندیدہ ترین گھر تھا۔ بیڈروم کی کھڑکی میں کھڑے کتنی ہی دیر وہ ستاروں سے سجے آسمان کو تکتا رہا۔

دل آج عجیب سی ترنگ میں تھا بے اختیار اس کی آواز سننے کو مچل گیا اگرچہ جانتا تھا

کہ وہ اسے بالکل لفٹ نہیں کرائے گی۔ ڈانٹے گی، الجھے گے اور پھر تھک کر فون بند کر دے گی۔

مگر اسے اس میں بھی لطف محسوس ہوتا تھا۔

سو اس کا نمبر ملا ڈالا

‘‘جی کون؟’’ بڑی بے خیالی میں پوچھا گیا تھا۔

نمروز علی خان کی سماعتیں سیراب ہونے لگیں۔

‘‘رسم الفت یہ اجازت نہیں دیتی ورنہ!
ہم بھی تمہیں ایسا بھولیں کہ سدا یاد کرو’’ اس نے مدھم لہجے میں ڈھیروں شدتیں سمو کر کہا تھا۔

‘‘کیوں فون کیا ہے؟’’ اس کا تیکھا لہجہ، نمروز علی خان کو گدگدیاں سی ہونے لگیں۔

‘‘چاند کو ڈھونڈ رہی ہو نا! مجھے بھی آسمان چاند ستاروں کے ساتھ ہی اچھا لگتا ہے’’۔ وہ عجیب ترنگ میں تھا۔ یہ جانے بغیر کہ قیاس بالکل درست تھا۔

‘‘نمروز علی خان آپ’’ اس نے کچھ کہنا چاہا۔

اسے نشہ سا چڑھ گیا اس نے اس سے پہلے بھلا کب اس کا نام یوں لیا تھا۔ بے اختیار اس کی بات قطع کر دی۔

‘‘سچ کہوں۔ بہت یاد آ رہی ہو’’ بہت تڑپ کر اس نے کہا تھا۔

‘‘پتا ہے میں تمہارے لیے ‘‘آپ’’ کیوں استعمال کرتا تھا کیونکہ۔

‘‘ادب پہلا قرینہ محبت کے قرینوں میں مگر اب تمہیں ‘‘تم’’ اس لیے کہتا ہوں کیونکہ جب محبت کامل ہو جائے تو ادب کی شرط ختم ہو جاتی ہے۔’’

‘‘اب تمہارے بغیر رہا نہیں جاتا حجاب! میں تمہارے گھر آنا چاہتا ہوں تمہیں اپنا بنانے کے لیے۔’’

‘‘کچھ تو کہو’’ وہ مکمل بے اختیار ہو رہا تھا۔ بہت ناز سے فرمائش کی تھی۔

دوسری طرف سے کال ڈسکنکٹ کر دی گئی۔ وہ کھل کر ہنس دیا۔ جانتا تھا وہ شدید غصے میں ہوگی۔ کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ نمبر ملایا۔ دوسری سے ریکارڈ ٹیپ چلنے لگا۔

‘‘آپ کا ملایا ہوا نمبر فی الحال بند ہے برائے مہربانی کچھ دیر بعد کوشش کریں’’۔

‘‘لگتا ہے کچھ زیادہ ہی غصہ آ گیا ہے’’۔ مسکراتے ہوئے اس نے سوچا۔ یہ جانے بغیر کہ اس کی اس بے اختیاری نے حجاب کی زندگی میں زہر گھول دیا ہے۔

پھر انٹر کام اٹھا کر ڈنر کا آرڈر دیا اور خود فریش ہونے چلا گیا۔

منیر اسی کو محبت کہا ہے لوگوں نے!!!
کہ خون بن کے رگوں میں اتر گیا ہے کوئی

بہت خوبصورت لب و لہجے میں بولتا باہر آیا۔

ٹاول سے بال خشک کیے پھر شرٹ اٹھا کر پہنی اور بال بنانے لگا۔ اسی دوران سیل فون بجنے لگا۔

‘‘ہاں صدف بولو!’’

‘‘سر جی! کیا حال ہے؟ کیا چال ہے؟ یہ نام، یہ شہرت، یہ کامیابیاں مبارک بلکہ مبارکاں’’ وہ بے ربط سی ہو کر شوخی سے کہہ رہی تھی۔

وہ ہنس دیا۔

‘‘شکریہ صدف’’ بہت مطمئن لہجے میں بولا۔

‘‘صبح آپ آ رہے ہیں نا’’۔ اس نے کنفرم کرنا چاہا۔

‘‘ارادہ تو یہی ہے’’۔

‘‘بہت زبردست تیاری ہے یہاں آپ کے استقبال کے لیے’’۔

‘‘ہاں۔ ابھی خالد کا فون آیا تھا۔ بتا رہا تھا وہ’’۔

‘‘حفاظتی انتظامات کیا ہیں’’ وہ متفکر ہوئی۔

نمروز نے دل سے اس اپنائیت کو محسوس کیا اور دل ایک بار بھی اس بے نام رشتے میں اُلجھا۔

‘‘آپ کو پتا ہے نا! اس وقت ملک میں دشمن عناصر پوری طرح متحرک ہیں’’۔

‘‘ہماری کسی سے کیا دشمنی؟’’

‘‘سیاست میں دشمنوں کے لیے وجہ ضروری نہیں ہوتی۔ بہت پریشان ہوں آپ کی طرف سے۔ پہلے سوچا فون نہ کروں آپ ڈسٹرب ہوں گے۔ نا معلوم کہاں مصروف ہوں۔ پھر سوچا فون کر ہی لوں۔ دل کو تسلی تو ہوگی’’ صدف کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ واقعی پریشان ہے۔

‘‘کیوں پریشان ہوتی ہو؟ کھانا کھایا؟’’

اس نے معتدل لہجے میں اسے نارمل کرنا چاہا۔

‘‘نہیں، دل نہیں چاہ رہا’’۔

''اونہوں۔ بری بات۔ جاؤ کھانا کھاؤ'' اس کے لہجے میں تحکم تھا۔

''اپنا خیال رکھیئے گا ڈھیر سارا''۔

''تمہاری دعاؤں کے بغیر نہیں رکھ سکوں گا''۔ اس نے دانستہ شوخی سے کہا۔

وہ ہنسی۔ نمروز کو اطمینان ہوا وہ اس کی ذہنی رو موڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''میری دعائیں تو ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں''

اس نے یقین دلایا۔

''شکریہ صدف۔ اپنے ذہن کو ریلیکس کرواور کھانا کھاؤ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں''۔

''اللہ حافظ''۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا تو نمروز علی خان نے بھی الوداعی کلمات کہہ کر فون بیڈ پر پھینکا اور خود کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس کا ارادہ کل لاہور روانہ ہونے کا تھا مگر پے در پے میٹنگز، کام اور پارٹیز اس طرح نکلیں کہ اسے چاہتے ہوئے بھی دو دن مزید اسلام آباد رکنا پڑ گیا۔ لاہور سے اسے مسلسل فون آرہے تھے آخر اتوار کی صبح وہ پلین کے ذریعے لاہور روانہ ہو گیا۔ ایک ہجوم بیکراں اسے خوش آمدید کہنے کے لیے جمع تھا۔ ایک روشن اور خوبصورت دن کے بھرپور اُجالے میں بے پناہ شور نے اس کا استقبال کیا۔ پھر اس نے نعرے سنے۔

نمروز علی خان
زندہ باد
خان اعظم
جیوے جیوے

کھٹا کھٹ کیمروں کے فلش چمکنے لگے۔ پی۔ جے۔ ایف کے کارکن اور عوام اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ ہر سمت سے گلاب کی پتیوں کی بارش تھی۔ اس نے استقبال کرنے والوں کے نعروں کا جواب دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا اور اس کے چہرے پر خوشی، فخر اور ایک روشن مستقبل کی نوید دیتی مسکراہٹ آ گئی۔

It was roses, roses all the way with myrtle mixed in my path like mad.

The house roofs seemed to heave and sway.

The air broke into a mist with bells Had I said,

"Good Folk," mere noise repels ......

But give me your sun from younder skies?

They had answered; And after ward what else?

اس کے گرد سیکیورٹی گارڈز کا دہرا حلقہ تھا۔ اُسے براؤننگ کی نظم یاد آ گئی تھی۔ کچھ دیر میں گاڑیاں نمروز مینشن روانہ ہو گئیں۔ وسیع پیمانے پر سیکیورٹی کے انتظامات اور پولیس کی نفری کے باوجود پر جوش عوام کو کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ''نمروز مینشن'' میں موجود تھا۔

☆☆☆

''خان! ڈسٹربنس کے لیے معذرت۔ کوئی عمر سفیر آئے ہیں''۔ وہ بے حد تھکا ہوا سونے کی تیاریوں میں تھا جب مدھم سی دستک کے ساتھ صدف اندر آئی تھی۔

''عمر سفیر''۔ وہ زیرِ لب بڑبڑا کر حیران سا بولا۔

''گیٹ پر انہیں روکنے کی کوشش کی گئی مگر انہوں نے کہا کہ آپ نے انہیں بلایا ہے''۔

''او کے'' وہ سیلپنگ سوٹ کی ڈوریاں کستا اٹھ گیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آیا تو عمر اسے اضطراب کے عالم میں ٹہلتا نظر آیا۔ ''السلام علیکم'' اس نے پہل کی۔

''وعلیکم السلام۔ کیسے ہیں آپ؟''

''الحمدللہ'' وہ تکلف سے مسکرایا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کیسے آنا ہوا؟ سب خیر ہے نا؟''۔

''جی۔ بہت ضروری بات تھی''۔

''اتنی ضروری بات کونسی تھی جس کے لیے آپ کو گیٹ پر غلط بیانی سے کام لینا پڑا'' نمروز نے مسکرا کر ہلکا سے جتایا۔

عمر خفیف سا ہو گیا۔ لب کچل کر جیسے حوصلہ پیدا کیا تھا خود میں۔ وہ جانتا تھا مقابل کی ایک کہی گئی بات اس کی پوری ہستی کو داؤ پر لگا دے گی۔

''آپ حجاب کے ساتھ کس حد تک سنجیدہ ہیں؟'' پھیکے چہرے کے ساتھ وہ سراپا سوال تھا۔ حملہ بہت اچانک تھا اور نمروز کو لگنے والا جھٹکا بہت زوردار مگر وہ بڑی سرعت سے خود پر قابو پا گیا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ تو کھیل شروع ہوا۔

''جس حد تک تم سوچ سکتے ہو''۔ نمروز نے بہت جلدی ''آپ'' سے ''تم'' کا سفر طے

کرلیا تھا بے خوفی سے کہا تھا۔

اور عمر ساری جان سے ہل گیا۔

اندھیرے میں پھینکا گیا تیر کتنے صحیح نشانے پر لگا تھا نمروز علی خان یہ نہیں جانتا تھا۔

’’کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟‘‘ عمر کی آواز کسی گہری کھائی سے آ رہی تھی۔

’’ثبوت؟‘‘ وہ حیران ہوا۔

’’صدف‘‘ نمروز نے بلند آواز میں پکارا اگلے ہی لمحے وہ بوتل کی جن کی مانند حاضر تھی۔

’’جی خان‘‘ دستِ بستہ۔

’’بھئی دیکھو وہ میری وارڈ روب کی بائیں دراز میں ایک سنہرے رنگ کا کیس پڑا ہے وہ لے آؤ‘‘۔

’’جی‘‘ وہ کہتے ہوئے مڑ گئی۔ ایک منٹ بعد وہ واپس آ گئی تھی۔ خاموشی سے کیس وسطی میز پر رکھا اور اسے طرف باہر نکل گئی۔

عمر نے الجھی ہوئی نظروں سے اس ایک فٹ لمبے اور آدھ فٹ چوڑے سنہرے رنگ کا بکس کو دیکھا۔

’’اسے کھولو عمر‘‘ نمروز علی خان کے لبوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

عمر نے جھٹکے سے ڈھکن پلٹا اور اس کا دماغ جیسے خلا میں معلق ہو گیا اس کے سامنے حجاب کی زرقون کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی یہ انگوٹھی اسے عید الفطر پر مائرہ نے گفٹ کی تھی اور حجاب اسے ہر وقت پہنے رہتی تھی پھر اس کے ہاتھ میں نظر نہیں آئی۔ سحاب نے اس سے کئی بار پوچھا اور عمر نے بھی پوچھا تھا مگر وہ یہی کہتی رہی کہ وہ رکھ کر کہیں بھول گئی ہے یا اِدھر اُدھر ہو گئی۔ اور اب؟ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی نظر انگوٹھی سے ہوتی ہوئی بالکل ساتھ رکھی تہہ شدہ حالت میں سفید شرٹ پر پڑی۔ اور اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ سفید بے داغ شرٹ پر بائیں جانب عین دل کے مقام پر دو لبوں کا مدھم سا نشان، عمر کی آنکھوں کے آگے سرخ چادر سی تن گئی۔ کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے لب لرز کر رہ گئے۔

وسوسوں نے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت منجمد کر ڈالی تھی۔ اس کے دور اندیش دماغ نے بڑی تیزی سے آنے والے وقت کی تصویر دیکھی جس میں صرف طوفان اور بربادی تھی۔

’’اب کیا ارادہ ہے؟‘‘ عمر نے سر اٹھا کر بڑے حوصلے اور صبر سے پوچھا تھا۔

نمروز کو اس کی حالت پر ترس آیا خود کو سمیٹنے کی کوشش میں وہ ہلکان نظر آ رہا تھا۔

’’جب آپ حکم کریں گے ہم اسی دن آپ کے دولت خانے پہ حاضر ہو جائیں گے‘‘ وہ سکون سے بولا۔

’’آج اتوار ہے۔ اس جمعہ کو آ جایئے آپ۔ میں گھر میں بات کرلوں گا‘‘ عمر کی آواز بہت پست تھی۔

وہ کیس بند کر رہا تھا اور اس کی ہر حالت میں سلوموشن کی سی کیفیت تھی۔ حرکت و عمل کی پھرتی قوتِ ارتکاز کی مرہونِ منت ہوتی ہے اور وہ تو اس وقت برزخ میں تھا۔

’’جیسا تم کہو‘‘ نمروز نے فراخدلی کے ساتھ اتفاق کیا۔

’’بے وقت تنگ کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔ امید ہے آپ درگزر کر دیں گے‘‘۔ عمر کی آواز کچھ مزید دھیمی ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

’’اٹس او کے‘‘ نمروز نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

’’اسے سمجھاؤ عمر! وہ تم سے ڈرنا چھوڑ دے۔

اسے اپنے فیصلے خود کرنے کی آزادی دو‘‘۔

’’جی۔ چلتا ہوں میں‘‘ عمر سست قدموں سے مڑ گیا۔ نمروز اسے جاتے دیکھتا رہا۔

پورچ میں آ کر اس نے بائیک سٹارٹ کی اور ’’نمروز مینشن‘‘ سے باہر نکل آیا۔ بے وجہ سڑکوں پر بائیک دوڑاتے اسے جانے کتنا وقت بیت گیا تھا جب بائیک اچانک بند ہو گئی شاید پٹرول ختم ہو گیا تھا۔ قریب ہی ’’فورٹریس‘‘ تھا۔ اس نے بائیک پارکنگ میں کھڑی کی اور ٹوکن لے کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ فینسی لائٹس رات کی تاریکی کو دور کرنے میں معاون ثابت ہو رہے تھے۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا اور پرسکون اور قدرے تاریک گوشے میں جا کر وہ درخت کے نیچے رکھے بینچ پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے وہ زمان و مکاں کی قید سے آزاد کسی اور جہاں میں پہنچ گیا۔

یہ کیا ہو گیا؟

ایسا کیسے ہو گیا؟

’’حجاب اتنا آگے جا چکی ہے‘‘ اس کی نظروں میں سفید شرٹ گھومنے لگی۔

’’یہ سازش بھی تو ہو سکتی ہے‘‘ دماغ نے نیا رستہ دکھایا۔

’’مگر کیوں؟ کیا مفاد ہو سکتا ہے اس میں نمروز علی خان کا؟‘‘ وہ دماغ کے آگے ڈٹ گیا۔

’’اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے ’’محبت‘‘ کرتے ہیں تو حجاب نے مجھے کیوں نہیں بتایا‘‘؟

''وہ تم سے ڈرتی ہے''۔ نمروز علی خان کی آواز اس کے اندر گونجی۔ ''مگر کیوں......؟''

''اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ یہ ایک سازش ہے بھی تو وہ انگوٹھی وہ زرقون کی انگوٹھی وہ اس کے پاس کیسے پہنچی؟'' وہ پاگل ہونے کو تھا۔

''اگر وہ نمروز علی خان کے ساتھ اس قدر ''انوالو'' ہے تو پھر اس کا یہ شدید ردعمل کس بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ اتنی شدت سے کیوں انکار کر رہی ہے''۔ اسے نئے خیال نے آلیا۔

''اپنی محبت کو کھو دینا آسان نہیں ہوتا عمر! وہ صرف تمہارے لیے واسطی کا پرپوزل قبول کر چکی تھی کیونکہ جانتی تھی کہ پسندیدگی کو بھی مڈل کلاس گھرانے میں کس نظر سے دیکھا جائے گا۔ اور جس طوفان سے بچنے کی خاطر اس نے یہ ''عذاب'' جھیلا وہ تو پھر آ کر رہا۔ وہ کیونکر برداشت کر پاتی۔ کیا وہ فولادی وجود رکھتی ہے یا آہنی قوت برداشت؟ صرف تمہارے لیے''۔ اس کا دل اس پر ہنسا۔

''میرے لیے؟''

میرے لے دے رہی تھی وہ قربانی؟ اتنا ڈرتی تھی وہ مجھ سے۔ میرے شدید ردعمل سے کہ مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا'' وہ ذہن اٹھتے طوفانوں کے ہاتھوں بے بس تھا۔

اس کے حواس ٹھٹھر رہے تھے اور دماغ مفلوج ہو رہا تھا۔

''کیوں کیا تم نے ایسا حجاب؟ میں نے تمہیں ڈرنا تو نہیں سکھایا تھا۔ میں نے تمہیں اعتبار کرنا سکھایا تھا۔ کیوں دی تم نے اتنی بڑی قربانی؟ اور میں کتنا خود غرض ہو گیا تھا۔ غصے میں پتا نہیں کیا کیا کہہ دیا۔ میری خاطر، میری خوشی کی خاطر، میری خوشی اس میں تو نہیں تھی کہ تم...... ایک ان چاہی زندگی گزار دو۔ جس میں تمہاری خوشی نہ ہو۔ اتنا سفاک کیسے ہو گیا تھا میں؟ مگر اب میں سب ٹھیک کرلوں گا۔ میں تم سے معافی مانگ لوں گا حجاب! کیوں کہ میں اتنا انا پرست نہیں ہوں کہ اپنے اتنے پیارے رشتے میں دراڑ ڈال لوں اور جب تم اتنا آگے جا ہی چکی ہو تو پھر میں کون ہوں رُکاوٹ ڈالنے والا'' اس نے عزم کیا۔

''دکھ تو اس بات کا ہے کہ تم نے مجھے اعتبار کے قابل نہ جانا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ تم اتنی جلدی اپنے اخلاق و اقدار کو بھول گئیں۔ حیرانی تو اس بات کی ہے تم اتنی جلدی اپنی حدود کو پھلانگ گئیں''۔ وہ پارکنگ کی طرف بڑھتے سے خود سے ہمکلام تھا۔

اس کی حالت پہلے کی نسبت سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ شاید وہ دل سے یہ مان چکا تھا کہ جب نمروز علی خان اور حجاب تاثیر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو اسے اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے۔ تسلیم کر لینا چاہیے اسی میں اس کا بھلا ہے اور اس سے منسلک لوگوں کا بھی۔ سب سے بڑی بات اسے ان کے درمیان کوئی ولن ٹائپ رول پلے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ویسے بھی نمروز علی خان میں کیا کمی تھی۔ وہ کامیاب تھا، ہینڈسم تھا، باکردار تھا اور سب سے بڑی بات حجاب کی پسند تھا۔ اب اسے حجاب کے ساتھ روا رکھے گئے اپنے رویے پر افسوس ہو رہا تھا۔ وہ تو اس کی ایک پل کی ناراضگی نہیں سہہ سکتی تھی کجا اتنے دنوں سے وہ اس کی شکل دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ اسے اپنی جلد بازی اور جذباتی کیفیت یاد آئی تو نئے سرے سے خود پہ طیش آنے لگا۔

''اگر ہم اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو آزادی دیتے ہیں تو انہیں اس آزادی کو استعمال کرنے کا حق بھی تو دینا چاہیے''۔ بائیک ایک پیٹرول پمپ کے سامنے روکتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔ جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا گھڑی پونے بارہ بجا رہی تھی۔ دروازہ سحاب نے کھولا تھا۔

''سب سو گئے؟'' بائیک اسٹینڈ پر لگا کر اس نے پوچھا۔

''آپی جاگ رہی ہیں۔ کھانا گرم کروں آپ کے لیے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔ حجاب کو بھیجو اوپر'' وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

کچھ دیر بعد دروازہ مدھم سی آواز کے ساتھ کھلا اور حجاب کی صورت دروازے کے فریم میں نظر آئی۔

''آؤ۔ اندر آؤ'' اس نے بیڈ پر آگے کھسک کر اس کے لیے جگہ بنائی۔

حجاب نے بھیگی نظروں سے اسے دیکھا اور قدم قدم چلتی اس کے سامنے آ کر ٹک گئی۔

عمر نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔ وہ بہت پژمردہ اور مضمحل لگ رہی تھی۔

کیا ''کھونے'' کا غم اسے جینے نہیں دے رہا''۔ اس نے اندازہ لگایا۔

وہ سختی سے لب بھینچے نظریں جھکا کر بیٹھی تھی جیسے اب کسی اور حکم کی منتظر ہو۔

''حجاب! اِدھر دیکھو''۔ عمر نے اسے متوجہ کیا۔

''ہوں'' اس نے مدھم آواز میں کہتے ہوئے سر اٹھایا۔

''جو بھی میں نے کہا اسے بھول جاؤ۔ بکواس کی تھی میں نے۔ مجھے معاف کر دو۔ پلیز'' اس نے بہت متوازن لہجے میں کہا۔

''عمر!'' حجاب نے سسکی سی لی۔ عمر نے بے ساختہ ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا وہ اس کے شانے سے سر ٹکا کر دھواں دھار انداز میں رو دی تھی۔

وہ اس کا سر تھپتھپانے لگا۔

''بس کرو پاگل لڑکی! تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ ایک رشتہ تو نہیں ہے نا تم سے۔ خون کا تعلق ہے، دودھ کا رشتہ ہے، روح کا رشتہ ہے اور تم میری سب سے اچھی دوست بھی تو ہو''۔ وہ اسے چیئر اپ کر رہا تھا۔

''کتنی تکلیف دی ہے تم نے مجھے۔ تمہیں اندازہ ہے؟'' وہ تڑپی تھی۔

''معافی مانگ تو رہا ہوں''۔

''نہیں چاہیے تمہاری معافی۔ کہاں کا قانون ہے پہلے دل کے ٹکڑے کرو اور پھر بعد میں معافی مانگ لو۔ کیا ہم جنگل میں رہتے ہیں یا یہ جنگل کا قانون ہے جہاں کسی بات، کسی عمل اور کسی ردعمل کا کوئی احتساب نہیں''۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔

''تو بولو! کیا کروں؟'' وہ بے بس ہوا۔

''مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ تم نہیں جانتے عمر! میں نے کتنا عذاب جھیلا ہے خود پر''۔

''جانتا ہوں۔ بس اب چپ ہو جاؤ۔ ازالہ بھی میں ہی کروں گا''۔ وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

''ازالہ'' وہ چونک اٹھی۔

''تمہارے حق میں ہوگا سب کچھ۔ یقین رکھو مجھ پر غاصب نہیں ہوں میں'' وہ افسردگی سے مسکرایا تھا۔

''دیکھو۔ کوئی نیا شوشہ مت چھوڑنا۔ سمجھے'' حجاب نے تنبیہہ کی۔

''سمجھ گیا۔ اب کوئی ناراضگی تو نہیں ہے نا؟''

''نہیں'' وہ پرسکون سی مسکرائی۔

''بس اب جاؤ اور ایک پرسکون نیند لو۔ بے فکر ہو جاؤ۔ سب کچھ تمہاری من مرضی کا ہوگا''۔ اس نے معنی خیزی سے کہا وہ کچھ الجھی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب بھی پتا چل جائے بس اب جاؤ''

اس نے ٹالا۔

وہ سیدھا دراز ہو گیا۔ حجاب نے اس پر کمبل ڈالا اور لائٹ آف کر کے دروازہ بند کیا اور باہر آ گئی اس کی چال میں سرشاری تھی۔ وہ بے پناہ خوش تھی۔ خوش کیوں نہ ہوتی اسے اس کا بھائی دوبارہ مل گیا تھا مگر اس وقت وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ بھائی کو پانے کی کیا قیمت چکانی پڑے گی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ تقدیر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہی ہے؟

☆☆☆

نمروز علی خان نے بڑے سکون سے اسے جاتے دیکھا اور پھر سر جھٹک کر اس بے پناہ خوشی کا محسوس کیا جس نے اس کی ساری تھکن چوس لی تھی۔

''صدف'' اس نے بلند آواز میں پکارا۔

''جی خان'' وہ اگلے ہی لمحے حاضر تھی۔

''یہ کیس میرے روم میں لے آؤ اور اچھی سی کافی بنواؤ'' وہ کہتا ہوا اٹھ گیا۔

صدف نے بغور اس کے چہرے کے بدلے تاثرات کا جائزہ لیا۔ پھر سر جھٹک کر اس کے پیچھے چل پڑی۔

کچھ دیر بعد وہ کافی کے سپ لیتا بہت گہری سوچ میں تھا۔

''سب ٹھیک ہے نا؟'' صدف نے کسی خدشے کے تحت پوچھا۔

وہ دلکشی سے ہنسا۔

''سب ٹھیک ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہے۔ تمہیں پتا ہے یہ ''عمر سفیر کون ہے؟'' وہ خوشگوار موڈ میں تھا۔

''جی نہیں''۔

''یہ حجاب کا کزن ہے اور مجھے تو لگتا ہے بلکہ مجھے یقین ہے یہ لازماً حجاب میں انوالو ہے۔ مجھے اس کی حالت یاد کر کے بے حد ہمدردی ہو رہی ہے اس سے چچ چچ ''Poor Man'' وہ تاسف سے بولا۔

''یہ آپ کے پاس کیا کرنے آئے تھے؟''

''چھوڑو فضول سوال۔ بس یوں سمجھ لو قدرت نے خود میرا رستہ صاف کر دیا ہے۔ اس جمعہ کو جا رہا ہوں میں ان کے گھر'' وہ سرشار سا کہہ رہا تھا۔

صدف کو تعجب ہوا۔

''سچ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے'' وہ خوشی سے بولی۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا شادی کا کب ارادہ ہے؟'' وہ یقیناً خوش تھا ورنہ آج سے پہلے اس نے صدف کے ساتھ قطعاً اس موضوع پر کوئی بات نہ کی تھی۔

وہ جھینپ گئی۔

"میرا کوئی ارادہ نہیں ہے"

"کیوں بھئی۔ کیا یونہی زندگی گزارنے کا ارادہ ہے؟" وہ حیرانی سے مستفسر ہوا۔

"ایسی بات نہیں بس کبھی سوچا نہیں"۔ وہ خود کو قدرے سنبھال چکی تھی۔

"تو اب سوچ لو" اس نے فراخدلی سے کہا۔

"سوچنا تو آپ کو ہے خان! میرے ماں باپ بھی آپ ہیں بھائی بھی اور بہن بھی۔ میرا تو ہر رشتہ آپ سے ہے"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

نمروز سناٹے میں رہ گیا تھا۔

"کیوں نہیں، بالکل مجھے ہی سوچنا ہے" وہ بشاشت سے مسکرایا۔

پھر اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا۔

"تم میری بہن ہو صدف" اس نے صدف کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"شکریہ۔ آپ نے مجھے معتبر کر دیا"۔ تشکر کے دو آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ گئے۔

"اوںہوں۔ اب جاؤ شاباش۔ پرسکون نیند لو۔ اپنے ذہن کو ریلیکس کرو اور بالکل بے فکر ہو جاؤ"۔

"شب بخیر"۔ وہ مسکرائی اور کہہ کر پلٹ گئی۔

وہ روشنیاں بند کر کے بستر پر آ گیا۔

مسکراتا ہوا ایک چہرہ اس کے روبرو تھا۔

"میں حجاب تاثیر......"

اس پل وہ نہیں جانتی تھی کہ کیسے وہ اس شخص کی آنکھوں کے رستے اس کے وجود میں اتر گئی اور دل میں سما کر پورا "دل" بن بیٹھی تھی۔

حجاب تاثیر!!!

وہ حجاب تاثیر جو اس کی شریانوں میں لہو کی مانند دوڑنے لگی تھی جس کی خوبصورت مسکراہٹ، آنکھوں کی چمک اور ٹھوڑی کا ڈمپل اسے اس ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہونے لگا تھا۔

وہ اس کے بارے میں سوچتا اور اس پر سحر سا طاری ہو جاتا وہ اپنے آپ کو نئے سرے سے قید پاتا۔ اس کی نوکیلی اور کٹیلی باتیں عجیب سا لطف دیتیں لیکن رفتہ رفتہ اس کا دل اضطراب میں گھرنے لگا۔ اسے پانے کے خواب آنکھوں میں سمانے لگے۔

اسے جیتنے کی خواہش دل میں جگہ بنانے لگی۔ وہ اسے سوچتا اور اذیت میں گھر جاتا۔

وہ اسے پانے نہ پانے کے واہموں میں گھرنے لگا۔ اس کے اردگرد مناظر بے رنگ ہونے لگے۔ راتوں کی نیندیں اور دن کا سکون غارت ہونے لگا اسے پانے کی خواہش وجود سے کسی جونک کی مانند لپٹنے لگی اور اس کی روح حجاب تاثیر کی پابند بن گئی۔

محبت بڑھنے لگی۔ بڑھتی رہی، بڑھتی رہی اور بڑھتے بڑھتے عشق کی منزل تک آ پہنچی۔

وہ عشق جو ہر پل جلاتا تھا جھلساتا تھا۔ وہ عشق جو اپنی ذات میں یکسر تنہا تھا اور دوئی چاہتا تھا اس کی زخم زخم روح اپنا ساتھی مانگنے لگی۔ خواب حقیقت کا روپ دھارنے کی منزل چاہنے لگے۔

اس کی محبت، اس کا عشق، اس کی روح، اس کے خواب،

سب اپنا مسیحا چاہنے لگے۔

اور "مسیحائی" صرف حجاب تاثیر کے پاس تھی۔ جو نازک بھی تھی، خودسر بھی، معصوم اور سادہ بھی۔

جس کے چہرے پر پھولوں کی سی شائستگی تھی۔

جس کے لہجے میں جھیلوں سی میٹھی ٹھنڈک تھی۔

جس کی پیشانی کی تابندگی چاند کی سی تھی۔

جس کی آنکھوں میں چراغوں کی سی روشنی تھی۔

جس کا پرتقدس پیکر اس کی روح کا آزار بن گیا۔

جسے وہ جیتنا چاہتا تھا۔

مگر اسے بہت جلد خواب اور حقیقت کا فرق معلوم ہو گیا۔

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

وہ جان گیا کہ حجاب تاثیر آسان محاذ نہیں تھی۔

اسے جیتنا اسے پانے سے زیادہ مشکل تھا۔

اس نے اپنے لیے نسبتاً آسان چیز کا چناؤ کر لیا۔ اپنا ٹارگٹ بدل لیا۔

اب وہ اسے پانا چاہتا تھا۔

وہ اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا، وہ اسے محسوس کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے محسوس کر کے اس الوہی خوشی کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ جس کی طلب نے اسے پاگل کر دیا تھا۔ اور اب وہ اپنی منزل کے بہت قریب تھا۔

حجاب تاثیر کو پانے کی منزل!

سرشاری اس کی رگ رگ میں بہہ رہی تھی۔ تھکن تھی یا سکون کی حد کہ اسے ٹوٹ کر نیند آئی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح ناشتے کے میز پر عمر نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے حجاب کو مخاطب کیا جو پراٹھے اور اچار کے ساتھ انصاف کرنے میں مگن تھی۔

‘‘ایگزامز کب ہو رہے ہیں تمہارے؟’’

‘‘یسٹرڈے کو پہلا ہے’’۔ اس نے لقمہ نگلتے ہوئے کہا۔

‘‘ہوں۔ ڈٹ کر تیاری کرو’’۔

‘‘وہ تو کروں گی ہی۔ مگر تمہیں کیوں اتنی فکر ہو رہی ہے؟’’

اس نے دانستہ چھیڑا۔

‘‘یہ فائنل ایگزامیز ہیں نا؟’’ اس نے پوچھا۔

‘‘ہوں تو......’’ وہ چونکی۔

‘‘تو کیا؟ بس مستقبل کی تھوڑی پلاننگ کرنا ہے۔ اسی لیے پوچھ رہا ہوں؟’’ وہ گہری سوچ میں گم تھا۔

‘‘کس کے مستقبل کی پلاننگ؟’’

‘‘تمہارے اور کس کے’’۔

اسی وقت صفیہ نے اسے مخاطب کیا

‘‘عمر بیٹے وہ تمہارے دوست کی والدہ نے دوبارہ رابطہ ہی نہیں کیا۔ کیا جواب دینا ہے انہیں؟’’

‘‘آپ نے ابھی بابا جان سے بات تو نہیں کی؟’’

‘‘نہیں۔ سوچ رہی تھی آج کرلوں’’۔

‘‘کوئی ضرورت نہیں ہے کرنے کی۔ اس معاملے کو ختم سمجھیں’’۔ حجاب کو جھٹکا لگا۔

اس نے ٹھٹک کر عمر کے بے تاثر چہرے کو دیکھا۔

‘‘مگر کیوں؟’’ صفیہ حیران ہوئیں۔

‘‘اچھے لوگ تھے وہ اور پھر تمہیں بھی تو پسند ہیں’’۔

‘‘بس چھوڑیں اس موضوع کو۔ شام میں تفصیل سے بات کریں گے’’۔ اس نے چائے کا خالی کپ میز پر دھرا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

‘‘تم تیار ہو حجاب؟’’

‘‘ہوں۔ چلو’’۔ وہ بیگ کاندھے سے لٹکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

‘‘اس فیصلے کی وجہ جان سکتی ہوں؟’’ بائیک پر بیٹھتے ہوئے اس نے بہت تیکھے لہجے میں کہا۔

عمر نے چونک کر اس کا جائزہ لیا۔

‘‘وجہ بھی بتادوں گا۔ اتنی جلدی کیا ہے’’۔

اس کا لہجہ ہنوز بے تاثر تھا۔

حجاب خاموشی سے کسی گہری سوچ میں گم ہوگئی۔ ایک نادیدہ خطرہ دونوں ہاتھ پھیلائے اس کی طرف بڑھ رہا تھا وہ بار بار کی کوشش کے باوجود بھی اس احساس کو جھٹکنے میں ناکام تھی۔

☆☆☆

بدھ کی صبح اسے نہائیت اہم اجلاس میں شرکت کے لیے کراچی جانا تھا۔ امید تھی کہ واپسی جمعرات کی رات ہو جائے گی۔

نئی حکومت پوری طرح فعال ہو چکی تھی۔ ہر شعبے میں نئے اصول و قانون اور پالیسیاں وضع کیں جارہی تھیں اس کے ساتھ ساتھ سیاسی انتقام بھی شروع ہو چکے تھے۔ ایسا ہی کچھ حال محکمہ تعلیم کا بھی تھا جہاں نئے سرے سے تعلیمی پالیسی مرتب کی جارہی تھی۔ یہ اجلاس بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ ایئر پورٹ پر اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ جیسا کہ اسے امید تھی کہ جمعرات تک وہ سب کام نبٹالے گا مگر ہوا کچھ یوں کہ نا چاہتے ہوئے بھی اس سے آیا نہ جاسکا۔ بہت جلدی جلدی مچاتے بھی وہ جمعہ کی صبح پی آئی اے کی دوسری پرواز سے لاہور آیا تھا۔

مصروفیات تھیں کہ شیطان کی آنت کی طرح طویل ہوتی جارہی تھیں۔ یہاں آتے ہی اسے پارٹی سیکرٹیریٹ جانا تھا جہاں ایگزیکٹیو کمیٹی کی ایک امپورٹنٹ میٹنگ تھی۔ بہت ہلکا سا ناشتہ کرنے کے بعد وہ تیار ہونے لگا۔ اسی اثناء میں اس کا سیل فون بجنے لگا۔ اس نے دیکھے بغیر کان سے لگالیا۔

‘‘السلام علیکم سر! عمر بات کر رہا ہوں’’۔

‘‘عمر کیسے زحمت کی؟’’ وہ چونکا۔

"آج دوپہر کا کھانا ہماری طرف کھائیے گا"۔

"اس وقت گیارہ بجے ہیں۔ میں دو بجے تک فارغ ہو جاؤں گا"۔

"تو ٹھیک ہے۔ ایڈریس معلوم ہے آپ کو؟"۔

"نہیں۔ آپ لکھوا دیں"۔

ایڈریس نوٹ کرنے کے بعد وہ کچھ پل سوچتا رہا پھر سر جھٹک کر بال بنانے لگا۔ اور ٹھیک دو بجے وہ سادہ شلوار سوٹ میں عام سی شیورلٹ کار میں اندرون لاہور میں نہایت انہماک سے گھر ڈھونڈ رہا تھا گاڑی وہ خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد سفید دروازے کے سامنے اس نے گاڑی روک دی۔ گلی اتنی ہی کشادہ تھی کہ اس کی کار کھڑی ہونے کے بعد ایک موٹر سائیکل سوار آسانی سے گزر سکے۔ اس نے کار کا ہارن بجایا۔

اگلے ہی پل سفید دروازے کا ایک پٹ کھلا اور عمر کی صورت نظر آئی وہ خلاف معمول آج شلوار سوٹ پہنے ہوئے تھا اور اس کے سر پر ٹوپی بھی نظر آ رہی تھی۔

وہ کار کا دروازہ کھول کر نکل آیا۔ رسمی کلمات کی ادائیگی کے بعد عمر نے اسے اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی۔ وہ دونوں قریبی مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے چلے آئے۔ واپسی پر وہ دونوں دوستوں کی طرح اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے آئے تھے اور اتنے مختصر سے عرصہ میں ہی عمر کو اندازہ ہو گیا کہ وہ بہ باطن نہایت سادہ اور اچھا انسان تھا۔ جیسے ہی وہ گھر داخل ہوئے۔ نمروز علی خان کی نگاہ نے بے تابی سے اطراف کا جائزہ لیا۔ مگر ناکام لوٹ آئی صحن خالی تھا۔ کچن سے کھٹر پٹر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ بڑے بابا اور بابا جان وہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔ نہ جانے اس کی آمد کے متعلق عمر نے انہیں کیا بتایا تھا کہ وہ ایک وزیر کو اپنے گھر دیکھ کر حیران نہیں تھے۔ سفیر کو سیاست سے زیادہ دلچسپی نہ تھی جبکہ تاثیر تو سیاست کے دیوانے تھے اور شومئی قسمت وہ ان کا پسندیدہ بھی تھا۔ وہ اس کے انقلابی خیالات سے بے حد متاثر تھے۔ موضوع گفتگو ایسا ملا کہ باتوں کا پتا ہی نہ چلا۔ چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد نمروز نے بڑے سکون سے اپنا مدعا بیان کیا۔ بابا جان ہونق سے اسے دیکھنے لگے۔

عمر نے ان کا ہاتھ دبا کر کچھ بھی بولنے سے روکا۔ جس پر وہ صرف ہنکارا بھر کر رہ گئے۔

"کھانا لگ جانا چاہیے۔ میں دیکھتا ہوں" عمر کہتے ہوئے باہر نکل آیا۔

"کھانا تیار ہے؟" اس نے کچن کے دروازے پر کھڑی سحاب کو دیکھا۔

"جی! سب تیار ہے"۔

وہ کچن میں چلا آیا جہاں حجاب سلاد بنا رہی تھی۔ عمر کو دیکھتے ہی اسے تپ چڑھ گئی۔ آج کچن کا سارا کام حجاب اور سحاب نے مل کر کیا تھا۔ وہ بھی عمر کی وجہ سے ورنہ حجاب تو ہر منٹ بعد رسیاں تڑانے لگتی۔

اگر عمر کا ڈر نہ ہوتا۔

"مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ ہمارے گھر ایسے کون سے "پرائم منسٹر" تشریف لے آئے ہیں جن کے اعزاز میں یہ سب ہو رہا ہے"۔ وہ جل کر بولی۔

"پرائم منسٹر سے کم نہیں ہیں وہ"۔ وہ ناقابل فہم سے لہجے میں بولا۔

"بھیا! بتائیں نا! کون آئے ہیں؟"

"ابھی پتا چل جائے گا"۔ وہ لاپرواہی سے بولا۔

"کھانا لاؤنج میں لگاؤ کارپٹ پر۔ ٹیبل سائیڈ پر کر دینا اور تم دونوں میرے کمرے میں اوپر چلی جاؤ"۔ وہ حکم دے کر امی جان کے پاس چلا گیا۔

حجاب گم صم سی بیٹھی تھی۔ عمر کے اقدامات اس کے لیے ناقابل فہم تھے۔

لاؤنج میں صرف ایک صوفہ سیٹ کے ساتھ ٹی وی پڑا تھا۔ ٹیبل سائیڈ پر کرنے کے بعد حجاب نے دسترخوان سجایا اور کھانا لگانا شروع کر دیا۔ کھانے میں مٹن اور چکن کی دو، دو ڈشیں تھیں اور میٹھے میں فروٹ سیلیڈ تھا۔ پانی رکھنے کے بعد سحاب نے بڑی امی اور امی جان کو ان کا کھانا کمرے میں ہی دے دیا اور خود اپنی اور سحاب کی پلیٹ تیار کرنے کے بعد وہ دونوں عمر کے کمرے میں چلی آئیں۔

"آپی! آپ کے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟"

وہ خود الجھی ہوئی تھی۔ اب مزید چڑ گئی۔

"اُوفو۔ مجھے کیا پتا؟"

"تو غصہ کیوں کر رہی ہیں" سحاب نے منہ پھلایا۔

"سحاب چندا! مجھے کیا پتا کون ہے؟ میں تو کچھ اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہوں کہ اتنی اہم ہستی کون ہو سکتی ہے جس کے لیے اتنا اہتمام کیا گیا ہے"۔ وہ عاجزی سے اسے منانے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد عمر کا کمپیوٹر کھول کر بیٹھ گئی۔

"آپی! وہ اپنی برتھ ڈے کی پکچرز نکالیں جو بھیا نے اپنے موبائل پر بنا کر کمپیوٹر میں Save کیں تھیں"۔

وہ سر ہلا کر پکچرز کا بوکس کھولنے لگی۔ سحاب کو تصویروں میں مگن چھوڑ کر وہ خود باہر آگئی۔ سیڑھیوں کی ریلنگ کے پاس کھڑے ہوکر نیچے جھانکا تو عمر کسی کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف جارہا تھا۔

یقیناً یہ وہی مہمان تھا۔ حجاب کو صرف اس کی پشت نظر آرہی تھی۔ اس نے غور سے دیکھا۔ ایک لمحے کو اسے شبہ ہوا کہ وہ نمروز علی خان ہے اوراس خیال نے اس کے اندر ہلچل مچادی۔ لیکن پھراس نے سر جھٹک کرخود کوسنبھالا''۔ وہ یہاں کیسے آسکتا ہے؟'' اس نے سوچا۔

رات کو بڑے بابا کے کمرے میں گول میز کانفرنس جاری تھی اور سحاب جلے پیر کی بلی کی مانند اندر باہر پھررہی تھی۔ حجاب سکون سے کمپیوٹر پر بیٹھی کوئی ضروری انفارمیشن کوسیو کررہی تھی۔

''آپی! آپ کوکوئی پریشانی نہیں کہ اندر کیا بات ہورہی ہے''۔

''آپی دیکھیں نا سب اندر ہیں آخر ایسی کیا بات ہے؟'' سحاب بے چین ہوکر اس کے پاس آئی۔

''تم اپنا ننھا سا دماغ مت تھکاؤ۔ جو بات ہوگی آخر کار پتا چل جائے گی''۔ حجاب نے کچھ لکھتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ اوراگلی صبح ایسا ہی ہوا۔ وہ ایگزام دے کرلوٹی تو گھر میں عجیب سی ہلچل اور گہما گہمی کا سماں تھا۔ منزہ اور مائرہ اپنی فیملیز کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ وہ ان سے ملنے کے لیے امی کے کمرے کی طرف جارہی تھی جب عمر نے اسے آواز دی۔

''حجاب!''

وہ چونکی۔ ''یہ گھر پہ ہے''۔

وہ پلٹی اور کچن میں آگئی۔ وہ شیلف سے کمر ٹکائے پانی کا گلاس تھامے ہوئے تھا۔

کچن میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

''ہوں''

''ایگزامز کب ختم ہورہے ہیں تمہارے؟''

''بدھ کو''۔

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا ناں کہ تمہارے ایگزامز تک تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا''۔ اس کا لہجہ متوازن تھا۔

''کس معاملے میں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''شادی کے لیے''۔

''تو؟'' وہ حیرانگی سے بولی۔

''میں نے اپنا وعدہ پورا کردیا''۔

''بدھ کوتمہارا آخری پیپر ہے۔ تو جمعہ کوتمہارا ''نکاح'' ہے نمروز علی خان کے ساتھ''۔ اس نے بہت پرسکون لہجے میں دھماکہ کیا۔

☆☆☆

کیسی ہولناک آتشزدگی ہوئی تھی اس کے وجود میں۔ اس کا تنفس چند لمحوں کے لیے سگنل پر رُکی ہوئی ٹریفک کی مانند ''جامد'' ہوگیا۔ وہ اپنے نسوانی وقار اور عزت نفس پر اس قدر خوفناک حملے کا تصور بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کا یہ مہربان شوخ وشریر سا بھائی اسے زندہ دفن کرنے والی خبر بھی سنا سکتا ہے اس کا تخیل کبھی یہاں تک نہ پہنچا تھا۔ وہ توسمجھی تھی کہ موضوع ختم ہوگیا مگر نہیں جانتی تھی کہ موضوع ہمیشہ کے لیے کھل گیا۔

وہ ساکت کھڑی عمر کو دیکھ رہی تھی جس کا چہرہ سکون کا منبع نظر آرہا تھا۔

وہ یکدم ہوش میں آئی تھی۔

''خدا کے لیے عمر! مجھے اپنے ہاتھوں سے ماردو مگر اتنی بڑی سزا مت دو'' وہ پھپک کررو دی۔ اندر باہر جھگڑے چل رہے تھے۔

''فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ افسوس تو بس مجھے اس بات کا ہے کہ تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا میں نے تو اپنے دل کی ہر بات تم سے کی تھی۔ بہت مان تھا مجھے تم پر۔ تم ایک بار مجھ سے بات کرلی مگر خیر......'' وہ رُکا۔

''میرا یقین کرو عمر! ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔

''بس اب ختم کرو اس موضوع کو۔ کیونکہ فیصلہ ہو چکا ہے۔'' وہ اب بھی پرسکون نظر آرہا تھا مگر اندر ایک طوفان اٹھا ہوا تھا۔'' آخر یہ مان کیوں نہیں لیتی کہ یہ اس سے......''۔

''میں نہیں مانتی کسی فیصلے کو'' وہ زخمی شیرنی کی مانند غرائی۔

''ماننا تو تمہیں پڑے گا کیونکہ......'' عمر کی بات ادھوری رہ گئی۔ مائرہ، حجاب کو ڈھونڈتی ہوئی وہیں آگئی تھی۔

''ارے بھئی حجاب کہاں ہوتم؟''

وہ تیزی سے سنک کی طرف مڑ گئی۔ نل کھول کر کتنے ہی چھپاکے جلتی آنکھوں پر دے مارے مگر بے سود!

وہ اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹتی اندر لے گئی۔

''بھئی دلہن صاحبہ کا حال تو پوچھیں''۔

اب سب کی توپوں کا رخ حجاب کی طرف ہو گیا پھر تو وہ ہنگامہ مچا کہ الاماں۔ سب ہی اس ارجنٹ قسم کی شادی پر حیران تھے مگر خوشی اتنی زیادہ تھی کہ حیرانی پر غالب آ گئی۔ سب منصوبے بنانے لگیں کہ شاپنگ کب اور کہاں سے کی جائے۔ دینا دلانا کیا ہو۔ اور اس سارے قصے کے دوران حجاب گم صم بیٹھی تھی۔

رات میں مائرہ اور منزہ کے جانے کے بعد وہ اوپر عمر کے کمرے میں آ گئی جو آج گھر میں ہی تھا۔ حجاب آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو وہ کمپیوٹر کے آگے جما نظر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی آگے آ گئی۔

''آؤ حجاب! بیٹھو'' اس نے کمپیوٹر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

''میں بیٹھنے نہیں آئی۔ مجھے اس ظالمانہ فیصلے کی وجہ بتاؤ؟'' وہ پھٹ پڑی۔ عمر کا دماغ ہل کر رہ گیا اس کا جی چاہا الٹے ہاتھ کا ایک بھرپور طمانچہ اس کے منہ پر مارے۔

''مت بناؤ مجھے بے وقوف'' وہ برس پڑا۔

''مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تمہارے دماغ میں یہ حناس کس نے بھرا ہے کہ میں انہیں...... پسند......'' اس نے بے تابی سے لب کچلے۔

''میں جانتا ہوں تم کبھی بھی قبول نہیں کرو گی کہ...... تم......؟'' اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

''عمر! مجھے تم سے اس ظلم کی توقع نہیں تھی مجھے انصاف چاہیے''۔ وہ وحشت زدہ سی ہو گئی۔

''انصاف ہی تو کر رہا ہوں''۔ وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''کہاں کا انصاف کر رہے ہو۔ تمہیں کچھ پتا نہیں ہے......''

''بس اب اور...... کچھ جاننے کی مجھے ضرورت نہیں۔''

''مجھے وہ بالکل پسند نہیں، میں تو ان کے ساتھ پانچ منٹ نہیں گزار سکتی ساری عمر گزارنا تو دور کی بات ہے۔'' وہ بلک اٹھی۔

عمر کے جسم کا سارا خون اس کے دماغ کو چڑھ گیا اگر حیا کا تقاضا نہ ہوتا تو پوچھ لیتا ''پانچ منٹ نہیں گزار سکتیں تو وہ انگوٹھی اور شرٹ کونسی تنہائیوں کی یادگاریں ہیں'' اس کی ضبط کی حد ٹوٹ گئی۔

''مت بولو اتنے جھوٹ۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ گھر میں سب خوش ہیں''۔

''تمہیں میرا یقین نہیں ہے۔ اتنا کچا اعتبار تھا تمہارا؟'' وہ تڑپ اٹھی۔

''دیکھو۔ مجھے مجبور مت کرو کہ میں اپنی سطح سے نیچے آ جاؤں'' اس کا لہجہ درشت ہو گیا۔

''میں یہ شادی نہیں کروں گی''۔ وہ سرکشی سے بولی۔

''تمہاری شادی صرف نمروز علی خان کے ساتھ ہو گی''۔ وہ قطعیت سے بولا۔

''میں عین وقت پر انکار کر دوں گی''۔ اس نے نیا داؤ کھیلا۔

اور عمر کا ضبط ہر بند توڑ گیا اس کا ہاتھ اٹھا اور الٹے ہاتھ کا بھرپور طمانچہ اس کے دائیں گال پر پوری قوت کے ساتھ پڑا۔

''یہ تو تم نے ثابت کر دیا کہ تم اخلاقی طور پر نہایت گری ہوئی اور پست لڑکی ہو جو رشتوں کی نزاکت سے بالکل بے بہرہ ہے۔ اب میری بھی سن لو اگر تم نے ایسا کچھ کرنے کی کوشش کی تو میں خود کو شوٹ کر لوں گا''۔ اس نے انتہائی پسندی کی حد کر دی تھی۔ حجاب کی روح میں قیامت سی مچ گئی اس نے دھندلی نظر سے عمر کو دیکھا۔

''نہیں ہے ضرورت مجھے تمہارا نام نہاد نسوانی وقار اور عزت نفس کی۔ میں تمہاری خوشی پوری کرنا چاہتا ہوں اور تم اپنے ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ بول چکی ہو''۔ اس نے خون آشام آنکھوں سے اسے گھورا۔

''اب دفع ہو جاؤ''۔ وہ رخ موڑ گیا حجاب گال پر ہاتھ رکھے دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

رات بھیگتی جا رہی تھی۔ نومبر کا اختتام تھا اور سرد ہوائیں چکراتی پھرتی تھیں۔ وہ آہستہ سے اٹھی اور باہر نکل آئی۔ صحن کی روشنی بند تھی شاید کسی کو بھی آن کرنا یاد نہیں رہی تھی وہ اتنے سرد موسم اور تاریکی میں ٹھنڈے فرش پر آ کر بیٹھ گئی۔ ستارے اپنا ایک تنہائی سفر طے کر چکے تھے۔ حجاب کو اندھیرے سے بہت ڈر لگتا تھا مگر اب وہ بڑے سکون سے گھپ اندھیرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھا اور اس پل کو جب رب اپنے بندے کے بہت قریب ہوتا ہے۔ دو آنسو سچے موتیوں کی طرح اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ وہ اپنے رب سے محو مناجات ہو گئی۔

''میرے اللہ! تو جانتا ہے سچ کیا ہے؟ تو علیم ہے تو خبیر ہے تو تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ میں کیا کروں؟ کس سے انصاف مانگوں؟ جن ہاتھوں نے قدم قدم چلنا سکھایا تھا آج وہ

ہی ہاتھ مجھے اندھے کنویں میں دھکیل رہے ہیں۔ میں کس کو بتاؤں؟ وہ شخص تو مجھے اپنی نگاہوں سے ''چھلنی'' کردے گا۔ میں کیسے سامنا کروں گی اس کا؟ مجھے حوصلہ دے میرے مولا۔ صبر عطا کر۔ بے شک تو سب سے اچھا مددگار ہے''۔ وہ ٹوٹ رہی تھی۔

اس کی روح بڑی خواب پرور تھی۔ اس کے خواب اس کا اثاثہ تھے وہ اپنے خوابوں کا نقصان کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اور اس کے خوابوں میں کہیں بھی ''نمروز علی خان'' کا ہیولہ نہیں تھا۔

''نہیں۔ کبھی نہیں عمر میں اتنی فراغ دل نہیں ہوں کہ تمہاری بدگمانی کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھوتہ کرلوں۔ میں اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرکے رہوں گی۔ اور ''نمروز علی خان'' مجھے سب سے زیادہ شک آپ پر ہی ہے۔ اور اگر اس سب میں آپ کا ہاتھ ہے تو پھر آپ نے حجاب تاثیر کو غلط سمجھا ہے۔ میں آپ کو بتاؤں گی حجاب تاثیر کس بلا کا نام ہے'' وہ وحشت سے سوچتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ نس نس میں زہر دوڑ رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن کا روشن سورج طلوع ہوا اور ہر سو اپنی کرنوں کا جال سا پھیلا گیا اس نے نیم گرم پانی سے ایک طویل باتھ لیا۔ ٹوٹ کر جڑنے کا عمل رونما ہو رہا تھا تڑختے ہوئے اعصاب پر قابو پانا کچھ ایسا آسان بھی نہ تھا۔ اس نے بالوں کو سلجھاتے ہوئے دل میں ایک نئی جنگ جیتنے کا عزم مصمم کیا اور باہر آگئی ڈٹ کر ناشتہ کیا اور یونیورسٹی کے لیے تیار ہونے لگی۔ حسب معمول عمر اسے چھوڑنے گیا تھا۔ گیٹ پر رُکتے ہوئے اس نے روٹین کے انداز میں سوال کیا تھا۔

''پیسے چاہیں؟''

''ایک منٹ'' حجاب نے کہتے ہوئے حسب عادت اپنا ہینڈ بیگ چیک کیا۔ پھر سر ہلایا۔

''ہاں''۔ وہ والٹ نکالنے لگا۔

تین سرخ نوٹ اس کے ہاتھ میں تھمائے اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ ایگزام کے دوران بھی اس کا دھیان موجودہ صورتحال کی طرف رہا۔ کل اس کا آخری پیپر تھا اور ہر بار کی خود کو دی گئی تسلی کہ ''ابھی دو دن ہیں، کچھ نہ کچھ ہو جائے گا'' کے باوجود اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ واپسی پر وہ حسب عادت سڑکوں پر غور کر رہی تھی جب عمر کی آواز کانوں پر ٹکرائی۔

''حجاب! آج امی جان کے ساتھ چلی جانا مارکیٹ۔ جو لینا ہوا اپنی پسند سے لے

لینا''۔ حجاب کا دل ایک لمحے کو تھم گیا۔

''اچھا'' اس کے اچھا، میں نہ ہاں تھی اور نہ ناں۔ وہ الجھ گیا۔

''گھر پہنچتے ہی سحاب اس کے پیچھے پڑ گئی کہ مارکیٹ چلیں۔ حجاب اس لے کر کمرے میں آگئی۔

''اس دن کمرے میں عمر کی امی اور ابو لوگوں سے کیا بات ہوئی تھی؟'' اس نے بلا تمہید کہا۔

''کچھ خاص نہیں۔ بھیا نے......؟'' سحاب کی بات ادھوری رہ گئی۔ عمر اندر داخل ہوا تھا۔

''آگے میں بتاتا ہوں تم جاؤ چائے بنا کر لاؤ اچھی سی''۔ عمر نے اسے صاف ٹہلایا۔

''ہاں تو کیا پوچھ رہی تھیں تم؟'' وہ سحاب کے جانے کے بعد اس کی طرف مڑا۔

''یہی نا کہ میں نے سب کو کیسے قائل کرلیا ہے۔ ایک طویل معرکہ لڑا ہے میں نے۔ یہ لوگ اتنے لبرل نہیں ہیں کہ میں انہیں تمہاری طوفانی محبت کی دردناک کہانی سناتا تو وہ تمہیں گلے لگاتے اور ہنسی خوشی شادی کی تاریخ رکھ دیتے۔ بہت وقت لگا سب کو یہ سمجھانے میں کہ وہ ہی تمہارے لیے ''بیسٹ چوائس'' ہے۔ وہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

وہ بھی خاموشی سے پاؤں کے انگوٹھے کی مدد سے زمین کریدتی رہی۔ اسے لگا تھا وہ کوئی اقدام کرلے گی مگر پلک جھپکتے ہی دو دن گزر رے اسے ایک فون تک کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ فون کرتی بھی کیسے؟ جب سے عمر کے ہاتھوں اس کے سیل فون کباڑہ ہوا تھا اس نے نیا سیل نہیں لیا تھا اسے تو یہ بھی پتا نہیں تھا کہ اس کا سم کارڈ کدھر گیا۔

جمعہ کا دن بڑا خوبصورت اور روشن طلوع ہوا۔ اس نے نس نس میں ایک اذیت اترتی محسوس کی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ اسے بہر طور تقدیر کے اس رخ کو تسلیم کرنا ہوگا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی اس چہل پہل کو دیکھتی رہی جو گھر بھر میں برپا تھی۔ دوپہر کے بعد آپی منزہ اسے اپنے ساتھ پارلر لے گئیں وہ جیسے کسی مجسمے کی صورت اختیار کرگئی تھی۔ بے حس و حرکت۔

مختلف اقسام کے ماسکس اور فیشلو کے بعد پیڈی کیور اور مینی کیور کی باری آئی۔ تین چار گھنٹوں کی مسلسل محنت رنگ لائی تھی وہ دمک اٹھی تھی۔ منزہ نے گھر فون کردیا تھا کہ عمر کو لہنگا اور دوسرے لوازمات کے ساتھ بھیج دیں کچھ دیر بعد عمر آگیا۔

''آپی! مجھے عمر سے ملنا ہے۔ ابھی آپ مجھے مل لینے دیں بعد میں تو کوئی مجھے رونے بھی نہیں دے گا''۔ وہ خود پہ ضبط کے بند باندھتی ہارنے لگی تھی۔ منزہ نے بے اختیار اس کو خود سے لگا لیا۔

''تمہارے جیسی قسمت کس کی ہے پاگل۔ خوشی کا موقع ہے روتے نہیں ہیں۔ بھیجتی ہوں اسے''۔ وہ جاتے ہوئے بیوٹیشن کو بھی ساتھ لے گئیں۔ کچھ دیر بعد عمر اندر آ گیا۔

وہ یک ٹک چند پل اسے دیکھتی رہی پھر دوڑ کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ اور بے اختیار رونے لگی۔

''عمر! میرے بھیا میرے چاند مجھے معاف کردو۔ بہت بری ہوں میں، بہت بُرا کیا میں نے مجھے معاف کردو مجھ سے ناراض مت ہونا۔ ورنہ جی نہیں پاؤں گی میں'' وہ رو رو کر پاگل ہو رہی تھی۔

عمر کا دل لمحوں میں اس کی طرف سے صاف ہو گیا تھا۔ وہ آنسو ضبط کرتا اس کی پشت تھپتھپاتا رہا وہ پاگلوں کی طرح روئے چلی جا رہی تھی۔ ناچار اسے زبردستی خود سے الگ کرنا پڑا تھا۔ اس کے آنسو صاف کئے اور سر چوما۔

''مجھے تجھ سے اور زیادہ محبت ہوتی جا رہی ہے۔ حجاب''۔ اس کے آنسو خفی تھے۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں حجاب! میری دعا ہے اللہ تمہیں خوشیاں دے، بہت زیادہ''۔

''تمہاری خاطر ہی تو یہ سزا قبول کر رہی ہوں'' اس بار آنسو دل پر گرے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ چلا گیا۔ بیوٹیشن نے آتے ہی برق رفتاری سے کام شروع کر دیا تھا وہ حیرانی سے اپنے سامنے پھیلے خوبصورت لہنگا سیٹ کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ کہاں سے آیا ہے'' وہ رہ نہ سکی۔

''تمہارے سسرال سے آیا ہے۔ تمہارے ''اُن'' کی فرمائش ہے کہ تمہیں یہ لباس فاخرہ پہنایا جائے''۔ وہ مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھیں حجاب نے خالی خالی نظروں سے بلڈ ریڈ لہنگا سیٹ کو دیکھا جس پر زرقون اور گولڈ کا بہت شاندار کام تھا اور جس کی چمک دمک اور دیدہ زیبی آنکھوں کو کُھب رہی تھی۔

جس وقت وہ گھر پہنچی مغرب کی اذان ہو چکی تھی۔ فیملی اور محلے سے مختصر افراد کو مدعو کیا گیا تھا اور نمروز علی خان کے ساتھ بھی بس آٹھ دس افراد تھے۔ کھانا سرو کرنے سے پہلے نکاح ہو گیا تھا۔ حجاب نے بہت ذلت اور توہین محسوس کی تھی نکاح نامے پر سائن کرتے وقت اس لمحے اس کا جی چاہا تھا ایک پل کو، وہ صاف انکار کر دے پھر دھیان میں عمر کی دھمکی آئی تو دل چاہا کہ دھاڑیں مار مار کر روئے۔ کسی قسم کی کوئی رسومات نہیں کی گئی تھیں۔ رخصت ہوتے سمے اس نے اپنے صبر اور ضبط کو آزمایا تھا۔ اور ایک آنسو نہیں بہایا تھا اسے یاد نہیں تھا کہ کس نے اس کو گاڑی میں بٹھایا تھا کس نے چادر ٹھیک کی تھی۔ مگر اس لمحے اسے پوری طرح ہوش آ گیا تھا جب خوشبوؤں میں بسا نمروز علی خان اس کے برابر آ کر براجمان ہوا تھا۔ حجاب کا جھکا ہوا سر کچھ مزید جھک گیا تھا۔

☆☆☆

گاڑیاں بڑی تیزی سے ''نمروز مینشن'' کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ گاڑی رکنے پر اس نے سیاہ ماربل سے مزین عمارت کو دیکھا جس پر ''نمروز مینشن'' پوری شان سے لکھا ہوا تھا۔ کتنی ملازماؤں نے اسے بڑھ کر سنبھالا تھا کس نے اس کا لہنگا تھاما وہ لاعلم تھی۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے اس کی نظر اس صوفے پر پڑی جہاں بیٹھ کر اس نے بڑی رعونت اور نفرت سے کہا تھا۔

''آپ کے اور میرے بیچ صدیوں کا فاصلہ ہے''۔

''مجھے آپ کے اس سیٹ اپ کا حصہ بننے کا کوئی شوق نہیں''۔

''ہمارے درمیان کوئی آئندہ تو نہیں ہے نا مسٹر خان......؟''

اور اس وقت وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی پیشانی پر ''نمروز علی خان'' کا نام کتنے جلی حروف میں درج تھا۔

اس نے شاہانہ انداز میں سجے ہوئے بیڈ روم پر ایک بے تاثر نگاہ دوڑائی اور سر کراؤن سے ٹکا دیا۔

''تو بالآخر فتح آپ کی ہوئی نمروز علی خان! ہرا دیا آپ نے مجھے۔ ختم ہو گیا میرا غرور، خاک ہوئی میری اَنا''۔ اس نے شکستگی سے سوچا۔

بڑے سکون سے دوازہ کھول وہ اندر داخل ہوا۔ پھر آہستہ سے پلٹا، دروازہ بند کیا۔ سادہ سیاہ رنگ کے شلوار سوٹ میں وہ اس کے مقابل آن بیٹھا۔ اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت۔ وہ کسی طرح بھی نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں تھا۔ حجاب سے نظریں نہیں اٹھائی گئیں۔ پور پور سجی وہ اس کے سامنے تھی۔

وہ اسے دیکھتا جا رہا تھا یک ٹک، ساکت و سامت بیٹھا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں میں حجاب کا چہرہ تھام لیا۔ ناگواری کے شدید ترین احساس نے حجاب کے اندر ڈیرا آن جمایا۔ اُس کا جی چاہا وہ وہاں سے غائب ہو جائے۔

من تو شدم، تو من شُدی
من تن شُدم، تو جاں شُدی

تا کس کہ نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم، تو دیگری

وہ اس کے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔ وہ پرت در پرت اسے کھولتا اور اس پر کھلتا چلا گیا۔ رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی وہ عشق کی انتہا پر تھا اس نے کاملیت کی اس حد کو چھولیا تھا جو اس کے نزدیک عشق کی انتہا تھی۔ ایک خوشبودار سفر تھا۔ ایک خوشبودار رات تھی۔ وہ ریشم کی بھول بھلیوں میں گم ہوتا چلا گیا۔

جنون جان لینے والا تھا اور دیوانگی پاگل کر دینے والی تھی وہ محبت نہیں کر رہا تھا وہ تو عبادت کر رہا تھا۔ اس کی شدتیں اپنے کمال کی چھو چکیں تھیں اس نے خوشبودار ریشم سے وجود کو سینے میں سمولیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''اب اس دنیا میں پانے کو اور کیا ہے؟''
کیا اس سے بڑھ کر بھی کچھ ہے؟''

☆☆☆

کمرے میں بہت سحر انگیز نیلگون اجالا تھا۔ حجاب کی آنکھ کھلی تھی اور سیدھی نمروز سے جا ٹکرائی۔ وہ اسے بازوؤں کے حلقے میں لیے مکمل طور پر غافل تھا۔ اس نے الگ ہونا چاہا مگر اُدھر گرفت مضبوط تھی۔ اس نے تھک کر سر اس کے بازو پر رکھ دیا۔ اس کی مہک اس کے وجود پر حاوی ہو گئی۔ یکلخت گزری رات کے مناظر کی ریل سی چلنے لگی۔ اس کے ذہن میں نمروز کی آواز کے سائے دوڑنے لگے۔

''عشق آخر کار بے حجابی کا تمنائی ہوتا ہے میری زندگی! کاش میں تمہیں بتا سکوں کہ تم مجھے کتنی عزیز ہو۔ خدا کی قسم! اگر تمہیں حاصل نہ کرتا تو مر جاتا''۔

''کبھی غرور نہیں کیا میں نے۔ نہ حسب و نسب پر نہ مال و منال پر نہ چہرے پر نہ رتبے پر۔ مگر آج دل چاہ رہا ہے ساری کائنات کو چیخ چیخ کر بتاؤں کہ ہاں یہ حجاب تاثیر میری ہے یہ جو بڑی منفرد سی ہے۔ جو بڑا تیکھا بولتی ہے۔ صرف میری ہے۔ اس کے وجود پر میری نام کی مہر لگ گئی۔ اب یہ صرف میری ہے۔ میری جان! ہرانا نہیں چاہتا تجھے جیتنا چاہتا ہوں......''۔

تجھے روز دیکھوں قریب سے
میرے شوق بھی ہیں عجیب سے
میں نے مانگا ہے تجھی کو بس

اپنے رب اور اس کے حبیبؐ سے
میں بہت خوش ہوں یوں جوڑ کر
تیرا نصیب اپنے نصیب سے

حجاب نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک نا قابل برداشت تھی۔ اس کی مسکراہٹ ایک پل کے لیے اس کے لبوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔

شدت اور اتنی بے تابی
محبت اور اتنی وارفتگی
اتنی بے خودی اور اتنی احتیاط

اس نے حجاب کو یوں سنبھالا تھا گویا وہ نازک کانچ کی گڑیا ہو۔ حجاب کو اب حیرت ہو رہی تھی کہ اس کی اتنی شدید دیوانگی اور والہانہ چاہت پر اس کے اعصاب کیسے قائم تھے۔ اسے اپنے سخت جان ہونے پر حیرت ہوئی کچھ دیر بعد وہ دوبارہ نیند میں جا چکی تھی۔

☆☆☆

نمروز کی آنکھ کھلی تو کمرے میں تیز روشنیاں تھیں اور شاید اس کی آنکھ بھی ان کی وجہ سے ہی کھلی تھی کیونکہ اسے اندھیرے میں سونے کی عادت تھی۔ اس نے اردگرد نظریں دوڑائیں۔ حجاب اسے آئینے کے سامنے بیٹھی بال بناتی نظر آگئی۔ اس نے آہستگی سے بستر چھوڑ دیا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

''لیں''۔

صدف اندر آگئی۔

''خان! بی بی صاحبہ کے گھر سے ان کے بھائی اور بہن تشریف لائے ہیں ناشتہ لے کر''۔ اس نے نظریں جھکا کر ادب سے کہا۔

''ناشتہ لے کر......؟'' اس کے ماتھے پر شکن آگئی۔ ''یہ رسم ہے''۔ صدف آہستگی سے بولی۔

''اچھا آ رہے ہیں ہم''۔ وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

صدف آگے بڑھ آئی۔ ''سلام بی بی! شادی مبارک ہو''۔ اس نے خلوص سے دعا دی حجاب نے ایک نگاہ غلط اس پر ڈالی اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔ اسے لمحے کو صدف کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ اس طرح تو کبھی خان نے بھی اس کے ساتھ برتاؤ نہ کیا تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکا کر باہر نکل گئی۔

کچھ دیر بعد وہ کریم کلر کے کرتا شلوار میں سر تولیے سے رگڑتا باہر آیا تھا۔ تولیہ ایک طرف پھینکا اور آئینے کے آگے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا۔ حجاب آئینے کے سامنے بیٹھی اب نیل پالش ریمو کر رہی تھی وہ ہیر برش رکھنے کے لیے جھکا اور اسے دونوں شانوں سے تھام لیا۔

''صبح بخیر زندگی''۔ بہت دھیرے سے مسکرا کر کہا تھا۔

حجاب سے نظریں نہیں اٹھائی گئیں حیا سے وہ سرخ پڑ گئی۔ وہ دلکشی سے ہنسا۔

''یہ تم ہو حجاب! مجھے یقین نہیں آتا۔ کوئی مزاحمت نہیں کوئی غصہ نہیں۔ اتنی فرمانبرداری؟ کچھ تو بولو یار!'' اس نے حجاب کو جھنجھوڑ ڈالا۔

اسی وقت دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ وہ دونوں چونک گئے۔

''چلو''۔ وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولے۔

حجاب بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آنچل سر پر ڈالا اور اس کی معیت میں چل پڑی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اسے حیرت کا خوشگوار جھٹکا لگا۔ سحاب، عمر، مائرہ آپی اور مدثر بھائی موجود تھے۔ وہ مائرہ آپی کے گلے لگ گئی۔

''کیسی ہو میری بنو؟'' آپی نے شرارت سے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں''۔ وہ ان سے الگ ہو کر سحاب سے ملنے لگی۔

پھر مدثر بھائی کی طرف مڑی۔ انہوں نے سر پر پیار دیا تھا۔ ''ٹھیک ہو؟''

''جی بھائی'' وہ کہہ کر عمر کی طرف مڑی۔ عمر نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بھنوؤں کو جنبش دی۔ وہ بے ساختہ اس سے لپٹ گئی۔ نمروز کو جھٹکا لگا تھا۔

''خوش ہو؟'' عمر نے پوچھا۔

''ہوں'' اس نے نگاہ جھکالی۔

کچھ دیر بعد وہ سب ڈائننگ ہال میں ناشتے کی میز کے گرد جمع تھے۔ وہ سب آپس میں محوِ گفتگو تھے اور حجاب سر جھکائے پلیٹ میں چمچ چلاتی رہی۔ کچھ دیر بعد مائرہ آپی اسے اٹھا کر اس کے کمرے میں لے آئی۔

''حجاب! اِدھر دیکھو!''

''جی آپی'' اس نے نظر اُٹھائی۔

''خوش ہو؟''

''جی''۔

''اُسے حیرت ہوئی'' کیا انہیں میرے وجود پر نمروز علی خان کی مہر نظر نہیں آ رہی۔''

پھر بات بدل دی۔

''گھر میں سب کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ٹھاک ہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ ذرا دھیان سے۔ کیا چیز ہے تمہارا شوہر اتنا ٹک ٹک سے درست جیسے آرڈر پر تیار کروایا گیا ہے خیال رکھنا''۔ اسے ہنسی آ گئی۔

''کہیں نہیں جانے والے وہ''۔

''اچھا رونمائی میں کیا ملا ہے؟'' انہوں نے تجسس سے پوچھا۔

''رہنے دیں کیا کریں گی دیکھ کر''۔ اُس نے ٹالا۔

''ارے۔ اتنا امیر تمہارا شوہر ہے اور تم......؟'' ان کی بات ادھوری رہ گئی۔ دروازہ کھول کر وہ سب اندر چلے آئے۔

کچھ دیر مزید خوشگوار موڈ میں باتیں کرنے کے بعد وہ جانے کے لیے اٹھ گئے۔ نمروز انہیں چھوڑ کر آیا تو وہ بیڈ پر نیم دراز جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ وہ اس کے نزدیک بیٹھا تو وہ چونکی۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کا مہندی کے نقش ونگار سے بھرا ہاتھ تھام لیا۔ اسے کرنٹ لگا اس نے فوراً ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچا۔

وہ محظوظ ہوا۔

''تمہارا یہ اسپورٹس مین والا اِسپرٹ، یہ مسلسل لڑنا، ہار نہ ماننا بہت اچھا لگتا ہے حجاب! تمہیں تو آرمی میں ہونا چاہیے''۔ اس نے دانستہ چھیڑا۔

''امریکی کہاوت ہے۔

"Then you have cake you wanted cherries too".

''پہلے مجھے صرف حجاب چاہیے تھی اب اس کی توجہ بھی چاہیے''۔

وہ اسے مزید چڑا رہا تھا۔

وہ تیزی سے بیڈ سے اتری مگر اس نے بازو تھام کر وہیں روک لیا۔

''ابھی تو میں تمہیں ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں۔ بیٹھو ادھر''۔ اس کے لہجے میں تحکم در آیا۔

وہ بے تابی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ تھوڑی خمکائی بھنور ایک دم سے نمایاں ہو گیا تھا۔ نمروز نے بے اختیار جھک کر اسے چُوما۔ وہ پلکیں جھپک کر آنسو روکنے لگی۔ اور اس لمحے نمروز کو اس پر بے انتہا پیار آیا تھا۔ اس نے حجاب کو بازوؤں میں بھینچ کر خود میں جذب کرلیا۔ حجاب کی

سانس رُکنے لگی۔

''دو گھنٹوں بعد مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ دو دن سے پہلے واپس نہیں آسکوں گا۔ تم تیار ہو جاؤ میں تمہیں اُدھر چھوڑتا جاؤں گا''۔ نمروز نے اُس کی مزاحمت پر آہستگی سے اُسے چھوڑ دیا۔

اور اس کو بتا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد وہ ڈریسنگ روم سے باہر آیا تو حجاب بھی لباس بدل چکی تھی۔ اس کے پسندیدہ پنک لباس میں وہ جھک کر سینڈل پہننے لگی تھی۔ نمروز کا دل پوری شدت سے اس کی طرف کھینچا تھا وہ بے اختیار آگے بڑھ آیا۔

''ایک منٹ'' وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ ہاتھ بڑھا کر سینڈل اس کے ہاتھ سے لی اور اس کو خود پہنا دی پھر اسٹریپ بند کرنے لگا۔ حجاب حیرت سے آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنا اعلیٰ نسب، بلند رتبہ شخص، اونچا پورا خوش بخت اور اتنا بلند، یوں جھکا ہوا، اسے عجیب سے احساسات کا شکار کر گیا۔

ہم تو فلک کے لوگ تھے، ساکنانِ قریۂ مہتاب تھے
تمہارے ہاتھ کیسے آگئے ہم تو بڑے نایاب تھے

وہ بڑے دلکش لب و لہجے سے شعر پڑھتا اس کے نزدیک ٹک گیا۔ وہ جو ساکت بیٹھی تھی چونک کر سیدھی ہوئی۔

''اتنی خاموش کیوں ہو حجاب؟'' وہ مضطرب ہوا۔ حجاب نے آگ اگلتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں آپ سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں کرنا چاہتی مگر اتنا بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ آپ ہرگز میرا انتخاب نہیں ہیں اور نہ میرے گھر والوں کا میرے لیے۔ یہ سارا عمل سراسر آپ کی ہٹ دھرمی اور بے جا مداخلت کا نتیجہ ہے۔ مجھ سے کوئی توقع مت رکھیے گا''۔ وہ سرد لہجے میں بولتی اٹھ گئی۔

نمروز کو قطعی حیرانی نہیں ہوئی وہ اس سے ایسے ہی رویے کی توقع کر رہا تھا اسے پتا تھا یہ خاموشی بے وجہ نہیں وہ بولے گی نہیں پھٹے گی۔ اس کے دلکش لبوں سے لعنت و ملامت کے انگارے برسیں گے۔ مگر وہ جانتا تھا وہ پھر بھی خسارے میں نہیں رہے گا۔ وہ بالآخر اس کی ہو گئی تھی۔

''تم میرے نکاح میں اپنی مرضی سے آئی ہو۔ میں ہر الزام سے بری ہوں''۔ وہ تلخی سے بولا۔

حجاب کے اندر زہر سا پھیلنے لگا۔

''چہ...... خوب! ایک چوری اور سینہ زوری''۔ وہ بھی تلخ ہوئی۔

''میں بہت سے افراد کی موجودگی میں لایا ہوں تمہیں اس گھر میں۔ یعنی کہ باضابطہ طور پر''۔

اتنا شقی؟

اتنا بے حس؟

حجاب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''میرے خواب بہت قیمتی تھے۔ برباد کر دیا آپ نے مجھے''۔

''کیوں؟ مجھ میں کیا کمی ہے؟'' وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''انسانیت نہیں ہے آپ میں''۔ اس نے آنسو ضبط کیے۔

''بند کرو یہ الزام تراشی۔ تم اول و آخر میری ہو اور تمہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا''۔ وہ سرد مہری سے بولا۔

''میں اس حقیقت کو تسلیم کر چکی ہوں''۔ وہ آنکھیں پونچھتی اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

نمروز کا جی مکدر ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ پورچ میں آگئے۔ اس نے لینڈ کروزر کا دروازہ کھولا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔ دروازہ ایک دھماکے سے بند کرنے کے بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ ٹائروں کی چرچراہٹ فضا میں گونجی اور لینڈ کروزر گولی کی رفتار سے گیٹ سے نکلی تھی۔ سارے راستے ان کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی مگر جب وہ گھر کے نزدیک پہنچے تو اس نے گاڑی کی رفتار دھیمی کی۔

''اپنا دماغ سیٹ کر لینا۔ دو دن بعد آؤں گا تمہیں لینے۔ ابھی اندر نہیں آسکتا وقت نہیں ہے میرے پاس''۔ وہ بہت سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

وہ خاموشی سے ونڈ شیلڈ کے پار دیکھتی رہی۔

گاڑی روکی چند پل اسے دیکھتا رہا پھر اس کے شانوں کے گرد بازو دراز کر کے اسے خود سے قریب کیا، پیشانی کو چوما اور ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔

وہ شال کو مضبوطی سے لپیٹتی اتر گئی۔ مڑ کر نہیں دیکھا۔ گاڑی اس کے پیچھے تیزی سے اسٹارٹ ہوئی اور بیک ہوتی ہوئی مڑ گئی تھی۔ گھر پہنچتے ہی وہ سر تا پا بدل گئی۔ وہی ہنستی مسکراتی، خوش باش سی حجاب۔ گھر میں ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ وہ دو دن اس نے بڑے بھرپور گزارے تھے اور

اسے ایک پل کے لیے وہ یاد نہ آتا اگر کوئی اس کا ذکر نہ چھیڑ دیتا۔ اس نے امی جان اور بڑی امی کے ڈھیروں ڈھیر سوالوں کو بڑی خوشدلی سے سنا تھا اور انہیں اطمینان بخش جواب بھی دیئے تھے۔ عمر کے ساتھ اس کی نشست جم ہی نہ سکی تھی اور سچ تو یہ تھا کہ وہ خود میں ہمت بھی نہیں پاتی تھی۔

دوسرے دن دوپہر کے وقت وہ گہری نیند میں تھی اگرچہ دسمبر شروع ہو چکا تھا اور دن بہت چھوٹے تھے مگر وہ پھر بھی سو رہی تھی جب سحاب نے آ کر اسے بری طرح جھنجوڑا۔

''حجاب آپی اٹھ جائیں۔ بھائی جان آ گئے ہیں۔

''اوں۔ ہوں۔ سونے دو''۔ وہ لحاف میں منہ دے کر پھر غافل ہونے کو تھی۔

سحاب نے جھلا کر لحاف کھینچا۔ اسی دم نمروز نے اندر قدم رکھا۔ وہ چلائی تھی۔

''سحاب! دفع ہو جاؤ سونے دو مجھے''۔ اس نے لحاف واپس کھینچ لیا۔ سحاب بے تحاشا شرمندہ ہوئی۔

''اصل میں آپی کی نیند بہت گہری ہے کوئی انہیں سوتے سے اٹھائے تو......'' وہ خجالت مٹانے کو بولی تھی۔ نمروز نے اسے ٹوک دیا۔

''اٹس او کے گڑیا۔ آپ جاؤ ہم خود آپ کی آپی کو دیکھ لیتے ہیں''۔ وہ ملائمت سے بولا۔ وہ شکر مناتی بھاگ گئی۔ دوسری طرف غالباً حجاب بھی اس کی آواز سن چکی تھی اس لیے لحاف ہٹاتی اٹھ بیٹھی۔

وہ اس کے نزدیک بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''آپ کب آئے؟'' بال سمیٹتے ہوئے اس نے سوئے سوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''کچھ دیر پہلے''۔ وہ اس پر نظر جماتے ہوئے بولا۔ اور اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

حجاب نے آنکھیں مسلتے ہوئے ایک طویل جمائی لی اور ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکا دیں۔

''میں منہ دھو کر آتی ہوں''۔ وہ ہاتھ چھڑواتی اُٹھ گئی۔

جب وہ واپس آئی سحاب چائے رکھ کر جا چکی تھی۔

نمروز اب بڑے اطمینان سے اس کی جگہ نیم دراز تھا۔ حجاب ایک طرف پڑی کرسی پر بیٹھ گئی اور چائے کا مگ اٹھایا۔ نمروز نے اس دانستہ رکھے جانے فاصلے کو نوٹ کیا تھا۔

''کیا سوچا ہے تم نے؟''

حجاب نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

''کس بارے میں؟''

''اپنی زندگی کے بارے میں''۔ وہ براہِ راست اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''اب کیا سوچنا؟''

''کیا مطلب؟'' اس نے بھنویں سکیڑ کر کہا۔

''اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے کے سارے اختیارات تو میں آپ کو دے چکی ہوں''۔

اس نے بڑے سکون سے کہا۔

نمروز علی خان کے دل میں ٹھنڈ سی پڑ گئی۔ وہ بے اختیار مسکرا دیا۔ یہ آج کے دن کی پہلی مسکراہٹ تھی۔

''شکریہ میری زندگی'' ......وہ والہانہ انداز میں بولا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

کھانا بے حد خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ نمروز کو وی آئی پی ٹریٹمنٹ ملا تھا جس پر وہ بے حد حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی تھا۔ اس نے ایک گھر اور اس سے منسلک رشتوں کی اہمیت کو شدت سے محسوس کیا تھا خود وہ اکلوتا ہونے کے بنا ہمیشہ گھر سے دور ہاسٹلز میں رہا پھر نیویارک چلا گیا۔ بنیادی طور پر وہ سرد مزاج اور تنہائی پسند تھا جس نے رشتوں کے خوبصورت احساس کو نہیں برتا تھا۔

واپسی کا سفر بے حد خوبصورت تھا۔ حجاب شاکنگ پنک کا مدار سوٹ میں ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی یا شائد یہ اس کی نظروں کا کمال تھا۔ ؎

تیرا ہاتھ، ہاتھ میں آ گیا کہ چراغ راہ میں جل گئے
مجھے سہل ہو گئیں منزلیں کہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے

آنکھوں میں ڈھیروں چمک لیے مسکراتے ہوئے اس نے شعر پڑھا تھا۔ حجاب سے نظریں نہیں اٹھائی گئیں۔

اگلے روز ولیمہ کی تقریب تھی۔ ایک شاندار فنکشن تھا ایک جہانِ رنگ و بو تھا۔ حجاب نے سفید رنگ کا عالیشان لباس زیب تن کیا تھا جس کے ساتھ سفید ہیروں کا سیٹ تھا۔ نمروز نے سیاہ ڈنر سوٹ پہنا تھا۔ ان کی جوڑی بے حد مکمل اور شاندار تھی ہر آنکھ میں ان کے لیے ستائش تھی ہر نظر میں ان کے لیے سراحت تھی۔ ایک شاندار جشن تھا جس میں بڑے بڑے نام تھے، بڑے بڑے لوگ تھے۔ وہ بھی کوئی بیوروکریٹ تھا جس سے نمروز نے مسکرا کر اس کا تعارف کروایا تھا۔

''مائے وائف! حجاب علی خان''۔

وہ بس تقدیر کے اس موڑ پر حیران تھی یا شاید ششدر، کل تک وہ صرف "حجاب تاثیر" تھی جس کی شناخت ایک صحافی اور کالم نگار کی حیثیت سے تھی۔ اور آج وہ ایک سیاستدان کی بیوی تھی۔ میڈیا نے ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ ہر چینل اور اخبار کے نمائندے اس بریکنگ اور شاکنگ نیوز کی اطلاع سب سے پہلے نشر کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت بھی وہ صحافیوں اور چینل اینکرز کے ہجوم میں گھرے کھڑے تھے جب منزہ وہاں آئی۔

"آپ نے عملی طور پر ثابت کر دیا سر جی کہ آپ کو اخبار والے ہم سے زیادہ پیارے ہیں"۔ اس نے آہ بھر کر اظہارِ افسوس کیا۔ دبے دبے قہقہے ابھرے۔

"کیا آپ بھی امیدواروں میں شامل تھیں؟" کسی مَن چلے نے اُلٹا سوال داغ دیا۔

ایک بار پھر قہقہے ابھرے۔

"اب کیا فائدہ......؟" منزہ نے مایوسی کی اداکاری کی۔

اسی وقت ثناء آگے آئی تھی۔ حجاب اس دیکھ کر بے ساختہ آگے بڑھی مگر کمر کے گرد حمائل نمروز کا بازو اس کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔

"کیسی ہو حجاب؟" وہ شاید اس کے گلے ملنا چاہتی تھی مگر نمروز کو اس کے اتنے قریب دیکھ کر خود بخود پیچھے ہٹ گئی۔

"فائن۔ تم کیسی ہو؟" حجاب مسکرائی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ تم نے بتایا نہیں۔

یوں اچانک اتنا بڑا سرپرائز......" وہ چپ ہو گئی چہرہ جوش و خوشی سے گلنار ہو رہا تھا۔

"سرپرائز اسی طرح کے ہوتے مس ثناء"۔

وہ بولا۔ تو وہ کچھ جھجک کر منظر سے ہٹ گئی۔

وہ دونوں بھی آگے بڑھ گئے۔ وہ اسے مختلف لوگوں سے ملواتا رہا۔ فلم نگری سے وابستہ، حکومتی ارکان، بڑے بلند مرتبہ لوگ اس سے مل رہے تھے اسے سراہ رہے تھے۔

"واٹ آ بیوٹی فل کپل"۔ رانا شوکت سلطان نے مسکرا کر کہا تھا۔

"واٹ آ پرفیکٹ میچ"۔ کسی دوسرے نے سراہا تھا۔ وہ بس خالی خالی نظروں سے اردگرد وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھ رہی تھی۔ سب کچھ یکدم بدل گیا تھا۔ مڈل کلاس حجاب تاثیر آج حجاب علی خان تھی۔ اس کی شناخت بدل گئی تھی۔

اس کا نام، اس کی پہچان بدل گئی تھی۔

تقدیر نے ایک ہی وار سے اس کے کس بل نکال دیئے تھے کیونکہ جو جھکنا نہیں جانتے وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ وہ وقت کی اس کرشمہ سازی پر حیران تھی۔

وہ اسے لیے ہوئے ڈانس فلور پر آ گیا۔

اسے ان رسموں کو برتنا نہیں آتا تھا وہ اس ماحول کا حصہ نہیں تھی اور نہ ہی ان کی عادی۔ مگر پھر بھی وہ اس شخص کے قریب تھی جس کے قریب ہونے کی خواہش اس کے دل نے کبھی نہیں کی تھی۔ اس کے گرد نمروز علی خان کے بازوؤں کا گھیرا تنگ تھا۔ اس کا سر اس کے شانے پر تھا۔ وہ شہزادوں کی سی آن بان رکھنے والا شخص اس کے قریب تھا۔ جانے کتنی نگاہوں میں حسد اور رشک اُمڈا تھا۔ پھر اس نے عمر کو دیکھا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے بڑے بے تاثر انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

حجاب کے اندر اندھیرے پھیلنے لگے۔ وہ جیسے کسی برزخ میں اُترنے لگی۔ وہ خاموش تھا مگر اس کی خاموشی پکارتی تھی۔

"ہاں حجاب تاثیر! اسی کی خواہش تو کی تھی تم نے۔ یہ نام، یہ شہرت، یہ مقام، یہ مرتبہ، یہی تو چاہا تھا تم نے"۔ اور حجاب کو احساس بھی نہ ہوا اس نے اپنا سر اس فراخ سینے پر ٹکا دیا اور کتنے خاموش آنسو اس کے کشادہ سینے میں جذب ہو گئے۔

اک نام تمہارا لے کر ہم جیتے ہیں مرتے ہیں
یہ عشق نبھا دینا تم گزارش یہ کرتے ہیں
جان من .... جان من
تم خوش ہو تو ہم بھی یوں خوش رہتے ہیں
تم روٹھو تو ہم خود سے روٹھے رہتے ہیں
یہ جان لو بس تم سے ہی ہم اپنی خبر رکھتے ہیں
تم بھول نہ جانا اس کو گزارش یہ کرتے ہیں
جان من .... جان من
جتنا بھی ہم تم کو چاہیں کم لگتا ہے
یہ عشق اسی لیے ہی تو پل پل بڑھتا ہے
تم سے ہی اس جیون کا ہم سارا بھرم رکھتے ہیں
تم توڑ نہ دینا اس کو گزارش یہ کرتے ہیں
جان من .... جان من

اتنے لوگوں میں نیم تاریکی میں خوبصورت سا اظہار اور اس کا والہانہ پن، وہ سرخ پڑ گئی تھی۔ مگر نمروز علی خان کو ارد گرد کی مطلق خبر نہ تھی وہ مکمل طور پر اس پر حاوی ہو چکا تھا۔

وہ جانتی تھی

اس کا جنون!

اس کا دیوانہ پن!!

اس کا والہانہ پن!!!

اس کی جنوں خیزی!!!!

وہ ایک طلسم کے حصار میں تھی اور اس گھڑی جیسے اس کا معمول تھی۔ رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ تقریب اپنے عروج پر تھی جب آفتاب واسطی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کیسے ہیں سر جی آپ؟'' مسکراتا ہوا شگفتہ لہجہ۔

''میں ٹھیک ہوں''۔ نمروز مسکرایا تھا

''آپ کیسی ہیں مسز خان؟'' وہ حجاب سے پوچھنے لگا۔

''فائن''۔ اس نے کہہ کر نظر پھیر لی۔

''شادی مبارک ہو سر''۔

''شکریہ واسطی''۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

جبکہ آفتاب وہیں کھڑا تھا۔ خاموش، ساکت، مہر بہ لب۔

''میں بدباطن انسان نہیں حجاب! دنیا میں ہم بہت سی چیزوں اور لوگوں کو پسند کرتے ہیں اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اب وہ ہماری ملکیت ہو گئیں۔ میں نے تمہیں پسند کیا اور تم نے کسی اور کو۔ کیا فرق پڑتا ہے؟ شاید کچھ بھی نہیں۔ دنیا میں کہیں نہ کہیں کوئی اچھی لڑکی ضرور ہوگی جو میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں ناامید نہیں''۔ وہ سوچتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

فنکشن اختتام پذیر تھا آہستہ آہستہ لوگ واپس جانے لگے۔ وہ بے حد تھک چکی تھی۔ نیم گرم پانی سے ایک طویل شاور لینے کے بعد جب وہ باہر آئی تو نمروز کو بیڈ پر نیم دراز محوِ انتظار پایا۔ وہ خاموشی سے چلتی بیڈ تک آ گئی۔ جاں ہزار قیامتوں میں گھرنے لگی تھی۔

''بہت تھک گئی ہو؟'' اس نے استفسار کیا۔

''ہاں'' وہ بیڈ پر دراز ہو گئی۔

ریڈ نائٹی میں اونچی سی پونی ٹیل کیے وہ اسے پلاسٹک کی گڑیا محسوس ہوئی۔ وہ اس کے قریب آ گیا اور ہاتھ بڑھا کر ربڑ بینڈ کھینچ دیا۔ چمکدار بھورے بال تکیے پر بکھر گئے۔ وہ بے خود ہو گیا۔

''کیا ہو تم؟ کیوں اتنی عزیز ہو مجھے؟ میں نہیں جانتا۔ کیوں اتنی لگن ہے میرے اندر تمہاری؟ کیوں لگتا ہے کہ تم ہو تو جہاں ہے تم نہیں تو کچھ نہیں ہے۔

کیوں......؟'' وہ اس کی کھلی زلفوں کو چومتا جاتا تھا۔

''میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں حجاب! بے حساب، بے انتہا، میری ہر راہ تم تک آ کر ختم ہو جاتی ہے۔ ''تم'' ہو تو ''میں'' ہوں۔ تمہارے سوا اس دنیا میں کیا ہے؟ میری زندگی ہو تو، میری جان''۔ اس نے محبت کی انتہا کر دی تھی۔

حجاب کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ بس نمروز کی محبت کے چیختے چنگھاڑتے دریا میں کسی بے جان تنکے کی مانند بہتی جا رہی تھی۔ آنکھیں بند کیے کسی بے جان مجسمے کی طرح!!!

☆☆☆

رنگِ زندگی بدل گیا تھا۔ حجاب کے لیے زندگی کا مقصد ختم ہو گیا تھا اس کے خواب ادھورے رہ گئے تھے اس کا کیرئیر ختم ہو گیا تھا۔ اور رنگِ زندگی تو نمروز کے لیے بھی بدل گیا تھا۔ اس کے خواب تکمیل پا چکے تھے۔ وہ اپنے مقصدِ زندگی کو پا چکا تھا اور اس کا کیرئیر اپنے عروج پر تھا۔ تعلیمی پالیسی کا ڈھانچہ مکمل طور پر تبدیل کیا جا چکا تھا۔ میٹرک تک تعلیم مفت کر دی گئی اور ایسا صرف اعلانیہ طور پر ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس کے لیے عملی اقدامات اٹھائے گئے تھے۔

نمروز علی خان نے بحیثیت وفاقی وزیرِ تعلیم تمام صوبوں اور بڑے شہروں کا دورہ کیا تھا۔ بہت سے دیہات، قصبے اور دور دراز کے علاقوں میں اس نے خود نئے اسکولوں کی سنگ بنیاد رکھا تھا۔ غریب اور مستحق طالب علموں کے لیے خصوصی وظیفہ جاری کیا گیا، کچی بستیوں کو خصوصی توجہ کا مرکز بنایا گیا ایسے مرد و خواتین اساتذہ جن کے دل میں خدمتِ خلق کا جذبہ زبانی کلامی باتوں سے بڑھ کر عملی اقدام اٹھانے کے لائق تھا انہیں کچی بستیوں میں بھیجا گیا۔

''عام اسکول'' کے نام سے ہفتے میں دو دن وہ اساتذہ کسی بڑے میدان یا کھلے گراؤنڈ میں تمام بچوں سے لے کر بڑوں تک تمام افراد کو جمع کرتے جہاں انہیں ابتدائی طور پر لکھنا پڑھنا سکھایا گیا۔

''حوصلہ افزائی پروگرام'' کے تحت ایسے تمام طالب علم جن میں مضمون نویسی، کالم نگاری، تقاریر، شاعری اور کہانی نویسی کی صلاحیت تھی ان کے حوصلہ افزائی کے لیے وزارتِ تعلیم

کی طرف سے انہیں میڈل اور کیش انعامات دیئے گئے۔ پرائمری اور مڈل کی سطح پر بچوں کو اخلاقی طور پر بہتر بنانے کے لیے مختلف ٹیبلوز، ڈرامے، تقاریر اور پروگرام کا انعقاد کیا گیا جن میں کئی ماہر تعلیم اور ماہر نفسیات نے لیکچرز دیئے۔ انٹر اور گریجویشن کی سطح پر طالبات میں امور خانہ داری کے حوالے سے سلائی، کڑھائی اور کھانا بنانے کے مقابلوں انعقاد کیا گیا جبکہ طالب علموں میں خدمت خلق کے جذبے کو ابھارنے کے لیے مختلف تقاریر اور لیکچرز کا اہتمام کیا گیا۔

یہ سب کہنے میں جتنا آسان نظر آتا تھا عملی طور پر اتنا ہی مشکل ثابت ہوا تھا۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے ٹارگٹ کو حاصل کرنے کے لیے بھی اسے بے حد مشکلات کے سامنا کرنا پڑا تھا۔ ہر راہ میں ایک نادیدہ دیوار کھڑی کردی گئی تھی۔ پارٹی کی ہائی کمان اس سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھی۔ وہ ایمان داری اور دیانت داری کے اس سبق کو نہیں پڑھنا چاہتے تھے جو وہ انہیں پڑھاتا تھا جس کے نتیجے میں وہ اپنے افعال اور اعمال کی بنا پر معتوب ٹھہرا تھا۔ اسے بے وجہ تنقید کا نشانہ بنایا جانے لگا اس کے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کی جانے لگیں وہ مشکلات میں گھرا ضرور تھا مگر حوصلہ نہ ہارا تھا۔

اگر وہ پیچھے ہٹ جاتا تو کھیل ہی ختم ہو جاتا اور اسے کھیل کو جاری رکھنا تھا۔ اسے تبدیلی لانے کے وعدے کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ وہ دن رات مصروف تھا بلکہ حقیقتاً اس کے لیے دن رات کا شمار ختم ہو گیا تھا بس دن اور رات ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور ان کے پیچھے وہ خود۔

وہ ساری الجھنیں اور پریشانیاں آفس اور پارٹی سیکرٹیریٹ میں ہی چھوڑ کر گھر آتا تھا کیونکہ وہ بزنس اور کام کی ٹینشن گھر لانے کا قائل نہ تھا اس لیے حجاب کے سامنے ہمیشہ مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ جاتا تھا۔

اگر وہ پیپ جسٹس فریڈم آف ایکسپریشن کا چیئر پرسن نہ ہوتا تو شاید وہ اب تک اسے مکھن سے بال کی مانند نکال پھینکتے مگر موجودہ حالات میں اس کی مقبولیت اور احسن اقدامات کے اثرات دیکھتے ہوئے اسے یوں کِک آؤٹ کرنا کچھ ایسا آسان بھی نہ تھا۔

اس روز وہ آفس سے اٹھا تو کچھ متفکر ضرور تھا مگر اتنا خاص نہیں۔ حجاب اسے لان میں ہی نظر آ گئی تھی یہ سردیوں کے دن تھے فروری کا اختتام تھا دھوپ بہت کھلی کھلی اور روشن تھی۔ وہ بڑے سکون سے چیئر پر کمر ٹکائے پاؤں ٹیبل پر دھیرے بیٹھی تھی گود میں چھلے ہوئے سنگتروں کی پلیٹ تھی جسے وہ بڑی نفاست سے کانٹے کی مدد سے کھانے میں مشغول تھی۔ وہ گاڑی پارک کر

کے اس کی طرف چلا آیا۔

''السلام علیکم''۔ نمروز نے پہل کی۔

''وعلیکم السلام''۔ حجاب بُری طرح چونکی پھر فوراً پاؤں نیچے کیے اور پلیٹ ٹیبل پر رکھ دی۔

''میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا''۔ وہ اسے کانٹا پلیٹ میں رکھتے دیکھ کر بولا۔

''ایسی کوئی بات نہیں''۔ حجاب نے گھاس پر نظر ٹکاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ ایک طویل سانس لے کر اٹھ گیا۔

''تم اپنا شغل جاری رکھو میں چینج کرلوں''۔ وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی چال میں شکستگی تھی۔ وہ اول دن کی طرح آج بھی اس سے صدیوں کے فاصلے پر تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بہت اچھی اور فرماں بردار بیوی تھی مگر اسے ہر پل یہ احساس تھا کہ اس نے حجاب تاثیر کو کھو دیا ہے وہ جو بڑا تیکھا بولتی تھی یہ تو حجاب علی خان تھی جو اس سے بات کرنا تو در کنار اس کی طرف دیکھتی بھی نہ تھی وہ کوئی بات کرتا تو نظر جھکا کے سنتی بعض اوقات تو اسے شبہ ہوتا وہ اسے سنتی بھی نہیں۔ ریشمی راتوں کی تنہائی میں جب وہ اس کے قریب آتا تو آنکھیں بند کیے وہ اپنے آپ سے بہت دور چلی جاتی۔ وہ جذبوں کی تمام تر شدتوں کے ساتھ اس تک آتا اور وہ برف کا ایسا مجسمہ بن جاتی جس عشق کی پاگل آگ بھی نہیں پگھلا سکتی۔ اسے شدت سے احساس ہوتا کہ حق مہر میں ''خان بلڈرز'' اور ''نمروز مینشن'' کا حق ملکیت دے کر اس نے ایک روبوٹ حاصل کیا تھا یا پھر چابی سے چلنے والی گڑیا، جو اس کی ہر بات بلا چوں چراں مانتی تھی۔

اسے میکے گئے اتنے دن گزر جاتے کہ نمروز کو اسے یاد دلانا پڑتا کہ اسے وہاں چکر لگا لینا چاہیے اور اس نے ایسا ہرگز نہ چاہا تھا وہ تو اسے خوش رکھنا چاہتا تھا خوش دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ اس میں ناکام تھا بری طرح ناکام۔ زندگی بیتتی جاتی تھی اور مشکل کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ دن اور رات کے اس چکر میں بھاگتے دوڑتے، وہ جس سہارے کا متلاشی تھا وہ مل تو گیا تھا مگر اس کی چھایا سے وہ آج بھی محروم تھا۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ گھر آئے تو خوش لباس سی حجاب اسے خوش آمدید کہے، پیار سے اس کا کوٹ اتارے اسے شاور لینے کو کہے اس کے لیے کافی لائے اور جب وہ سارے دن کا تھکا ہارا بیڈ پر آئے تو اپنی ریشمی ہتھیلیوں سے اس کی ساری تھکن اتار دے مگر یہ لاحاصل خواہشات، یہ بے سمت جنوں اور لاحاصل عشق!!!

؎ کتنا سہل جاتا تھا
خوشبوؤں کو چھو لیتا

روشنی ستاروں کی
مٹھیوں میں بھر لینا
جگنوؤں کی باتوں سے
پھول جیسے آنگن میں
روشنی سی کر لینا
اے نظر کی خوش فہمی!
اس طرح نہیں ہوتا
تتلیاں پکڑنے کو
دور جانا پڑتا ہے۔

''تمہارے عشق نے مجھے مٹی کر دیا حجاب! میں تو بہت خوش قسمت تھا۔ ہر چیز میری دسترس میں تھی جدھر قدم بڑھاتا منزلیں ہٹ کر راستہ دے دیتیں......اور آج کیسے بے مایہ خاک کی مانند ریزہ ریزہ ہو کر تمہارے پاؤں تلے بچھا ہوں۔ یاد رکھنا! تم صرف میری ہو۔ ہر صورت میری۔ میری دسترس میں، میری قید میں، میری تسکین کو یہ احساس بہت ہے۔ سارا قصور تمہارا ہے کیوں انسان اتنا اچھا لگے کہ اپنا بنائے بنا چارہ نہ رہے۔ میں تمہیں جیت لوں گا ایک دن'' ہر بار کی طرح اس نے پھر عزم نو کیا تھا۔

☆☆☆

وہ کمبل میں لپٹی بڑی مگن سی کوئی ڈاکومنٹری فلم دیکھنے میں مصروف تھی۔ مگر ذہن وہاں کہاں تھا وہ تو بہت دور کہیں خلاؤں میں پرواز کر رہا تھا۔

اس کی یادداشت میں وہ احساسِ ذلت، وہ توہین آج بھی تازہ تھی جب اسے الزام کی صورت نمروز علی خان کو قبول کرنا پڑا تھا۔ وہ وقت اسے بھولتا نہیں تھا جب اسے صرف عمر کی نظروں میں تذلیل نہیں سہنی پڑی تھی بلکہ وہ تو اپنی ہی نظروں میں گر کر رہ گئی تھی۔

''یہ میری زندگی تھی آپ کو کیا حق تھا کہ میں اسے بھی آپ کی مرضی کے مطابق گزاروں؟ آپ کو صرف اپنی زندگی گزارے کا حق تھا۔ آپ نے کیسے سوچا کہ جس طرف آپ نظر اٹھائیں گے وہ چیز آپ کی ہو جائے گی۔ کیوں......؟ اور میں کوئی چیز تو نہیں تھی۔ زندہ جیتی جاگتی لڑکی تھی۔ میرے خوابوں کا قتل کر دیا آپ نے۔ ہر صورت آپ کی تسکین ہوئی ہے۔ میں آپ کو معاف نہیں کر سکتی''۔

''مجھے نفرت ہے آپ جیسے گھمنڈی اور مغرور انسان سے جو دوسروں کو اپنی جاگیر سمجھتا ہے۔ میں ہرگز آپ کی جاگیر نہیں تھی۔ کس قدر بے رحم ہیں آپ؟

آپ کا عشق ٹھہرا!!!
میرے لیے ذلت!!!
یہ تفریق کیوں......؟

مجھے آپ کی ''محبت'' کی ضرورت نہیں تھی مگر آپ نے زبردستی مجھے اپنی زندگی میں شامل کر کے یہ ثابت کیا کہ ''احساسات'' صرف آپ کے پاس ہیں۔ جینے کا حق صرف آپ کو ہے۔ اپنی ''جائز و ناجائز'' خواہشات کو پورا کرنے کا حق بھی صرف آپ کو ہے کیوں کہ آپ جاگیردار ہیں آپ دولت مند ہیں۔ آپ تو سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ کی غیر محتاط گفتگو مجھے کس موڑ پر لے آئی تھی۔ میری زندگی کا وہ اندھا موڑ......! میں کیسے بھول جاؤں؟ کیا حق تھا آپ کو مجھے یوں اپنے تصرف میں لانے کا؟ میں کوئی زمین کا ٹکڑا نہیں تھی جس پر اپنے نام کا جھنڈا لگا کر آپ نے مجھے فتح کر لیا''۔

''انسانی حقوق کی باتیں کرتے ہیں نا اپنی تقریروں میں۔ احمق انسان! آپ تو ان کی الف ب سے بھی واقف نہیں۔ جسے دوسروں کے جذبات و احساسات کا پاس نہیں اسے یہ باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں''۔

''میرے نسوانی وقار کو اپنی آرزو کی قیمت بنایا آپ نے۔ کس قدر سفاک انسان ہیں آپ؟ میں آپ کے دیئے زخم نہیں بھول سکتی۔ آپ قطعی قابل رحم نہیں ہیں''۔ اس کے اندر یہ بے رحم سوچ راسخ ہو چکی تھی۔

وہ تو اسے نظر اٹھا کر دیکھتی بھی نہیں تھی۔ وہ اسے مخاطب کرتا تو مختصر سے مختصر ترین جواب دیتی۔

وہ اسے قریب کرتا تو وہ پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو جاتی۔ ود اسے اپنے عشق کی واردات کی تفصیلات سناتا تو وہ کان بند کر لیتی۔ خود سے اتنا دور چلی جاتی جہاں اسے وہ احساس ذلت یاد نہ آتا جو اسے عمر کے سامنے سہنا پڑا تھا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ کن کپڑوں میں ملبوس تھا شلوار قمیض، سوٹ یا ٹراؤزر میں۔ وہ اسے گھر چلنے کو کہتا تو وہ چل پڑتی۔ سچ تو یہ تھا کہ اس کا گھر جانے کو دل نہیں چاہتا تھا اسے نئے سرے سے تکلیف ہوتی۔

عمر کا سامنا پہاڑ ڈھانے کے مترادف لگتا۔ یوں جیسے کوئی نئے سرے سے کھرنڈ

نوچ دے۔

سب کچھ ازسرِنو یاد آتا تو عزم نو پھر انگڑائی لے کر زندہ ہو جاتا۔

’’مجھے پائمالی کا دکھ نہیں بھول سکتا خواہ آپ ساری دنیا بھی میرے قدموں میں ڈھیر کردیں‘‘۔

☆☆☆

حجاب کے نزدیک یہ بات اتنی بڑی نہیں تھی اس لیے اس نے عام سی بات کا انداز دیے کر باتوں میں بڑی امی سے تذکرہ کر دیا ان سے ہوتی ہوئی خبر سب تک پہنچی اور یہ کیسے ممکن تھا کہ عمر کو پتا نہ چلتا۔ وہ فون پر اس کو تنگ کرنے لگا۔

’’پتا ہے حجاب! ابھی امی جان نے مجھ سے کہا کہ مبارک ہو خیر سے ماموں بننے والے ہو۔ میں نے پوچھا ’’ماموں تو میں بن رہا ہوں، باپ کون بن رہا ہے؟‘‘ وہ ہنس ہنس کر بتا رہا تھا۔

حجاب تو کانوں تک سرخ پڑ گئی۔

’’امی کو دو فون‘‘۔ وہ بدقت بولی۔

اس نے فون امی جان کو دے دیا۔ وہ اسے تسلی دینے لگیں ساتھ ہی ہدایات کا لمبا چوڑا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی پھر فون بند کرنے کے بعد طویل سانس لے کر اٹھی اور چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔

’’صدف! میرے لیے اورنج جوس لے کر لان میں آؤ‘‘۔ وہ اسے ہدایت دے کر لان میں چلی آئی۔

کین کے چیئر پر بیٹھے ہوئے وہ نمروز کے رویے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ خیال تو وہ اس کا پہلے بھی رکھتا تھا مگر اب تو گویا اسے ہتھیلی کا چھالہ بنا لیا تھا۔ بیس بار فون کر کے گھر اس کا حال پوچھتا اسے بیلنس ڈائٹ کا حکم دیتا اور ساتھ ہی صدف کو بھی ڈھیروں ہدایات جاری کرتا۔ اس وقت بھی صدف آئی تو ٹرے میں رکھے فریش جوس کے جگ اور گلاس کے ساتھ کارڈلیس فون تھا۔

’’خان کا فون ہے بی بی صاحبہ‘‘ اس نے ادب سے فون اس کی طرف بڑھایا اور واپس چلی گئی۔

’’السلام علیکم‘‘ اس نے فون کان سے لگا کر کہا۔

’’وعلیکم السلام‘‘ وہ مسکرایا تھا۔

’’کیسی ہو؟ کیا کر رہی تھیں؟‘‘ وہی والہانہ انداز، وہی بے تابی۔

’’ٹھیک ہوں اور جوس لینے لگی تھی‘‘۔ اس کا لہجہ بہت بے تاثر تھا۔

’’گڈ گرل۔ اچھا آج تیار ہو جانا ڈنر پہ جانا ہے‘‘۔

’’کوئی بزنس ڈنر ہے؟‘‘

’’نہیں ’’ذاتی ڈنر‘‘ ہے۔ Village چلیں گے یا پھر شنگھریلا۔ واپسی پر پاک ٹاور سے شاپنگ‘‘۔

’’شاپنگ کی کیا ضرورت ہے؟‘‘ وہ جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے بولی تھی۔

’’ضرورت تو ہمیشہ رہتی ہے میری جان! جیسے مجھے تمہاری‘‘۔ وہ محبت سے معمور لہجے میں بولا تھا۔

’’جیسے آپ کہیں‘‘ اس نے فرماں برداری کی انتہا کر دی۔

’’اچھا۔ اللہ حافظ‘‘ اس نے فون بند کر دیا۔

’’حجاب نے طویل سانس لے کر فون ٹیبل پر رکھ دیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اپنے تمام تر جذبوں اور بے شمار دولت کے ساتھ بھی اس کا کوئی جذبہ اپنے نام نہیں لکھوا سکے گا۔

’’کیسی لاحاصل جدوجہد ہے آپ کی نمروز علی خان! افسوس میرے دل میں تو آپ کے لیے جذبۂ ہمدردی تک نہیں پیدا ہوتا‘‘۔

اس نے افسوس کے ساتھ سوچا تھا۔

دن گزرتے جا رہے تھے۔ وہ پہلے سے بڑھ کر اس کا خیال رکھتا تھا۔ بڑی امی نے وعدہ کیا تھا کہ ڈلیوری سے تین ماہ پہلے وہ خود یا آمنہ بیگم ضرور آ جائیں گی اور اب وہ حسبِ وعدہ آ چکیں تھیں۔ یہ اگست کا وسط تھا اور وہ لان میں بیٹھیں خنک ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھی جب صدف آئی تھی۔

’’بی بی صاحبہ! خالد عباسی آئے ہیں آپ سے ملنے‘‘۔

’’خالد عباسی؟‘‘ پھر فوراً اس کے ذہن نے متحرک ہو کر اسے پی جے ایف کے جنرل سیکریٹری کی تصویر دکھائی۔

وہ کچھ الجھی۔

’’تم چلو۔ میں آتی ہوں‘‘ وہ اپنے بھاری بھرکم وجود پر شال لپٹتی ہوئی اٹھ گئی۔

’’بڑی امی! یہ پارٹی ورکر ہیں میں ان سے مل کر آتی ہوں‘‘۔

وہ بتا کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

وہ اسے کچھ پریشانی اور اضطراب کے عالم میں ٹہلتا نظر آیا۔

”تشریف رکھیے۔ خیریت سے آنا ہوا؟“

اس کا لہجہ خالص بیگمات والا تھا۔

وہ خاموشی سے صوفے پر ٹک گیا۔

”میں بہت آس وامید کے ساتھ آپ کے پاس آیا ہوں بیگم صاحبہ! میں چاہتا ہوں آپ خان صاحب سے بات کریں انہیں سمجھائیں“۔ خالد کے لہجے میں حقیقی پریشانی تھی۔

”ایسی کیا بات ہے؟“ وہ چونکی۔

”بات یہ ہے کہ......“ وہ دھیرے دھیرے بولنے لگا۔

حجاب کا چہرہ بار بار رنگ بدل رہا تھا۔ خالد نے بات ختم کرنے کے بعد اس کا چہرہ دیکھا۔ حجاب کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا۔ وہ کچھ گھبرا گیا۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“

”ہاں! میں ٹھیک ہوں“۔ اس نے پیشانی سے پسینہ پونچھا۔

”پھر میں کچھ امید رکھوں؟“

”ہاں میں بات کروں گی ان سے“۔ وہ خود کو سنبھال کر بولی۔

”بہت شکریہ بیگم صاحبہ! اجازت ہے؟“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”ہوں“۔ مدھم سی ہوں کی۔

وہ چلا گیا۔

وہ وہیں بے دم سی بیٹھی تھی۔ اس کی نظروں میں نمروز علی خان کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ وہ اتنے آرام سے سب کیسے جھیل رہا تھا۔ وہ تو ہمیشہ کسی ٹھہرے ہوئے پُرسکون سمندر کی مانند نظر آتا تھا۔ اسے خالد کی باتیں یاد آرہی تھیں۔

اندر ہی اندر پکتا ہوا لاوا۔

پارٹی قیادت میں پھوٹ۔

چیئرمین کی برطرفی کے لیے کوششیں۔

پارٹی فنڈ میں غبن کے الزامات۔

جھوٹے ثبوت اور گواہ!!!

ناجائز بھرتیوں اور بدعنوانی کے الزامات!!

فارورڈ گروپ بننے کے امکانات۔

چیئرپرسن کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کے لیے کوششیں۔ بڑھتی ہوئی اندرونی سازشیں اور پارٹی کو ہائی جیک کرنے کی کوششیں!!

”میرے خدا“۔ اس نے سر ہاتھوں پر گرالیا۔

کچھ دیر بعد وہ خود کو سنبھال کر اٹھ گئی۔ اس نے نمروز سے بات کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔

رات کھانا کھانے کے بعد بڑی امی اپنے کمرے میں چلی گئیں جوان کے لیے حجاب نے مختص کیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آگئے۔ وہ چینج کرنے کے بعد بیڈ پر آیا تو حجاب نے پہلی بار کسی قدر دھیان اور غور سے اس کا جائزہ لیا۔ اس کی سرخ سفید رنگت ماند پڑی ہوئی تھی اور چمکدار سیاہ آنکھیں کسی قدر بجھی ہوئی تھیں۔ بھنوؤں کے درمیان گہری شکن کسی عمیق سوچ کا اظہار تھی اتنا اندازہ اسے اس کے ساتھ رہتے ہوئے ہوگیا تھا۔

”ایک بات کرنی تھی آپ سے“۔ وہ آرام دہ پوزیشن میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

وہ چونکا۔

”ہوں“۔ اس نے اے سی کی اسپیڈ بڑھائی۔

حجاب نے اس کے پُرتفکر چہرے کو دیکھا۔

”آج خالد عباسی آیا تھا“۔

وہ بڑے بھرپور طریقے سے چونکا۔

”کیوں؟“

”اس نے مجھے سب بتا دیا ہے“۔ حجاب نے بلاتمہید کہا۔

نمروز نے ہونٹ بھینچ لیے۔

”کیا سب......؟“

”وہ سب جو ہو رہا ہے“۔ وہ تلخی سے بولی۔

نمروز ایک طویل سانس لی اور سر تکیے پر گرادیا۔

”سر دباؤ میرا“ اُس نے کہا۔

حجاب کے ہاتھ اس کے بالوں میں چلنے لگے۔

”جواب نہیں دیا آپ نے میرے بات کا“۔

وہ پھر بولی۔

"یہ میری جنگ ہے حجاب! میں اس میں تمہیں شریک نہیں کرنا چاہتا"۔ وہ آنکھیں موندے ہوئے بولا تھا۔

حجاب کے ہاتھ رُک گئے۔

"یہ جنگ آپ کی ہے تو میں کس کی ہوں؟"

وہ مزید تلخ ہوئی۔

نمروز کا دل بڑے عجیب انداز میں دھڑکا۔

"تو گویا تم تسلیم کرتی ہو کہ تم میری ذات کا حصہ ہو"۔

"مجبوری ہے"۔ وہ اسی لہجے میں بولی۔

اذیت اور دکھ کی تیز لہر نمروز کے وجود کو کسی آری کی مانند کاٹ گئی۔

"ہاں مجبوری"۔ وہ اذیت سے ہنسا۔

پھر اس کی طرف پشت کر لی۔

"لائٹ آف کر دو۔ مجھے نیند آ رہی ہے"۔

☆☆☆

وہ کسی ضروری اجلاس میں شرکت کے لیے کراچی میں تھا جب اسے عمر کا فون آیا تھا۔

"حجاب ہاسپٹل میں ہے آپ آ جائیں"۔

عمر کا لہجہ انتہائی پریشانی لیے ہوئے تھا۔

"وہ ٹھیک ہے نا" اس کا لہجہ ڈوبنے لگا۔

"آپ آ جائیں۔ بس آ جائیں"۔ عمر نے فون بند کر دیا۔

پھر کراچی سے لاہور کی اَسی منٹ کی فلائٹ کے دوران اس نے کتنی بے شمار دعائیں اور مناجاتیں کر ڈالیں تھیں۔ ائیر پورٹ سے سیدھا ہاسپٹل پہنچا تھا اور عمر کو اُڑے رنگ اور سُستے چہرے کے ساتھ اپنے سامنے پا کر وہ بے اختیار ہو گیا

"حجاب کہاں ہے؟ وہ ٹھیک ہے نا؟" اسے دونوں شانوں سے جھنجوڑتا وہ اپنے حواسوں میں نہ تھا۔

عمر اسے کوئی جھوٹی تسلی بھی نہ دے سکا۔

"صبر کرو بیٹا۔ اللہ کرم کرے گا"۔

بڑی امی نے اس کے شانے پر ہاتھ دھر کر تسلی دی۔ وہ زرد رنگت کے ساتھ اُنہیں دیکھتا رہا۔ چار گھنٹے جیسے اُس نے کسی سولی پر لٹک کر گزارے تھے۔ عمر کو صحیح معنوں میں اس کی محبت کا اندازہ ہوا تھا۔ اور جب ڈاکٹرز نے دعا کے لیے کہا تو وہ بچوں کی طرح عمر کے شانے سے لگ گیا۔

"میں اسے کھو کر زندہ نہیں رہوں گا عمر! اسے کہو میرے ساتھ ایسا مت کرے"۔ وہ جاں کُنی کی حالت میں تھا۔

جب ڈاکٹرز نے سب نارمل ہونے کی نوید بیٹے کی خوشخبری کے ساتھ سنائی تو وہ خوشی سے کِھل اُٹھا۔ جیسے ہی اُسے روم میں شفٹ کیا گیا وہ اسے دیکھنے کو لپکا تھا۔ اور وہ اس کے سامنے تھی زرد رنگت اور مٹے مٹے کاجل کے ساتھ۔ وہ بے ساختہ اُس پر جھک گیا۔

"میں تمہارے بغیر مر جاتا حجاب"۔ اسے والہانہ انداز میں چومتے ہوئے وہ بے قرار ہو کر بھیگی آواز میں بولا۔

حجاب نے بے اختیار ہاتھ تسلی آمیز انداز میں اس کے شانوں کے گرد پھیلا دیا۔ وہ تو اس سے نفرت کرتے رہنا چاہتی تھی مگر ماحول اس قدر بدل چکا تھا کہ وہ اپنا دکھ بھول کر اس کے آنسو پونچھنے میں مصروف ہو گئی۔

بڑی امی نومولود کو اٹھائے اندر آئیں تو وہ عجیب سی سرخوشی اور فخر سے ان کی طرف بڑھا۔ سرخ و سفید گول مٹول سا بچہ بہت خوبصورت تھا۔ نمروز کو سب سے زیادہ خوبصورت اس کی ٹھوڑی کا بھنور لگا تھا۔ وہ اسے لے کر حجاب کے نزدیک آ گیا۔

"یہ کتنا پیارا ہے حجاب"۔ وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولا پھر دفورِ شوق سے بچے کا ماتھا چوما۔ وہ آنکھوں میں عجیب سے تاثرات لیے اُسے دیکھتی رہی۔

"اس کا نام کیا رکھیں؟"

"جو آپ کو پسند ہو"۔ وہ مسکرائی بہت ہلکا سا۔

نمروز کو ارد گرد روشنیاں سی پھیلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"اُسامہ علی خان"۔ وہ مُسکرا کر کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے"۔ اس نے تائید کی۔

اگلے دن وہ گھر شفٹ ہو گئی تھی۔ بڑی امی پہلے ہی یہاں تھیں عمر، سحاب اور آمنہ بیگم کو بھی لے آیا۔ وہ شور مچا کر کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ایک ہفتے بعد رسم عقیقہ کی گئی تھی۔ نمروز

علی خان نے اتنا صدقہ خیرات نکالا تھا کہ لگتا تھا کہ کوئی آج اس شہر میں بھوکا نہ سوئے گا۔ مائرہ اور منزہ بھی اپنی فیملیز کے ساتھ موجود تھیں۔

''دیکھو بھئی حجاب یہ جو تمہارا شوہر ہے نا یہ بڑا چارمنگ بندہ ہے اس لیے اس کا خوب دھیان رکھا کرو''۔ منزہ نے شرارت سے کہا۔

''بے فکر رہیں آپی! میرے سوا ساری دنیا کی لڑکیاں ان کے لیے بہنیں ہیں''۔ وہ مطمئن سی ہنسی ہنسی۔

''تم وفادار بیویوں کی مانند دفاع کر رہی ہو''۔ عمر ہنسا

''بالکل۔ کیا چلتا پھرتا خزانہ ہے تیرا شوہر۔ مائرہ نے کہا۔''ذرا خبر رکھا کرو اس کے آنے جانے کی۔''

''آپی خیر ہے نا آپ کو ان کی بڑی فکر ہو رہی ہے''۔ وہ مشکوک ہوئی۔

مائرہ چونکی پھر گڑبڑا کر اسے دھپ جمائی۔

''بدتمیز'' وہ شرمندہ ہوئیں۔

سب ہنس دیئے۔

''میں بتاتا ہوں وفادار شوہر صاحب کی حالت۔ اچھا جناب سین کچھ اس طرح ہے کہ حجاب صاحبہ آپریشن تھیٹر میں ہیں اور ڈاکٹرز نے دعا کے لیے کہا ہے''۔ عمر بڑی امی کے نزدیک بیٹھا اور پھر بات شروع کی۔

''میں اسے کھو کر زندہ نہیں رہوں گا عمر! اسے کہو میرے ساتھ ایسا مت کرے''۔ وہ بڑی امی کے شانے سے لگ کر زبردست ایکٹنگ میں معروف تھا۔ جب نمروز نے اندر قدم رکھا۔ سب نے ہنسی دبائی۔

''بالکل۔ جاری رکھو''۔ اس نے بڑھاوا دیا۔

عمر کو کرنٹ لگا وہ بے ساختہ بڑی امی سے الگ ہوا۔ سب اس کی شرمندہ صورت دیکھ کر ہنس دیئے۔

''بڑی ماں! اسے بھی کہیں کھپائیں تا کہ اللہ اس پر بھی یہ وقت لائے اور ہم بھی ہنسیں''۔ وہ مسکراتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''بالکل امی جان''۔ مائرہ نے تائید کی۔

''لڑکی تو ہے میری نظر میں اور آپ کو بھی پسند آئے گی'' حجاب نے دھماکہ کیا۔

سب حیران ہوئے۔

''کون؟''منزہ نے کہا

''ثناء۔ آپ کو تو پتا ہوگا''۔ وہ نمروز کی طرف مڑی۔

''کون ثناء''۔ وہ بھی چونکا۔

''ثناء طارق''۔

''اچھا۔ ہاں وہ اچھی لڑکی ہے''۔ نمروز نے تائید کی۔

''بھئی کوئی اتا پتا بھی دو''۔ صفیہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''اتا پتا تو آپ کو عمر دے دے گا۔ میرا خیال ہے عمر! تمہیں بھی پسند آئے گی''۔ وہ شرارت سے بولی۔

عمر ضبط کرتا اسے دھمکی آمیز نظروں سے گھورنے لگا کُھل کر ہنس دی

نمروز علی خان کو عرصے بعد اس میں ''حجاب تاثیر'' کی جھلک دکھائی دی۔ اس کا دل چاہا وقت یہیں تھم جائے وہ ہمیشہ کے لیے ایسی ہی ہو جائے۔ اسے احساس ہوا کہ وہ کتنا بدل چکی ہے۔ یا اس نے خود بدل دیا ہے۔

موضوع گفتگو بدل گیا کچھ دیر بعد وہ جانے کے لیے اٹھے تو حجاب امی جان سے مخاطب ہوئی۔

''سحاب کو یہیں رہنے دیں امی جان''۔

''نہیں بھئی میں نہیں رک سکتی۔ آپ کو پتا ہے گھر کے کام کاج کا بہت مسئلہ ہو جاتا ہے''۔ سحاب نے کہا۔

''چلو۔ جیسے تمہاری سہولت''۔ حجاب خوشدلی سے بولی۔ وہ انہیں رخصت کر کے آیا تو وہ ننھے اُسامہ کو کاٹ میں لٹا رہی تھی۔

''اسے ادھر لاؤ بھئی۔ ابھی تو مجھے اپنے شہزادے کو ڈھیر سارا پیار کرنا ہے''۔ وہ محبت سے بولا۔

وہ کاٹ سے اُسامہ کو اٹھا لائی۔ نمروز نے اُسامہ کو اس کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے بغور اس کا جائزہ لیا۔ ماں کے ملبوس کی مخصوص مہک لیے وہ خطرناک حد تک خوبصورت نظر آ رہی تھی۔

''مجھے لگتا ہے حجاب! عمر، ثناء کو پسند کرتا ہے''۔ اُسامہ سے کھیلتے ہوئے اس نے کہا۔

وہ ہیر برش لے کر اس کے نزدیک آ بیٹھی۔

"بالکل ٹھیک لگتا ہے آپ کو۔ وہ بہت عرصہ سے اسے پسند کرتا ہے۔ اصل میں عمر کے ساتھ میرے دو رشتے ہیں ایک تو میرا کزن ہے دوسرا بھائی۔ وہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ ہماری آپس میں اتنی انڈرسٹینڈنگ اور انوالومنٹ دیکھتے ہوئے سب کو لگتا تھا کہ ہم شادی کر لیں گے۔ سب سے میری مراد وہ سب ہیں جو ہمیں صرف کزن کی حیثیت سے جانتے ہیں۔" وہ ہنسی۔ نمروز حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"اب میں ہر ایک کو تو نہیں بتا سکتی کہ وہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ ویسے مجھے امید ہے کہ ثناء سب کو پسند آئے گی"۔ وہ بال سنوار چکی تھی اس لیے بُرش رکھنے اٹھ گئی۔

دوسری طرف نمروز علی خان نے پرسکون ہو کر کراؤن سے ٹیک لگائی۔ وہ تو خود یہی سمجھتا تھا۔ عرصہ سے حلق میں چبھنے والی پھانس آج نکلی تو تن بدن میں سکون کی لہریں سی چلنے لگیں۔ وہ اس کے پاس آئی اور اُسامہ کو اٹھا کر کاٹ میں لٹا دیا۔ پھر خود باتھ میں چلی گئی کچھ دیر بعد لوٹی تو گلابی نائٹی میں بلاشبہ غضب ڈھا رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر آ کر دراز ہوئی تو نمروز نے آہستگی سے اس کے تکیے پر سر رکھا اور اس کے گرد بازو پھیلا دیئے۔ حجاب نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ بجھا دی تھی۔

☆☆☆

بڑی امی اور امی جان کو ثناء بے حد پسند آئی تھی۔ مائرہ اور منزہ نے بھی اسے "اوکے" کر دیا تھا۔ بڑی امی جان نے اسے ہدایت کی تھی کہ اسے نمروز کے ساتھ ثناء کے ہاں ضرور جانا چاہیے مگر اس نے نمروز کی مصروفیات کا کہہ کر معذرت کر لی تھی کیونکہ وہ آج کل بے حد مصروف تھا مشکل سے ہی دن میں اس کی صورت نظر آتی رات بھی بارہ بجے کے بعد ہی لوٹتا تھا۔ اس لیے اس نے کہا تھا کہ وہ تسلی سے منگنی کی ڈیٹ رکھیں تب تک اس کا سوا مہینہ بھی پورا ہو جائیگا۔ اس لیے انہوں نے اس کی سہولت دیکھتے ہوئے اس کی معذرت خوشدلی سے قبول کر لی تھی۔

دور کہیں سے فجر کی اذانوں کی آواز آ رہی تھی۔ حجاب کی آنکھ کھلی تو کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ وہ طویل سانس لے کر اٹھی، اپنے گرد حمائل نمروز کا بازو ہٹایا اور اٹھ کر لائٹ جلا دی۔ لیکن اس نے نہایت کم روشنی کا حامل نیلگوں نائٹ بلب جلایا تھا اسے پتا تھا ادھر تیز روشنی آن ہوگی ادھر وہ اٹھ جائے گا۔ رات چونکہ وہ خاصا لیٹ آیا تھا اس لیے اس کا اسے جگانے کا ارادہ نہ تھا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی باتھ روم گئی اور وضو کرنے کے بعد آ کر جائے نماز بچھائی اور نماز ادا کرنے میں مصروف ہوگئی۔ جیسے ہی اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، اُسامہ نے رونے کے لیے پوزیشن لے لی۔ وہ دعا مختصر کرتی اٹھ گئی۔ اسے فیڈ کراتے ہوئے اس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر اُسامہ کے بالوں میں چلنے لگا۔ اس کی سیاہ کشادہ چمکدار آنکھیں بالکل نمروز جیسی تھیں اور ٹھوڑی کا بھنور بالکل حجاب جیسا۔ حجاب نے جھک کر اس کی آنکھوں کو چوما اور اسے واپس لٹا دیا۔ جیسے ہی وہ اسے لٹا کر سیدھی ہوئی اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ نمروز جاگ چکا تھا اور کراؤن سے ٹیک لگائے وہ اسے دیکھنے میں مگن تھا۔

حجاب نے طویل سانس کھینچی اور آگے بڑھ آئی۔ کچھ بھی تو حیران کن نہیں تھا۔ اس شخص کی دیوانگی آج بھی اسی طور تھی۔

اس کا جنون آج بھی پاگل کر دینے والا تھا۔

اس کا عشق آج بھی بلاخیز تھا۔

وہ شہزادوں کی سی آن بان رکھنے والا دلربا سا شخص کیوں اس کے لیے اتنا دیوانہ تھا۔

وہ آج بھی نہیں سمجھ سکی تھی۔

"آپ اٹھ گئے؟"

"پانی دو مجھے"۔ وہ آنکھیں مَسل رہا تھا۔

حجاب نے گلاس بھر کے اسے تھما دیا اور قریب ہی بیٹھ گیا۔

"زیادہ مصروفیت تو نہیں ہے آج؟"

"کیوں؟" اس نے گلاس واپس تھمایا۔ اور اپنی سیاہ خوبصورت آنکھیں اس پر مرکوز کر دیں۔

حجاب کو بارہا احساس ہوا تھا کہ چاہنے والے مرد کی نظر سے نظر ملانا کتنا بڑا معرکہ ہوتا ہے۔ ہلکا سا گلابی پن لیے ہوئے اس کی سیاہ چمکدار آنکھوں میں جھانکنا آج بھی اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس نے نظر جھکائی اور بات آگے بڑھائی۔

"امی جان آنے کا کہہ رہی تھیں"۔

"آج کل تو بہت مصروفیت ہے چند دن رُک جاؤ"۔ وہ شہادت کی انگلی سے پیشانی مسلتے ہوئے بولا۔

"جیسے آپ چاہیں"۔ اس نے ہمیشہ کی طرح فیصلہ نمروز پر چھوڑ دیا۔ نمروز کو اُس کی فرماں برداری سے عجیب سی وحشت ہوئی۔

''جانا ضروری ہے کیا؟'' اُس کے ماتھے پر شکن آ گئی۔

''اصل میں اُسامہ کے بعد ایک دفعہ بھی نہیں گئی تو بہت شکوہ کر رہی تھیں''۔

''ہوں۔ دو ماہ کا تو اُسامہ بھی ہو چکا ہے خیر نکالوں گا وقت۔ تم کافی بناؤ۔ میں تب تک باتھ لے لوں''۔ وہ اٹھ گیا۔

''کہیں جانا ہے اتنی صبح؟''۔

''ہوں۔ اسلام آباد جانا ہے''

''واپسی کب ہے؟''

''دو تین دن لگ سکتے ہیں''۔

''اچھا...... ناشتہ کریں گے؟''

''نہیں''...... وہ مختصراً جواب دے کر باتھ کی طرف بڑھ گیا۔

حجاب بھی اٹھ کر باہر آ گئی۔ کچن میں آ کر وہ خود اس کے لیے کافی بنانے لگی اس نے نمروز مینشن میں آنے کے بعد صدف کا عمل دخل بہت کم کر دیا تھا۔ خاص طور پر نمروز کی زندگی میں سے۔ وہ کافی بنا کے لوٹی تو سجا سجایا نمروز اُسامہ کو گود میں لیے بیٹھا تھا۔

''اُسامہ اٹھ گیا؟'' حجاب نے کافی کا کپ ٹیبل پر رکھا۔

''نہیں''۔ وہ اسے چومتے ہوئے بولا۔

حجاب کو حیرت ہوئی وہ اسے گود میں اتنی اتنی دیر لے کر بیٹھا رہتا اس کے ساتھ کھیلتا رہتا جب کہ اس نے دیکھا تھا کہ مائرہ اور منزہ آپی کے شوہر بہت کم بچوں کو یوں اٹھاتے تھے۔

''لائیں اسے مجھے دیں''۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اُسامہ اس کی گود سے لے لیا۔

کاسنی سبز سوٹ میں اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ نمروز نے نظر بچائی اور کافی کے گھونٹ لینے لگا۔

''حجاب!''

''جی''۔ اس نے نظر اُٹھائی اور پھر جھکائی۔

نمروز کی سرخ سفید رنگت پر آنکھوں کے نیچے نمودار ہوتے براؤن ڈارک سرکلز بہت نمایاں تھے اور اس کی شدید پریشانی اور کم خوابی کے غماز بھی۔

''مجھے اعتراف ہے کہ میں نے تمہیں بہت غلط سمجھا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ میں تمہیں پالوں گا تو یہ جنوں۔ یہ کوشش، یہ جستجو سب ختم ہو جائے گی مگر......'' وہ رکا۔

''میں تو آج بھی وہیں ہوں۔ جہاں سے چلا تھا''۔ اس کا لہجہ شدید ترین احساس کمتری اور بے بسی کا غماز تھا۔

''تم سے دور تمہاری محبت سے دور تمہارے دل سے دور'' کتنا کرب سمٹ آیا تھا اس کے لہجے میں۔

''اگر تم اپنی پسند سے شادی کرتیں تو......''۔

حجاب نے تیزی سے اس کی بات قطع کی تھی۔

''تب حالات مختلف ہوئے''۔

وہ چپ ہو گیا۔

''اچھا یہ بتاؤ میرے جانے کے بعد مجھے یاد کرو گی''؟ وہ بات بدل گیا۔

''آپ اتنے زیادہ دنوں کے لیے تو نہیں جا رہے''۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

وہ بجھ گیا۔ خاموشی سے کافی پیتا رہا پھر اٹھ اس کے پاس آ گیا۔ جھک کر اُسامہ کو پیار کیا اور اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا۔ ''کل خریدا تھا دینا یاد نہیں رہا۔'' اُس نے کہا پھر حجاب کی پیشانی پر آئے بال سمیٹے اور آہستگی سے اس کا آنچل سرکا دیا۔ حجاب کا دل دھڑک اٹھا۔

نمروز نے ہاتھ میں پکڑے گولڈ کے ہارٹ شیپ پینڈنٹ کا لاک کھولا اور اسے پہنانے لگا۔ چند پل اسے دیکھتا رہا پھر اپنا استحقاق استعمال کرتے ہوئے فاصلے کم کر دیے۔ اس کے چہرے پر پھول کھلائے اور سرگوشی میں ''اللہ حافظ'' کہتا اٹھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے نمروز نے سوچا تھا۔

''میں دیکھوں گا حجاب! تمہاری خودسری کی انتہا کیا ہے؟'' دل میں درد کا طوفان سا اُٹھا ہوا تھا۔

☆☆☆

بڑی امی کا فون آیا ہوا تھا انہوں نے اس کی وہ خبر لی کہ وہ ارے، ارے کرتی رہ گئی۔

''مجھے سمجھ نہیں آئی حجاب! تم اتنی غیر ذمہ دار کب سے ہو گئی ہو۔ غضب خدا کا اکلوتے بھائی کی خوشی ہے اور تم'' وہ بہت ناراض تھیں۔

''بڑی امی! میری بات سنیں۔ آپ کو پتا ہے ان کی مصروفیت کا'' وہ بے بس ہوئی۔

''ارے۔ ہاں۔ ساری دنیا سے زیادہ مصروف ہے تمہارا میاں'' وہ جل کر بولیں۔

''ابھی تو اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ آئیں گے تو ضرور آؤں گی'' آپ مجھے منگنی کا دن بتائیں۔'' وہ کہنے لگی۔

''اس جمعہ کو ہے تقریب۔ اور اگر تمہارے میاں کو فرصت ملی تو آ جانا''۔ وہ ناراض ہوئیں۔

حجاب نے بمشکل ہنسی دبائی۔

''کیسی ہو حجاب؟'' عمر کی آواز آئی۔

وہ الرٹ ہوئی۔

''ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ۔ مزے میں ہو''۔ وہ مسکرائی۔

''بہت مزے میں ہوں لیکن یاد رکھنا اگر تم نہ آئیں تو......'' وہ دھمکی آمیز انداز میں بولا۔

''تو کیا منگنی کی انگوٹھی پہننے سے انکار کر دو گے؟'' حجاب نے چھیڑا۔

''بالکل نہیں۔ میں بڑے مزے سے منگنی کراؤں گا۔'' وہ ہنسا۔ ''پہلی بار تو ہو رہی ہے۔''

''بروٹس''۔ حجاب نے دانت پیسے۔

''تو اور کیا کروں؟ بہن صاحبہ کے پاس فرصت نہیں اور ان کے میاں صاحب نے تو پورا پاکستان کندھوں پہ اٹھایا ہوا ہے۔ اس لیے مجبوری ہے''۔ وہ طنزاً بولا۔

''تم تو سمجھنے کی کوشش کرو پلیز۔ آج انشاء اللہ یہ آتے ہیں تو بات کروں گی''۔ وہ تسلی آمیز انداز میں بولی۔

''یہ......کون......؟'' وہ شرارت سے بولا۔

''اُسامہ کے بابا''۔ اس نے ہنسی دبائی۔

''تو تمہارے کیا ہوئے؟'' وہ چھیڑنے لگا۔

''میرے میاں''۔ وہ ہنس دی۔

''تو میاں جی کی زوجہ صاحبہ فرصت نکالیں ذرا جلدی''۔

''ہاں۔ بالکل''۔

''اچھا۔ اپنا خیال رکھنا اور اُسامہ کو پیار دینا''۔

''اللہ حافظ''۔ حجاب نے فون رکھا اور صدف کی طرف متوجہ ہوئی۔ جو کافی دیر سے کھڑی تھی۔

''بی بی صاحبہ! خالد عباسی آئے ہیں''۔

وہ کچھ حیران، کچھ پریشان سی اٹھ گئی۔

''تم اُسامہ کا ڈریس چینج کراؤ''۔ وہ اسے حکم دے کر ڈرائنگ روم کی طرف چلی آئی۔

خالد نے اسے سلام کیا۔ حجاب نے جواب دے کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں نے آپ سے ایک درخواست کی تھی بیگم صاحبہ''۔ وہ ملتجی لہجے میں بولا۔

''مجھے یاد ہے''۔

''آپ انہیں سمجھائیں بیگم صاحبہ! یا وہ سمجھوتہ کر لیں یا پھر یہ سب چھوڑ دیں۔ تیسری راہ کوئی نہیں ہے۔''

''مجھے تفصیل سے بتائیں''۔ اس نے لب بھینچے۔

☆☆☆

''نمروز علی خان جب نیویارک سے پاکستان آئے تھے تو ان کے پاس سب کچھ تھا ذہانت، طاقت اور لیڈرشپ کی فطری صلاحیت، لیکن اس کو استعمال کرنے کی صلاحیت انہیں رانا شوکت اور جمیل درانی نے دی۔ ویسے جیسے ایک ریوالور میں کسی کی جان لینے کی صلاحیت تو ہوتی ہے مگر تب جب اسے مہارت سے چلایا جائے۔ سیاسی بساط پر کامیابی کے لیے ضروری تھے وہ سیاسی داؤ پیچ جو کسی بھی سیاست دان کو عوامی لیڈر بناتے ہیں۔ جیسے موقع پرستی، مکروفریب، مکاری اور مرحوم شناسی۔ اصول پرستی، ایمان داری اور انصاف کی باتیں تقاریر اور پریس کانفرنس میں اچھی لگتی ہیں۔ جب کہ عملی زندگی میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہوتی اب جب کہ موجودہ حکومت میں وہ ایک اہم پوسٹ پر ہیں، پارٹی کے کچھ تحفظات ہیں۔ پارٹی کی ہائی کمان انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتی ہے جبکہ وہ اپنی ایمانداری اور اصول پرستی کو چھوڑنے پر تیار نہیں۔ انہیں سمجھوتہ کر لینا چاہیے اور سب کے مفادات کو مدنظر رکھنا چاہیے لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی سے ایسا کرنے پر تیار نہیں۔ الختصر قصہ یہ کہ اسی ہفتے کے اندر پارٹی کی ایگزیکٹو کمیٹی ان کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد پاس کر دے گی'' پریشانی خالد کے چہرے سے ہویدا تھی۔

''مگر وہ اسے ویٹو کر سکتے ہیں''۔ حجاب الجھے ہوئے لہجے میں کہا

''آپ کی بات بجا ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ان کے خلاف مہم تیز تر ہو چکی ہے پارٹی کی اکثریت ان کے خلاف ہو چکی ہے۔ اور پھر یہ تو سیاست کا قانون ہے کہ کسی کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے سب سے پہلے اس کے حامیوں کو توڑا جاتا ہے''۔

''کون ہے اس سازش کا ماسٹر مائنڈ؟'' وہ شاکڈ سی تھی۔

''جمیل دُرانی اور رحیم انصار''

"مگر یہ تو ان کے بڑے قریبی ساتھی ہیں"۔

حجاب کو جھٹکا لگا۔

"قریبی ساتھی ہی پیٹھ میں خنجر اگھونپتے ہیں"۔

"دوسری سیاسی جماعتیں اور بیوروکریسی......؟"

خالد نے حجاب کی بات قطع کر دی۔

"بیوروکریسی کے گٹھ جوڑ سے ہی تو یہ سب ہو رہا ہے اور دوسری جماعتوں کی تو بات ہی چھوڑیں۔ اصول پرست اور ایمان دار آدمی کو کون پسند کرتا ہے"۔

"آپ کے خیال سے اس ساری صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟"

"اگر ایمان داری سے دیکھا جائے تو بہت حد تک خان صاحب خود ہیں۔ وہ سیاست میں ریا کاری اور منافقت کو پسند نہیں کرتے جبکہ ہماری سیاست قائم ہی ان دونوں پر ہے۔ اور اب جو صورتحال درپیش ہے اسے صرف باغی عناصر کی کارروائی نہیں سمجھا جا سکتا انہیں دوسری جماعتوں اور بیوروکریسی کی حمایت بھی حاصل ہے ان میں وہ سب شامل ہیں جو خان کی بڑھتی ہوئی سیاسی مقبولیت سے خوفزدہ ہیں"۔ وہ تلخی سے بولتا گیا۔

"کیا ان باغیوں یا سازشیوں کو معطل نہیں کیا جا سکتا؟"۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ پارٹی کی اکثریت کو اپنے حق میں قائل کر چکے ہیں۔ اگر ایسا کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ اپنا علیحدہ گروپ بنا لیں گے۔ پارٹی دھڑوں میں تقسیم ہو جائے گی۔"

"کیا حل ہونا چاہیے؟" وہ حقیقتاً پریشان ہو اٹھی۔

"وہ سب چھوڑ دیں اپنے عہدے سے ریزائن کر دیں، دستبردار ہو جائیں پارٹی کی چیئرمینی سے۔ دوسرا راستہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ سب کے مفادات کو مقدم سمجھ کر اپنے رویے میں تبدیلی لائیں۔ تھوڑی سی لچک پیدا کریں خود میں، کیونکہ اپنی ہٹ دھرمی سے وہ معاملات کو مزید خراب کر رہے ہیں"۔ خالد نے دوٹوک کہا۔

"میں کوشش کروں گی"۔

"بہت شکریہ۔ ہم نچلے درجے کے کارکن ہیں۔ وہ ہماری بات تو رد کر سکتے ہیں آپ کی نہیں"۔ وہ خوشامدی انداز میں بولا۔ حجاب کو شدید پریشانی کے باوجود ہنسی آ گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ وہ کچھ نہیں سننا چاہتے۔ بہرحال۔ میں پھر بات کروں گی"۔ اس نے تسلی دی۔

وہ آس و امید کے سنگم میں ڈولتا لوٹ گیا۔

اور حجاب وہیں بیٹھی رہی گم صم، حیران و پریشان حالات کے اس رخ پر گنگ، کیا سمجھتی تھی وہ نمروز علی خان کو، اپنی سیاسی جوڑ توڑ، پی آر اور اپنی شخصیت کے بل پر سیاست کے میدان میں کامیابیاں حاصل کرنے والا راشی اور گھاگ سیاست دان۔ حقیقت کیا تھی؟ اس کی اصول پرستی، ایمان داری اور نیکی کو اس کے لیے گناہ بنا دیا گیا تھا۔ جوں جوں وہ سوچ رہی تھی یہ سمجھ آ رہا تھا کہ یقیناً سیاسی بساط پر یہ فیصلہ بہت پہلے کیا جا چکا تھا کہ نمروز علی خان کو اقتدار اور اختیار سے الگ کر دیا جائے لیکن اس مشن پر بتدریج کام کیا گیا۔ اس کے حامیوں کی تعداد گھٹائی گئی اور رفتہ رفتہ انہیں باغی کیا گیا۔ اسے تنہا اور بے یار و مددگار کر دیا گیا۔

آج صرف اس کے ساتھ رانا صاحب اور خالد عباسی تھے۔ پارٹی کی اکثریت اس کے خلاف متحد ہو چکی تھی۔ اس کے خلاف کرمنل کیس بنائے جا چکے تھے اس کے ساتھیوں اور حمایتیوں کو چن چن کر پکڑا جا رہا تھا۔ اس کے سیاسی رابطے توڑ دیئے گئے تھے۔ اسے دہشت گردی، غنڈا گردی یا پھر تشدد کی سیاست کچھ بھی کہا جا سکتا ہے۔ انجام کار بہت واضح تھا۔

دو راستے بہت واضح تھے۔

سمجھوتہ!!!

یا پھر

واپسی!!!

اگر وہ اب تک ثابت قدمی سے قائم تھا اور کسی طور جھکنے کے لیے تیار نہیں تھا تو پھر یہ سوچنا عبث تھا کہ وہ سمجھوتے کے لیے تیار ہو جائے اگر اسے سمجھوتہ ہی کرنا ہوتا تو یقیناً حالات یہ رخ اختیار ہی نہ کرتے وہ بہت پہلے اس صورتحال پر قابو پا لیتا۔

اور اگر اس نے واپسی کا راستہ اختیار کیا تو کیا ہو گا۔ ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے سامنے آ گیا؟؟؟

عہدے سے ریزائن؟

پارٹی کی چیئرمینی سے دستبرداری؟

سیاست سے کنارہ کشی؟

یقیناً یہ سب اتنا آسان نہیں ہو گا۔ اس پارٹی میں جتنے اس کے باپ فیروز علی خان کے اثاثے تھے اُس سے دس گنا اُس کے اپنے تھے۔ کیا اپنے عہدے، نام، شہرت اور مقام سے

دستبرداری اس کے لیے آسان تھی؟ یقیناً نہیں۔

حجاب چپ چاپ بیٹھی سوچتی رہی۔ کتنے ہی پردے آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئے تھے۔ اس کی طرف سے دل تو صاف ہو گیا تھا مگر اس صورتحال میں نمروز کا لائحہ عمل کیا ہوگا یہ “سوچنے” کے باوجود وہ “سمجھنے” سے قاصر تھی۔

☆☆☆

آج جمعرات کا دن تھا۔ نمروز کا خیال تھا کہ وہ بدھ تک لوٹ جائے گا مگر حالات اس طرح کے بنتے چلے گئے کہ تاحال اس کی واپسی مشکوک تھی۔

آج ایک بار پھر وہ میریٹ کے روم نمبر 106 میں موجود تھا۔ چند لمحوں بعد “رُبیکا جانسن” اس کے سامنے تھی۔ سپر پاور کی نمائندہ، برائی کی ترغیب کے ساتھ، اصول پرستی اور ایمان داری کو حماقت کہنے والی اور اس کے لیے ایک پرکشش پیکج کے ساتھ وہ “رُبیکا جانسن” ایک بار پھر اس کے سامنے موجود تھی اپنی تمام تر دلکشی اور خوبصورتی کے ساتھ، لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ لیے۔

“اب آپ نے کیا سوچا ہے مسٹر خان؟”

نمروز نے لب بھینچے

“کس بارے میں؟”

“اوہ کم آن۔ بی پریکٹیکل”۔ رُبیکا نے تنفر سے سر جھٹکا۔

“اگر آپ نے ہماری آفر قبول کی ہوتی تو یقیناً آج یہ حالات نہ ہوتے، آپ کے اپنے ہی آپ کو اس اسٹیج پر لے آئے ہیں کہ اس آفر کو قبول کیے بنا آپ کے پاس کوئی چارہ نہیں”۔

“اگر میں انکار کر دوں تو......؟” اس نے رُبیکا کا چہرہ جانچا۔

“تو پھر یہ کہ حالات تو آپ کے سامنے ہیں۔ اور میں آپ کو وارننگ دے رہی ہوں مسٹر خان! ذرا اپنے ملک کی تاریخ کو مدِنظر رکھیں۔ مغربی پاکستان کے دو گورنر، پاکستان کے صدر اور دو وزیراعظم اور بہت سے دوسرے لیڈر ہیں جو اپنے آپ کو “بڑی چیز” سمجھتے تھے وہ طبعی موت نہیں مرے اور جب آپ کے State کی مشینری حرکت میں آتی ہے تو حالات کا رخ کوئی نہیں بدل سکتا نہ آپ جیسا طرم خاں نہ پریس اور نہ پبلک”۔ رُبیکا جانسن کے لہجے میں چھپی دھمکی واضح تھی۔

“تم مجھے دھمکی دے رہی ہو”۔ نمروز کا لہجہ آتش فشاں تھا۔

“دھمکی۔ مائی فٹ۔ اگر تم اتنے نیک اور پارسا ہو تو کوئی ٹرسٹ خرید لو۔ کوئی یتیم خانہ کھول لو یا پھر کوئی فلاحی ادارہ”۔ وہ تلخی سے بولی۔

“مجھے تمہاری آفر قبول نہیں ہے”۔ نمروز علی خان نے بڑے، سکون سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

“ٹھیک ہے مسٹر خان! اب ہم کچھ نہیں کریں گے۔ اگر کچھ کریں گے تو تمہارے اپنے، اور ہونے کو تو آپ کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ گھر پر فائرنگ، کسی جلوس میں بم دھماکہ یا پھر گاڑی پر خودکش حملہ”۔ اس کے لہجے میں سنگینی تھی۔

اس سے پہلے کہ نمروز کوئی جواب دیتا اس کا سیل فون بجنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھا۔ گھر کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ اس نے کال پک کی۔

“ہاں۔ بولو”۔ دوسری طرف حجاب تھی۔

“السلام علیکم! کہاں ہیں آپ؟”

“ہاں حجاب! مجھے عمر کا فون موصول ہوا تھا۔ ڈونٹ وری میں آ جاؤں گا۔ اوکے”۔

اس نے مختصر ترین بات کر کے فون بند کر دیا۔

“میں آپ کی بات ذہن میں رکھوں گا مس جانسن!”۔ وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

رُبیکا جانسن نے حیرت و غصے کے ملے جلے احساسات سے اس شاندار مگر احمق انسان کو جاتے دیکھا۔ جو کہ اس کے خیال میں اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور دقیانوسیت کی وجہ سے اپنا کیریئر، شہرت اور عہدہ سب داؤ پر لگا چکا تھا۔

☆☆☆

حجاب نے فون بند کر کے رکھا اور عمر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

“کیا کہہ رہے تھے؟” عمر نے پوچھا۔ اُسامہ اس کے نزدیک لیٹا تھا۔ عمر اس کے ساتھ کھیلنے میں معروف تھا۔

“کہہ رہے تھے کہ عمر کا فون آیا تھا۔ آ جاؤں گا۔” وہ اس کے پاس آ کے بیٹھ گئی۔

“کیا حجاب! اکلوتا سالا ہوں میں ان کا۔ اور وہ ہیں کہ ہاتھ ہی نہیں آ رہے”۔ وہ بسورا۔

“جب انہوں نے کہا ہے تو پھر وہ آ جائیں گے”۔ حجاب نے کہا۔

“اتنا یقین ہے؟”

“ہاں” وہ ہنسی۔

"تم میرے ساتھ ہی گھر چلو۔ وہ بعد میں آ جائیں گے۔" عمر نے کہا۔ حجاب نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"شرم کرو۔ ایسے کیسے آ جاؤں؟"

"کیوں کیا انہیں اچھا نہیں لگے گا؟" عمر نے کھوجا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے خود اچھا نہیں لگے گا"۔ وہ سنبھل کے بولی۔

"لو یوں کہو نا کہ فرماں بردار بیوی بننے کا شوق چرایا ہے"؟ اس نے مذاق اڑایا۔

"شوق؟" حجاب کے سینے میں آنچ سی اٹھی۔

"مجھے شوق نہیں ہے۔ میں فرماں بردار ہوں"۔ حجاب نے "ہوں" پر زور دیا۔ لہجے میں شکست تھی۔

"بالکل بھئی وہ بلاشبہ اسی قابل ہیں کہ ان کی فرماں برداری کی جائے۔ تمہیں تو کرنی بھی چاہیے"۔ عمر کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

چائے میں چینی مکس کرتے ہوئے حجاب کے ہاتھ لرز گئے۔

"آپ واقعی خوش بخت ہیں نمروز علی خان!! میرا بھائی آج بھی یہ سمجھتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ "محبت" کرتی ہوں۔ اس نے یاسیت کے ساتھ سوچا۔

"اچھا یہ بتاؤ ثناء آفس آ رہی ہے؟"

اس نے بات بدل دی۔

"نہیں"۔

"فون پر بات ہوتی ہے؟" حجاب نے پوچھا۔

"وہ فون سنتی ہی نہیں۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں کہ میں منگنی سے شادی کے درمیانی عرصہ کو کیسے گزاروں گا؟ اگر یہی حال رہا تو......؟" وہ پریشانی سے بولا۔

"کیوں بھئی؟"

"دیکھو نا سب یار دوست اس پیریڈ کو اتنا انجوائے کرتے ہیں لمبی لمبی فون کالز کے ساتھ۔ میں کیا کروں گا؟"

حجاب اس کی صورت دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

"صبر کرنا"۔

"مگر یہ زیادتی ہے"۔ عمر نے دہائی دی۔

"اب کیا ہو سکتا ہے؟"

"تم اسے سمجھانا"۔ عمر نے کہا۔

"بالکل نہیں۔ مجھے پتا ہے وہ کبھی بھی نہیں مانے گی۔ وہ بہت شرمیلی ہے عمر"۔ حجاب نے اسے سمجھایا۔

"چلو۔ منگنی تو ہونے دو۔ یہ سب بعد میں دیکھیں گے"۔ عمر نے کہا۔

"تم اکیلے آ گئے۔ سحاب کو بھی لے آتے"۔

حجاب نے کہا۔

"میں آفس سے اٹھ کر ادھر آیا ہوں۔"

"ویسے حجاب! ایک بات تو بتاؤ؟"

"ہوں بولو"۔ وہ چونکی۔

"تمہیں کچھ علم ہے کہ پی۔ جے۔ ایف میں آج کل کیا چل رہا ہے؟"۔

وہ حیران ہوئے بغیر چائے پینے میں مصروف رہی۔

"ہاں"۔

"تو تم......" وہ کچھ کہنے لگا۔

"میں اس پر بات نہیں کرنا چاہتی"۔ حجاب نے اسے ٹوک دیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یار۔ کیوں بات نہیں کرنا چاہتیں۔ تم عملی طور پر صحافت میں نہیں ہو مگر کالمز تو لکھ سکتی ہو تمہیں چاہیے......؟؟"

حجاب نے اس کی بات پھر قطع کی۔

"میں ٹی وی نہیں دیکھتی اور نیوز پیپرز بھی نہیں پڑھتی"۔ اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

وہ چونک گیا۔

"حجاب! سب ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں۔ سب ٹھیک ہے"۔ اس نے صدف کو آواز دی کہ وہ چائے کے برتن اٹھا کر لے جائے۔

عمر نے موضوع بدل دیا۔

"حجاب! یہ اتنی ینگ ہے تم لوگوں کی ہاؤس میڈ۔ کہیں شادی وادی نہیں ہوئی اس کی؟"

"یہ ہماری خاندانی ملازمہ ہے"۔

‘‘تو کیا خاندانی ملازماؤں کی شادیاں نہیں ہوتیں؟’’ اس نے طنز کیا۔

‘‘میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ بھئی یہ فیصلہ اس کے خان کو کرنا ہے مجھے نہیں’’۔ حجاب نے وضاحت کی۔

اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

‘‘اچھا۔ پھر میں چلوں’’۔ وہ اٹھا۔

‘‘رُک جاؤ۔ کچھ دیر اور’’۔ حجاب نے کا۔

‘‘نہیں بس اب چلوں، فاروقی صاحب یاد فرما رہے ہوں گے مجھے’’۔ وہ ہنسا۔

‘‘اچھا۔ تیاریاں مکمل ہیں منگنی کی؟’’

‘‘ہاں۔ کل آؤ گی تو دیکھ لینا’’۔ وہ الوداعی کلمات ادا کر کے رخصت ہو گیا۔

آٹھ بجے کے قریب اس نے رات کا کھانا کھایا اور صحافت سے متعلق ایک کتاب لے کر بیٹھ گئی۔ گیارہ بجے تک اس نے کتاب پڑھ لی مگر نمروز تا حال نہیں لوٹا تھا۔ وہ خاموشی سے ٹہلتی رہی تھی اسے انتظار کرتے ہوئے کوفت تو ہو رہی تھی مگر مجبوری تھی۔ انتظار کیے بنا چارہ نہیں تھا۔ جب گھڑی نے ایک بجایا تو وہ تھک کر ایزی چیئر پر گر گئی۔ نیند سے اس کا برا حال تھا ڈیڑھ بجے کے قریب اسے گاڑی کی آواز آئی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچھ دیر بعد بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور نمروز کی صورت دروازے کے فریم میں نظر آئی۔ حجاب کو اسے دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا، اس کا چہرہ سُستا ہوا تھا اور آنکھوں کے گرد موجود سرکلز زیادہ گہرے نظر آ رہے تھے۔

‘‘السلام علیکم’’۔ اس نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

حجاب کی ساری حسیات بیدار ہو گئیں۔

‘‘وعلیکم السلام’’۔

‘‘ٹھیک ہو؟’’ وہ آگے بڑھ آیا۔

‘‘جی’’۔

وہ خاموشی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اُسے یاد آیا وہ کپڑے لیے بغیر چلا گیا تھا۔ یقیناً وہ دماغی طور پر حاضر نہیں تھا۔

حجاب ڈریسنگ کی سمت بڑھی اور اس کا آرام دہ شلوار سوٹ نکال دیا۔ کچھ بعد وہ باتھ گاؤن میں لپٹا برآمد ہوا اور ڈریسنگ کی سمت بڑھ گیا۔ کپڑے بدل کر واپس آیا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا۔ اس کا الجھا ہوا پریشان چہرہ کسی گہری سوچ میں گم نظر آتا تھا۔ وہ بیڈ پر دراز ہوا تو حجاب اس کے پاس آ گئی اور خاموشی سے اس کا سر دبانے لگی اس نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اتنا تھکا ہونے کے باوجود بھی اس کی رومانس کی حس پوری طرح بیدار تھی۔ اس کے ہاتھ میں اپنی انگلیاں پھنسا کر اس نے لبوں سے لگا لیا پھر اپنے چہرے پر پھیرنے لگا پھر آنکھوں پر رکھنے سے سکون مل رہا تھا۔ جب کسی طرح بھی تسلی نہ ہوئی تو اسے کھینچ کر اپنے قریب کیا اور خود میں جذب کر لیا۔ ایک لمبی سانس لے کر اس کی مہک اپنے وجود میں جذب کی اور پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں۔ حجاب کی ساری مزاحمت اُس کی محبت کی طغیانی میں بہہ گئی۔

اگلی صبح بہت روشن اور چمکدار تھی۔ وہ ناشتے کی ٹیبل پر حجاب سے مخاطب ہوا تھا جو پیازی سوٹ میں خود بھی بہت روشن اور چمکدار لگ رہی تھی۔

‘‘عمر کی انگیج منٹ ہے اور وہ تمہارا اکلوتا بھائی ہے۔ گفٹ وغیرہ تو ہونے چاہیں۔ تم یوں کرو صدف کے ساتھ شاپنگ پر چلی جاؤ۔ تب تک میں ایک ضروری کام نبٹا لوں’’۔ اس کے حکم نما مشورہ پر حجاب نے ہمیشہ کی طرح سر تسلیم خم کیا اور صدف کے ساتھ چلی گئی۔ دو گھنٹوں بعد لدی پھندی وہ لوٹی تو نمروز بھی آ چکا تھا۔ اس نے اُسامہ، نمروز کے حوالے کیا اور خود چائے بنوانے چلی گئی۔ وہ چائے کی ٹرے کے ساتھ آئی تو وہ اُسامہ کو سینے پر لٹائے بری طرح مصروف تھا۔

‘‘حجاب! میرا بیٹا پیارا ہے نا!’’ اس نے معصومیت سے کہا۔

وہ ہنسی۔

‘‘بالکل۔ آپ کا بیٹا جو ہے’’۔

‘‘تمہیں پتا ہے میری حجاب بھی بہت پیاری ہے’’۔ نمروز نے کہا۔ ہنسی دبا کر۔

‘‘بالکل۔ آپ کی جو ہے’’۔ حجاب نے چونکے بغیر اسی لہجے میں جواب دیا۔

وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

‘‘ہم جیسے قناعت پسند لوگ تو اسے بھی آدھا اظہارِ محبت سمجھتے ہیں۔ شکریہ میری زندگی’’۔ وہ مسرور سا بولا۔

حجاب کے بے تاثر چہرے پر رنگ سے پھیلے تھے۔

‘‘شام میں کیا پہنیں گے؟’’ اس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔ اُسامہ کو پیار کرتا وہ چونکا۔

‘‘شلوار سوٹ’’۔ وہ کہہ کر پھر مصروف ہوا۔

''چائے لے لیں۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے''۔

''اچھا'' اس نے نوٹس نہیں لیا۔

''خیریت۔ آج اُسامہ پر بہت پیار آ رہا ہے''۔

''وجہ تو مجھے خود معلوم نہیں۔ پیار تو تم پر بھی آ رہا ہے بولو کیا کروں؟'' وہ معصومیت سے بولا۔

وہ سرخ پڑ گئی۔ شام میں حجاب نے اس کے لیے اپنی مرضی سے سیاہ شلوار سوٹ منتخب کیا تھا۔ وہ کپڑے بدل کر آیا تو گلابی کامدار سوٹ میں وہ کسی دلہن کی مانند سجی ہوئی تھی۔ وہ آئینے کے سامنے آ کر بال بنانے لگا۔

'' کتنے خوش بخت لوگ ہیں وہ؟'' نمروز نے کہا۔

''کون؟'' وہ سینڈل پہنتی چونکی۔

'' بھئی وہی جن کے لیے آپ نے دلہن کا روپ فیک کیا ہے''۔ اس نے آہ بھری۔

وہ اب بھی نہیں سمجھی۔

''ہمارے لیے تو کبھی آپ نے سجنا سنورنا پسند نہیں کیا''۔ اظہارِ افسوس کیا گیا۔

وہ طویل سانس لے کر اُسامہ کی طرف متوجہ ہوئی جو بابا سوٹ میں بے حد پیارا لگ رہا تھا۔

''اُسامہ بیٹے! آپ کے بابا جان کے شکوے ہم کبھی دور نہیں کر سکتے''۔

''کوشش کیجیے''۔ نمروز نے کہہ کر اُسامہ کو اٹھایا اور اس کے گالوں پر پیار کرنے لگا۔

حجاب نے صدف سے کہہ کر سارا سامان گاڑی میں رکھوایا اور اُسامہ کو اس سے لے لیا۔ کچھ دیر بعد ان کی گاڑی سڑک پر رواں دواں تھی۔ اُسامہ حجاب کی گود میں تھا۔ نمروز نے مسکرا کر اسے دیکھا وہ اپنی کشادہ آنکھیں کھول کر بڑے مانوس انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ خوشی کی ایک لہر اس کے تن بدن میں پھیلی۔ وہ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ براجمان تھا۔ وہیں سے ہاتھ پیچھے بڑھائے۔

''اسے مجھے دو حجاب''۔

حجاب نے اُسامہ اس کے ہاتھوں میں تھمایا اس سے پہلے وہ سیدھا ہوتا۔ ایک قیامت سی ٹوٹ پڑی۔ گاڑی پر دونوں اطراف سے فائرنگ کی جانے لگی۔ تڑاتڑ کئی گولیاں کھلے شیشے سے ڈرائیور کو آ کر لگیں۔ گاڑی بری طرح بے توازن ہو کر ڈول گئی۔ حجاب کا سر بری طرح کسی چیز سے ٹکرایا اور اگلے ہی لمحے وہ بے توازن ہو کر سیٹوں کے درمیانی جگہ پر گری اور حواس کھو بیٹھی۔

☆☆☆

تم یہ کہتے ہو وہ جنگ ہو بھی چکی
جس میں رکھا نہیں ہے کسی نے قدم
کوئی اترا نہ میداں میں، دشمن نہ ہم
کوئی صف بن نہ پائی، نہ کوئی علَم
تم یہ کہتے ہو اب کوئی چارا نہیں
جسم خستہ ہے، ہاتھوں میں یارا نہیں
اپنے بس کا نہیں بارِ سنگ ستم
بارِ سنگِ ستم، بارِ کہسارِ غم
جس کو چھو کر کبھی ایک طرف ہو گئے
بات کی بات میں ذی شرف ہو گئے
اس خزیں خامشی میں نہ لوٹے گا کیا
شورِ آوازِ حق نعرہ گیر و دار!!!
شوق کا امتحاں جو ہوا سو ہوا
جسم و جاں کا زیاں جو ہوا سو ہوا
دوستو! ماتم جسم و جاں اور بھی
اور بھی تلخ تر امتحاں اور بھی۔

اس کے پپوٹوں میں ہلکی سی لرزش ہوئی اور چند سیکنڈ بعد اس نے آنکھیں کھول دیں، چند لمحے وہ ایک ٹک چھت کو گھورتی رہی پھر رفتہ رفتہ اس کا ذہن بیدار ہونے لگا، اس نے آہستگی سے کمبل پرے ہٹایا اور اٹھ بیٹھی، بیڈ کی پائنتی کی طرف امی جان بیٹھی ہوئی تھیں، وہ حیران ہوئی، بیڈ کے بالکل سامنے ایزی چیئر پر نمروز جھول رہا تھا اسے حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا، اس کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی یکلخت اس کے ذہن میں گزرے واقعات کی فلم چل پڑی، اس کے لاشعور نے متحرک ہو کر اس کی بے ہوشی سے پہلے دیکھا گیا منظر نامہ دہرایا فائرنگ، ڈرائیور کی موت اور......؟ اس کی سانسیں تھم گئیں۔

اس کے ہاتھوں سے اُسامہ کو لے کر سیدھا ہوتا نمروز کھڑکی سے برسنے والی بے دریغ

گولیاں اور اُسامہ کا چھلنی وجود، نمروز کے بازو سے بہتا لہو، اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑنے لگے، اس نے بے تابی سے اردگرد دیکھا اور اسے اُسامہ کا بے بی کاٹ نظر نہیں آیا، اس سے منسلک کوئی بھی چیز بیڈروم میں موجود نہیں تھی۔

"امی جان! اُسامہ کدھر ہے؟" وہ خشک حلق کو تر کر کے بولی، انہوں نے نم آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا اور نظریں جھکا لیں، حجاب کے سر پر، بم سا پھٹا، وہ بیڈ سے نیچے اتر آئی، نمروز کی چیئر کی حرکت ایک لمحے کو رکی، اسی وقت دروازہ کھول کر عمر اندر آیا، حجاب کو ہوش میں پا کر وہ ایک لمحے کو ٹھٹکا پھر آگے بڑھ آیا، حجاب نے بے یقینی سے اسے دیکھا، اس کا چہرہ سُتا ہوا تھا اور آنکھیں متورم۔

"عمر! اُسامہ کہاں ہے؟" اس نے بے تابی سے پوچھا، وہ نظریں چرا گیا۔ "نمروز! ہمارا بیٹا کہاں ہے؟"

وہ نمروز کی طرف پلٹی "کوئی کچھ بولتا کیوں نہیں، میرا بیٹا کہاں ہے؟" وہ چلا اٹھی۔

"حجاب! میری بچی، صبر کرو، وہ رب کی امانت تھا اس نے لے لیا۔" امی نے بھیگی آواز میں کہا تھا، وہ ساکت ہو گئی، عمر نے اس کے گرد بازو پھیلایا اور سسک اٹھا۔

"صبر کرو حجاب" وہ اسی طرح بے حس و حرکت رہی، سب اسے تسلی دلاسا دے رہے تھے اسے صبر کی تلقین کر رہے تھے مگر اس کے ساکت وجود میں کوئی جنبش نہیں، وہ اسی طرح سکتہ زدہ حالت میں بیٹھی رہی اسے رلانے کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں، صدمے کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اس حقیقت کو قبول نہیں کر پا رہی تھی، اس نے اپنا بیٹا، اپنا شہزادہ، اپنا اُسامہ کھو دیا، اس کا ذہن رک گیا تھا، اس کی ساری سوچیں ایک خیال پر مرتکز ہو گئیں۔

"اُسامہ مر گیا؟"

ہم بھول جاتے ہیں مگر حادثے اپنی جگہ موجود رہتے ہیں کچھ مخصوص جگہوں پر اور کبھی انسانوں کی شکل میں، وہ ہمارا انتظار کرتے ہیں ہم کتنی بھی احتیاطی تدابیر کر لیں گھوم پھر کر وہیں پہنچ جاتے ہیں جہاں مقررہ نقصان ہمارے حصے میں لکھا ہوا ہوتا ہے، یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ جمعرات کو اسلام آباد سے نہ لوٹتا اور اگر لوٹ ہی آیا تھا تو حجاب کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتا، یا پھر کاش اس روز عمر کی منگنی نہ ہوتی اور اگر وہ آ ہی گیا تھا، وہ گھر بھی جا رہے تھے تو کاش وہ اپنے ہاتھ پیچھے نہ بڑھاتا، نہ رخ بدلتا، ابھی اُسامہ اس کے ہاتھوں میں ہی تھا اور پیشتر اس کے کہ وہ اسے لے کر سیدھا ہوتا نجانے کتنی گولیاں اس کے ننھے وجود کے پار ہو گئیں۔ ذرا سا ترچھا ہونے کی وجہ سے ایک گولی نمروز کے بازو کو لگی، حجاب سیٹوں کے درمیان والی جگہ پر گری تھی اس لیے وہ کسی بڑے نقصان سے محفوظ رہی تھی۔

نمروز نے زبردستی سب کو گھر بھیج دیا تھا مگر عمر کسی صورت واپس جانے پر آمادہ نہ ہوا تھا، اس وقت بھی وہ دونوں کافی پی کر اندر آئے تو حجاب کہیں نہیں تھی، اُسامہ کی میت دفنانے کے عمل سے پہلے اور بعد میں بھی اسے بے ہوش رکھا گیا تھا، نمروز نے ایسا صرف اس کی ذہنی حالت کو مدنظر رکھ کر کیا تھا، اب جب وہ اسے کمرے میں نظر نہیں آئی تو وہ پریشان سا آگے بڑھا، واش روم خالی تھا، بیڈروم سے ملحق اسٹڈی اور ڈریسنگ روم بھی خالی تھا اس نے فوراً صدف کو آواز دی۔

"حجاب کہاں ہے؟"

"بی بی صاحبہ کو میں نے لان میں جاتے دیکھا تھا"۔ اس نے کہا۔

عمر نے اس کی صورت دیکھی اور نمروز نے اس کی، اگلے ہی لمحے دونوں کے قدم لان کی طرف اٹھتے چلے گئے، وہ گھپ اندھیرے میں دسمبر کی کڑکتی سردی کی پرواہ کیئے بغیر، بنا کوئی گرم شال اوڑھے گھاس پر بیٹھی تھی، عمر کو دھچکا لگا، اسے یاد آیا حجاب کو اندھیرے سے کتنا ڈر لگتا تھا، وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

"حجاب! اٹھو یہاں سے اٹھو"۔ اس نے حجاب کا بازو پکڑا کر اسے اٹھایا، اسے احساس ہوا کہ وہ سسک رہی تھی اور اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔

"میرا بیٹا، میرا اُسامہ چلا گیا عمر! ظالموں نے مار دیا اسے، وہ کتنا چھوٹا سا تھا، کسی نے ترس نہیں کھایا اس...... پر...... اسے...... کتنا درد...... ہوا...... ہوگا...... ہائے...... میرا...... بیٹا...... ظالموں...... میری بھی جان لے لو"۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی، نمروز کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ وہ ضبط کی آخری حد پر کھڑا تھا۔

عمر اسے ساتھ لگائے اندر لے آیا، اسے پانی پلایا مگر ادھر وہ رونا بند کرتی ادھر آنسو پھر گالوں پر لڑھک آتے، جب بات نمروز کی برداشت سے باہر ہو گئی تو وہ خاموشی سے اُٹھا اور جا کر اسٹڈی میں بند ہو گیا، عمر بدستور اسے تسلی دلاسا دینے میں مصروف تھا۔

☆☆☆

وفاقی وزیرِ تعلیم "نمروز علی خان" کی گاڑی پر قاتلانہ حملہ، ہرگز بھی اتنی چھوٹی بات نہ تھی، پریس اور میڈیا نے طوفان اٹھایا ہوا تھا، عین اس وقت جب لاہور میں نمروز علی خان کی

گاڑی پر حملہ کیا گیا، اسلام آباد میں پی۔ جے۔ ایف کے سینئر نائب صدر اور وزیر سیاحت رانا شوکت سلطان کی گاڑی پر بھی قاتلانہ حملہ کیا گیا، افسوناک امر یہ تھا کہ وہ اپنے ڈرائیور اور دو گارڈز کے ساتھ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے، پریس اور میڈیا والے چیخ رہے تھے، اس افسوس ناک سانحے کے ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے مطالبے کر رہے تھے، ہمیشہ کی طرح حکومت نے دوغلی پالیسی اختیار کی، مشیر داخلہ نے نہایت زور و شور سے بیان دیا تھا۔

کہ ''سانحے کے ذمہ داروں اور قاتلوں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا اور تفتیش جاری ہے جلدی ہی کوئی مثبت نتیجہ نظر آئے گا'' اور اس سارے قصے کے دوران سب سے حیرت انگیز چیز نمروز علی خان کی خاموشی تھی، پی۔ جے۔ ایف کے مشتعل کارکن اور حامی اس واقعے کے خلاف بھرپور احتجاج کرنا چاہتے تھے جبکہ نمروز علی خان نے بحیثیت چیئر مین ایسے کسی بھی اقدام سے سختی سے منع کر دیا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس حملے کو ایشو بنا کر دن رات ہائی لائٹ کیا جائے اور ملک کو نقصان پہنچے، دکانیں جلائی جائیں، ہڑتالیں کی جائیں یہ سب اس کو منظور نہ تھا کہ احتجاج کے بہانے غریب عوام پر مزید ظلم ڈھایا جائے، ویسے بھی اس ملک میں وزیر اعظم لیاقت علی خان کے قتل سے لے کر آج تک جتنے بھی صدر، وزیر، مشیر اور ایم این اے اور ایم پی ایز وغیرہ قتل ہوئے ہیں ان کے قاتلوں کا پتا نہیں چلایا جا سکا، حکومت کے وعدے اور دعوے اس خواب کی طرح محسوس ہوتے ہیں جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا اور وہ بھی تو اس ملک کی سیاست کا ایک حصہ تھا وہ اس نظام کو کیسے نظر انداز کر سکتا تھا جو ہمارے ہی وطن کو دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔

میں کس کے ہاتھوں پہ اپنا لہو تلاش کروں؟
تمام شہر نے ہیں دستانے پہنے ہوئے

وہ خاموش تھا، بالکل خاموش، اپنے لختِ جگر کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا تھا اور اپنے ضبط کو اتنا آزمایا تھا کہ وجود اندر سے کسی بھربھری دیوار کی مانند اب ڈھے جانے کو تیار تھا، اس کی سرخ آنکھیں اس کے ضبط کی گواہ تھیں۔

حسبِ روایت نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج ہوا تھا اور بقول ڈی۔ آئی۔ جی پولیس تفتیش کامیابی سے جاری تھی غالباً ہماری ''قابل'' پولیس نے پھر دو چار بے گناہ پکڑ لیے تھے اور ان سے وہ جرم بھی منوا لیے گئے تھے جو کہ ان کے علم میں بھی نہیں تھے، پی۔ جے۔ ایف کے کارکنان اور حامیوں نے احتجاج کے طور پر امن ریلی نکالی، ہاتھوں میں مختلف بینرز پکڑے تھے جن پر مختلف سلوگن (نعرے) تھے۔

''انصاف کرو، امن کے علمبردارو''

''معصوم بچے پر قاتلانہ حملہ، عوامی نمائندو۔! ڈوب مرو۔''

''کیا مظلوم ہمیشہ ظلم کی چکی میں پستا رہے گا۔'' محتسبو! جواب دو۔

''نمروز علی خان، زندہ باد۔''

ایک سال پہلے مشہور سیاست دان نمروز علی خان اور صحافی حجاب تاثیر کی شادی کو میڈیا نے جس طرح ہائی لائٹ کیا تھا اور جتنی چٹ پٹی کہانیاں اس شادی کو لے کر چھاپی گئی تھیں وہ کسی سے پوشیدہ نہ تھا دو ماہ کے اُسامہ کے قتل پر پینڈورا بکس ایک بار پھر سے کھل گیا تھا، لوگوں کی یادداشت پھر سے تازہ ہو گئی تھی، ہر چینل نے اپنے طور پر ایک کہانی بنا کر چلا دی تھی جو ہر ایک گھنٹے بعد کے بلیٹن میں نشر کی جا رہی تھی، جس میں ابتدائی طور پر شادی سے پہلے دونوں کی تصاویر دکھائی گئیں تھیں اور پھر ولیمہ پر دونوں کی مشترکہ تصویر دکھائی گئی جس میں نمروز سیاہ سوٹ اور سفید عالیشان لباس میں حجاب کھڑی تھی، نمروز کا بازو اس کی کمر کے گرد حمائل تھا، تصویر کے نیچے بڑے واضح الفاظ میں درج تھا۔

''اپنی شادی کے موقع پر خوبصورت جوڑے کا صحافیوں کو دیا گیا خصوصی پوز۔''

اس کے بعد کی تفصیلات زبانی تھیں جو کہ نیوز اینکر بڑے انکشاف کرنے والے انداز میں بتا رہا تھا، نمروز علی خان نئی نسل کا نمائندہ تھا۔ ملک کے اس نظام کو بدلنے کی بات کرتا تھا جو کہ ایک نصف دہائی سے اس ملک میں چل رہا تھا، اس کی پارٹی کے سپوٹرز کا ایک بڑا حصہ ان نوجوانوں پر مشتمل تھا جو کہ اسے آئیڈیلائز کرتے تھے وہ انگری ینگ مین جوان گھاگ اور منجھے ہوئے سیاست دانوں سے نفرت کرتے تھے جنہوں نے ساٹھ سال میں سوائے ایشوز اٹھانے اور بیانات دینے کے سوا کچھ نہ کیا تھا، ایسے میں نمروز علی خان کی ''تبدیلی لانے کی بات'' کو مہم انقلاب سمجھا گیا، اس کی تیزی سے بڑھتی ہوئی سیاسی مقبولیت کی وجہ سے بہت سوں کو اپنا مستقبل خطرے میں نظر آ رہا تھا، خاص طور پر وہ بڑے مگر مچھ جو کہ اس وطن عزیز کو مردار خور گدھوں کی طرح نوچنے میں مصروف تھے۔

کسی بھی اخباری نمائندے کا داخلہ ''نمروز مینشن'' میں ممنوع قرار دے دیا گیا تھا، مینشن کے گرد ریڈ الرٹ تھا، مگر سوالات ہر ذہن میں تھے۔۔

''کیا وہ سمجھوتہ کر لے گا؟''

''کیا وہ اپنے معصوم بیٹے کا بہیمانہ قتل بھول جائے گا؟''

''کیا وہ اس باریک لکیر کو پار کر جائے گا جو حلال اور حرام کے بیچ ہے؟''

آئندہ کیا ہونے سوالات تھا اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوتا، البتہ قیاس آرائیاں، اندازے، تجزیے سب جاری تھے۔

☆☆☆

عمر دیر تک اسے سمجھاتا رہا تھا، جس کا مختصر ترین خلاصہ یہی تھا کہ اُسے نمروز کو حوصلہ دینا چاہیے اور صبر سے اس آزمائش پر پورا اترنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس کے جانے کے بعد وہ بیڈ پر چت لیٹی روتی رہی، ایک تواتر کے ساتھ بہنے والے آنسوؤں میں کبھی کبھار کوئی سسکی شامل ہو کر کمرے کے سناٹے کو توڑنے کا سبب بن جاتی، رگِ جاں میں ایک حشر برپا تھا، اس نے کروٹ لی اور مسلسل آنکھوں سے رستا پانی تکیے میں جذب ہونے لگا، پھر آہستگی سے اسٹڈی کا دروازہ وا ہوا اور براؤن شکن آلود اور مسلے ہوئے لباس میں وہ باہر آیا، حجاب نے برستی آنکھوں سے اسے دیکھا اور نظر ٹھٹک کر رہ گئی، اس کی سرخ و سفید رنگت سنولا گئی تھی، سیاہ چمکدار آنکھیں بجھی ہوئی تھیں اور پپڑی زدہ ہونٹ مکمل طور پر بھینچے ہوئے تھے، زیریں لب کا سیاہ تل بہت تھکا ہوا، پژمردہ لگ رہا تھا بالکل نمروز کی طرح، وہ آہستہ آہستہ چلتا آگے آ گیا، حجاب اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''میں جانتا ہوں...... تم...... مجھے ...... قصوروار...... سمجھتی ہو...... تمہیں ...... لگتا ہے...... یہ...... سب ...... میری وجہ ...... سے ...... ہوا...... تمہیں بالکل ٹھیک ...... لگتا ہے، اگر میں اتنا نیک، ایماندار تھا تو سچ میں مجھے کوئی ٹرسٹ کھولنا چاہیے تھا۔...... سیاست جیسے ...... گند...... میں پیر...... رکھنا...... ہی نہیں ...... چاہیے تھا...... میری وجہ...... سے ...... ہوا...... ہے ...... یہ...... سب ...... میں بھول ...... گیا...... تھا...... کہ جس...... دلدل...... میں ...... میں نے ...... پیر رکھ دیا ہے...... وہ میری ساتھ منسلک ...... لوگوں ...... کو بھی...... نگل لے گی۔'' اُس کا لہجہ اتنا سرد، اتنا سپاٹ تھا کہ حجاب کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

''آج ہماری شادی کو ایک سال ہو گیا، ایک سال...... تین سو پینسٹھ دن ...... ایک سال ...... کیا...... پاپا...... میں نے ایک سال میں ......؟؟؟ صرف...... اُسامہ...... اور...... اس ...... کو بھی...... کھو دیا۔'' وہ تھک کر کارپٹ پر گر گیا۔

''میں ...... جانتا ہوں تم...... مجھ سے ...... نفرت ...... کرتی ہو...... اتنی بے انتہا...... اتنی زیادہ...... کہ میری شکل بھی...... دیکھنا...... پسند نہیں کرتیں ...... میں تمہارے پاس ...... آتا ...... ہوں اور تمہارے مسکراتے ہوئے لب آپس میں پیوست ہو جاتے ہیں...... تمہیں چھوتا ہوں

اور تمہارا وجود...... پتھر کے مجسمے میں بدل جاتا ہے جس میں ...... میں زندگی نہیں پھونک سکتا، میں تمہیں...... پیار کرتا ہوں اور تم اپنے آپ سے اتنی دور چلی جاتی ہو...... اتنی دور...... جہاں سے میں تمہیں...... واپس نہیں لا سکتا...... مجھے لگتا ہے میں ...... ایک بے حس وجود کو بازوؤں میں لیے پڑا ہوا، جو کسی بھی قسم کے احساس سے یکسر خالی ہوتا ہے، بالکل ویسا وجود...... جو ہم چند روپوں میں خرید لائیں اور وہ بالکل وہی کرتا ہے جو ہم اسے کہیں...... اتنی بے اندازہ نفرت ...... کیا...... تمہاری مرضی کے خلاف...... تمہیں اپنا کر میں نے اتنا بڑا گناہ کر دیا تھا کہ اس کی تلافی میں ایک پورے سال میں نہیں کر پایا؟ اتنا...... بڑا جرم تھا...... میرا؟ اُسامہ کی پیدائش پر مجھے لگا کہ شاید ہمارے رشتے میں کچھ تبدیلی آ جائے مگر...... نہیں ...... مجھے...... لگتا تھا کہ میں تمہارے بغیر جی نہیں پاؤں گا...... مگر دیر سے ہی سہی مجھے یہ احساس ہو گیا ہے کہ تمہارے بغیر میں زندہ رہ سکتا ہوں مگر تمہاری محبت کے بغیر نہیں...... میں نے تمہیں اتنا زیادہ، اتنا بے حساب چاہا ہے حجاب کہ مجھے لگا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی...... مگر...... مجھے اعتراف ہے ...... کہ تمہاری نفرت ...... میری محبت، سے زیادہ طاقتور تھی ...... تم ...... جیت گئیں، مجھے اعتراف ہے، میں یہ سب مزید نہیں سہہ سکتا، میں تھک چکا ہوں...... میں ٹوٹ ...... گیا ہوں...... اب...... اور...... نہیں ...... بس ...... اب ہمت ...... نہیں ہے میں تمہیں خود سے باندھ نہیں سکتا، یوں...... زبردستی...... کیا فائدہ؟ میں نہیں جانتا تھا کہ جس آگ سے میں کھیل رہا ہوں وہ میرے گھر کو جلا ڈالے گی، بیٹا کھو دیا ہے میں نے اور اب اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچتا دیکھوں میں...... تمہیں آزاد کرتا ہوں...... تم جاؤ یہاں سے بہت دور...... کہیں بھی ...... ہاں جانے سے پہلے ایک بار...... بس ایک بار...... میرے منہ پر کہہ دینا کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو تاکہ میں اپنی ساری زندگی اس احساس کے ساتھ گزار سکوں کہ میں اسی قابل تھا۔'' وہ اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گیا، حجاب ساکت بیٹھی تھی۔

☆☆☆

عمر بہت دیر سے فاروقی صاحب کے آفس میں موجود تھا، معاملہ خاصا پیچیدہ اور گمبھیر ہو چکا تھا، دونوں کے تنے ہوئے چہرے بتاتے تھے کہ جس بحث میں وہ پچھلے ایک گھنٹے سے الجھے ہوئے تھے وہ لاحاصل ثابت ہوئی تھی۔

''آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں فاروقی صاحب! میں ایس پی سے بات کر چکا ہوں، آپ......؟ عمر کی بات ادھوری رہ گئی۔

''میری بات سنو برخودار! جیسا تم سوچتے ہو ویسا بالکل تم اور تمہارے جیسے جذباتی نوجوان ہی سوچ سکتے ہیں، میری ساری زندگی ان وردی والوں کے درمیان گزر گئی ہے، تم مجھ سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے انہیں، یاد رکھو، یہ جس ایس پی کی تم بات کرتے ہو وہ ایک نمبر کا...... اور ویسا کچھ نہیں ہونے والا جس کا وہ تمہیں یقین دلا چکا ہے، یہ خود قاتلوں سے ملے ہوتے ہیں، باقاعدہ حصہ طے ہوتا ہے، بعد میں یہ یہاں تفتیش کا ڈرامہ رچا لیتے ہیں اور مجرموں کو آزاد علاقے کی طرف بھیج دیا جاتا ہے، مجھے بتاؤ؟ آج تک یہاں کتنے لوگوں کے قتل ہوئے اور کن کے مجرم پکڑے گئے؟ کسی ایک کے بھی نہیں تم ایک بے کار سعی میں مبتلا ہو۔'' فاروقی صاحب کا شدید غصیلا لہجہ گواہ تھا کہ وہ غصے میں اپنی ''اردو دانی'' بالکل بھول چکے تھے جو کہ ان کے لہجے کا ایک لازمی جزو بن چکی تھی۔

''تو آپ کا مطلب ہے گولی ماروں تفتیش کو اور خاموش ہو کر بیٹھ جاؤں۔'' عمر کا پارہ چڑھنے لگا۔

''نہیں تم ان کی فکر کرو جو باقی بچے ہیں، مینشن کی سختی سے حفاظت کی جائے، کسی غیر متعلقہ بندے کو قطعاً اندر جانے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر کسی کو بھیجا جائے، تو مکمل انکوائری کے بعد، ممکن ہے کہ وہ کوئی بم فکس کر دیں، ڈائنا مائٹ یا ہینڈ گرنیڈ، کچھ بھی ہو سکتا ہے اور خان صاحب کی حفاظت کا خصوصی خیال رکھو کیونکہ بہر حال وہ مین ٹارگٹ تھے ہو سکے تو...... بلکہ میرے خیال میں تو بہت ضروری ہے اور چاہیے بھی یہی کہ تم لوگ کسی پرائیوٹ سیکیورٹی ایجنسی کی خدمات حاصل کر لو۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا، عمران کی معاملہ فہمی پر دنگ رہ گیا۔

''میں سمجھتا ہو آپ کی بات، مینشن کے گرد ریڈ الرٹ ہے، لیکن کتنے دن......؟'' یہ سب کب تک جاری رہے گا؟ کس کروٹ بیٹھے گا یہ اونٹ؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آتی، آپ کو کیا لگتا ہے؟'' عمر کا لہجہ تھکا ہوا پریشان کن تھا۔

''دیکھو بھئی برخوردار! ہمیں اب وہ مت سمجھو گویا نجومی، بعض معاملات کو وقت پر چھوڑ دو۔'' انہوں نے پٹڑی بدل لی۔

عمر بہت تھکا اور پریشان سا وہاں سے اٹھا تھا، وہ حالات کی چال کو سمجھ چکا تھا اور حالات یہ سمجھاتے تھے کہ اعلیٰ سطح پر نمروز علی خان کا کردار ملکی سیاسیت پر ختم کرنے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے، اگر یہ حملہ ناکام ہو گیا تھا تو یقیناً اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آئندہ بھی ایسا ہو بہت ممکن تھا کہ آئندہ کیا جانے والا وار اتنا مضبوط اور ویل پلانڈ ہوتا کہ زندگی اور موت کی آنکھ مچولی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی، ان دگرگوں حالات میں نمروز کا لائحہ عمل کیا ہو گا، عمر قیاس کرنے سے قاصر تھا، اس کے ذہن میں صرف ایک سوال تھا۔

''کیا واپسی اتنی آسان ہو گی؟''

☆☆☆

رات تاریک اور گہری تھی ہر طرف دُھند کے مرغولے سے اٹھتے محسوس ہوتے تھے یوں جیسے دور کسی مرکز پر کوئی اناڑی بیٹھا آگ لگا رہا ہو اور دھواں چاروں طرف پھیل کر اس کا پول کھول رہا ہو، ایسی ہی دھند حجاب کے دل کے گرد ڈیرا جما چکی تھی، رات دھیرے دھیرے بیت گئی اور پھر......! فیصلہ ہو گیا......!

وہ آہستہ آہستہ اٹھی اور اس کے قدم بتدریج سٹڈی کی طرف بڑھتے چلے گئے، حجاب نے آہستگی سے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور دروازہ کھول دیا، بالکل سامنے صدف کھڑی تھی اور نمروز کی پشت حجاب کی طرف تھی وہ اس وقت ایزی چیئر پر جھول رہا تھا۔

''ایسا مت کیجئے خان! آپ کو اللہ کا واسطہ۔'' صدف دونوں ہاتھ جوڑ کر رو رہی تھی۔

حجاب ساکت سی اسے دیکھتی رہی۔

''کیوں دے رہے ہیں خود کو اتنی اذیت، نہیں رہ پائیں گے آپ، آپ ان کے بغیر جی نہیں پائیں گے، انہیں روک لیجئے۔'' وہ سراپا التجا بنی ہوئی تھی۔

''صدف! جاؤ یہاں سے۔'' حجاب کی تحکمانہ آواز ابھری، صدف چونکی پھر دوڑ کر اس تک پہنچ گئی۔

''بی بی صاحبہ! آپ مت جاؤ، آپ ادھر ہی رہو نا خان کے ساتھ آپ......''

''یہاں سے جاؤ۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا صدف خاموشی سے چہرہ صاف کرتی چلی گئی۔

حجاب آگے بڑھ گئی اب وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے، وہ سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا، کارپٹ پر استعمال شدہ سگریٹوں کے ٹوٹے پڑے تھے اور راکھ بکھری ہوئی تھی، حجاب کو حیرت کا جھٹکا لگا، چند سیکنڈ کے لیے وہ بالکل ساکت رہ گئی، اسے پتا تھا کہ نمروز کو سگریٹ اور شراب سے کتنی شدید نفرت تھی اور اب......؟ غالباً وہ اپنی فرسٹریشن اور ہائپر ٹینشن کو ریلیز کرنا چاہ رہا تھا۔

غصے کا شدید ترین ریلا حجاب کے دماغ میں اُمڈا تھا وہ طیش سے آگے بڑھی، اگلے ہی

لمحے اس نے سگریٹ اس کے ہاتھ سے چھینا اور اپنے ننگے پیر تلے مسل دیا۔

''تم ...... تم ...... ہوتی کون ہو ...... مجھے روکنے والی ......؟ ہاں ...... بولو؟'' نمروز کے دماغ کا فیوز اڑ گیا، اس کا دایاں ہاتھ اٹھا اور اگلے ہی لمحے چٹاخ کی آواز چھوڑتا حجاب کے گال پر نقش و نگار بنا گیا، وہ صدمے کی شدت سے ساکت رہ گئی۔

''کسی کے باپ کی ہمت نہیں مجھے روک کر دکھائے۔'' وہ دھاڑا تھا۔ وہ اس پر جھپٹ پڑی۔

''باپ کی بات کرتے ہیں، پہلے مجھ سے نمٹ کر دکھائیں، جان لے لوں گی آپ کی۔'' دونوں ہاتھوں سے اس کی شرٹ کے کالر کو جکڑے وہ چلائی تھی۔

وہ دنگ رہ گیا، دونوں ہاتھ اس کے کالر پر رکھے وہ آتش فشاں بنی ہوئی تھی۔

وہ بڑی پیاری، بڑی دلربا سی لڑکی جو خون بن کر اس کی رگوں میں دوڑ رہی تھی، جس نے اسے بیٹے جیسا انمول تحفہ دیا تھا جو اس کا دل تھی، اس کی جان تھی جیسے وہ ''زندگی'' کہتا تھا، وہ چیلنج بنی اس کے سامنے تھی اور نمروز نے ہمیشہ کی طرح آج پھر ہار مان لی، اس نے حجاب کو اپنی آغوش میں سمیٹا اور اس کے سرخ گال کو محبت سے چوما پھر اس کے پاؤں کی نازک ایڑی کو چوما جس پر جلتا سگریٹ مسلنے سے آبلہ سا بن گیا تھا، حجاب کا دل پانی ہوا تھا۔

''بہت ناراض ہیں مجھ سے؟'' حجاب نے آنسو ضبط کیے تھے، نمروز اذیت سے ہنسا۔

''تجھ سے کس بات کی ناراضگی؟'' اس کا لہجہ جنونی تھا، اس کی شدید محبت کا گواہ حجاب کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''کتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے؟'' حجاب نے بڑا عجیب سا سوال اٹھایا تھا۔

''کیسے ثبوت دوں؟ کیسے یقین آئے گا تمہیں؟ بولو، کیا جان دے دوں؟ کب تک کھڑا رکھو گی کسوٹی پر؟'' نمروز کا لہجہ ٹوٹا تھا، بے تابی چھلکی پڑ رہی تھی۔

وہ چند لمحے نمروز کا چہرہ دیکھتی رہی، بلا جھجک، یک ٹک، پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی پہ گرے بال سمیٹنے لگی، نمروز کو لگا اس کی سانس رک رہی ہو، یہ آج کیسا معجزہ ہوا تھا، یہ کیا کر رہی تھی وہ یہ کس خواب کی تعبیر تھی، وہ کسی مرغزار میں اترنے لگا۔

''کیا کر سکتے ...... ہیں ...... میرے لیے؟'' اس بار حجاب کا لہجہ پہلے سے بڑھ کر ناقابل فہم تھا۔

''جو تم ...... کہو۔'' نمروز کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''جو ...... بھی ......؟'' حجاب نے تصدیق چاہی، وہ ایک پل کے لیے ٹھٹکا پھر پرسکون ہو کر سر اس کی آغوش میں رکھ دیا۔

''ہاں، جو بھی تم چاہو۔''

''میں ...... میں چاہتی ہوں ...... کہ آپ ...... پی جے ایف کے چیئرمین کی حیثیت سے ریزائن کر دیں۔'' حجاب نے دھماکہ کیا تھا، نمروز پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اقتدار کی جنگ بہت بُری ہے نمروز! ہم یہ جنگ نہیں لڑ سکتے، ہم نے اپنا بیٹا کھو دیا ہے۔'' وہ نمروز کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں تھامے بولی تھی۔

''لیکن تم ......'' نمروز نے کچھ کہنا چاہا، حجاب نے اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''میری بات سُنیں! آپ ایک سیاسی جماعت کے سربراہ ہیں اور حقیقتاً اس جماعت نے گزشتہ چند برسوں میں خاصی ترقی کی ہے اور آپ کا سیاسی مستقبل بھی خاصا روشن تھا مگر ...... حریف ...... سیاسی حریف ...... اقتدار کے دشمن ...... سازشی عناصر ...... ان سب نے مل کر آپ کی احمقانہ حد تک ایمانداری اور نیک فطرت کا صلہ یہ دیا کہ انہوں نے آپ کو اس پوسٹ اور پی۔ جے۔ ایف کی چیئرمین شپ سے ہٹانے کی خوفناک سازش کی، آپ کو پتا ہے اگر وہ قاتلانہ حملہ کامیاب ہو جاتا تو کیا ہوتا، آپ کا شاندار مزار تعمیر کیا جاتا جس پر ''شہید نمروز علی خان'' کا کتبہ آویزاں کیا جاتا، خصوصی ضمیمے شائع کیے جاتے''۔

''آپ کی پارٹی کے سینئر نائب صدر کو قتل کیا جا چکا ہے، رستہ صاف ہوتا، جمیل درانی چیئرمین بنتا اور رحیم انصار نائب صدر، ترتیب الٹی بھی ہو سکتی تھی، کیا فرق پڑتا ہے، لیکن، خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا، لیکن ...... اگر نہیں ہو سکا تو ...... اس کا مطلب یہ نہیں کہ ...... آئندہ بھی ...... نہیں ہوگا، حکومت کچھ نہیں کرے گی اسے مخالفین کی کاروائی کہا جائے گا یا پھر ریاستی دہشتگردی، اس سے کیا فرق پڑتا ہے، آپ ان جیسے نہیں بن سکتے، یہ سب چھوڑ دیں ...... میرے لیے ...... ہم کہیں بھی چلے جائیں گے ...... خدا کی زمین بہت وسیع ہے، میں جانتی ہوں پارٹی میں آپ کے اثاثے ہیں، آپ یہ سب چھوڑ دیں، یہ بزدلانہ اقدام نہیں ہوگا، یہ زندگی بچانے کے لیے صرف ایک خوش آئندہ اقدام ہوگا، آپ بحیثیت وفاقی وزیر ریزائن کر دیں، ہمیں کسی سے کوئی بدلہ نہیں لینا اور ویسے بھی آج تک یہاں کون سے مجرم پکڑے گئے ہیں جو ہم امید رکھیں، ہم اپنا معاملہ خدا پر بھی تو چھوڑ سکتے ہیں، میری بات ...... مانیں گے نا؟ مجھے آپ کی ضرورت ہے نمروز! مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے ہمیشہ۔'' وہ ٹھنڈے میٹھے لہجے میں سحر پھونک رہی تھی اور کسی

تنویمی عمل کے زیرِ اثر وہ گنگ سا اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ کیسی سحر کاری تھی کہ وہ بچ نہیں پا رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں فیصلہ بہت مشکل ہے لیکن ایک بار آپ ہمت کریں تو سب آسان ہو جائے گا۔'' حجاب نے اسے حوصلہ دیا۔

''میں ...... ریزائن ...... کردوں ...... گا۔'' نمروز نے کہہ کر سختی سے آنکھیں میچ لیں تھیں ایک لاحاصل جدوجہد کا دکھ! ایک پراذیت سفر کا اختتام! بیٹے کا دکھ! تبدیلی نہ لاسکنے کا دکھ! وہ کس کس دکھ کو روئے، وہ کس نقصان پر ماتم کرے، حجاب یک ٹک اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''شکریہ! یہ آپ کا احسان ہے مجھ پر، آج سے آپ کے مجھ پر دو، احسان ہیں، ایک مجھے چاہنے کا، دوسرا میرے لیے سب چھوڑنے کا، آپ مجھے زندگی مانتے ہیں نا تو جان لیں کہ میں جینا چاہتی ہوں۔'' حجاب نے جھک کر اس کی ساحر آنکھوں کو چوما اور اس کے سیاہ تل کو چوما پھر اسے محبت اور وارفتگی سے سینے سے لگا لیا نمروز کے آنسو اس کے سینے میں جذب ہونے لگے، وہ کسی ننھے بچے کی مانند اس کی آغوش میں سمٹا ہچکیوں سے روتا رہا۔ ''میرا بچہ! میرا اُسامہ چھین لیا مجھ سے انہوں نے۔''

''دیکھو حجاب! میرے ساتھ کیا کیا ظالموں نے ...... میں کیا کروں؟ میرا دل پھٹتا ہے جب میں تمہاری خالی آغوش دیکھتا ہوں۔ میرا وجود ریزہ ریزہ ہونے لگتا ہے جب مجھے اُس کی معصوم قلقاریاں سُنائی نہیں دیتیں۔ میرا دل چاہتا ہے میں ...... اُن سب کو گولیوں سے اُڑا دوں جو اس سب کے ذمہ دار ہیں۔ میں کیا کروں؟''

وہ بچوں کی طرح سسک رہا تھا۔

''بس کریں نمروز ...... آپ تو بہت مضبوط ہیں، مرد تو روتے نہیں ہیں۔'' وہ اُس کے بالوں پہ لب رکھتے ہوئے بولی تھی آنسو بے آواز بہتے ہوئے نمروز کے گھنے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

''کیوں؟ کیوں نہ روؤں؟ کیا مرد انسان نہیں ہوتے؟ کیا مجھے درد نہیں ہوتا؟ کیا میرا وجود پتھر کا ہے؟'' وہ اور زیادہ شدت سے رو دیا تھا۔

''مگر میں اپنے ضبط کو آزماؤں گا۔ میں کسی سے کوئی بدلہ نہیں لوں گا۔ یقیناً میرا رب بہتر انصاف کرنے والا ہے۔'' وہ دلسوز لہجے میں بولا تھا۔

حجاب کو صحیح معنوں میں اس کی شدید محبت اور لامحدود عشق کا اندازہ ہوا تھا، اس کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا احساس ہوا تھا، وہ اس کی محبت میں من تو شدم تو من شدی کی حد تک آچکا تھا اس نے اپنی مرضی، خواہش، چاہ سب کو مٹا دیا تھا۔

؎ سر تسلیم غم ہے جو مزاج یار میں آئے

☆☆☆

سحاب مسلسل دروازہ پیٹ رہی تھی۔

''بھیا ...... عمر بھیا ...... اٹھ جائیں ...... بھیا ...... اُٹھیں ...... اف اللہ ...... اللہ ...... بھیا ...... امی جان! یہ نہیں اٹھ رہے۔'' وہ جھنجلا کر گئی، دروازہ بجا بجا کر ہاتھ دُکھ رہے تھے، آمنہ بیگم فون پر مصروف تھیں۔

''تمہیں پتا تو ہے حجاب کتنی گہری نیند ہے عمر کی، اب اٹھ نہیں رہا، فکر نہ کرو، شام کو آؤں گی اس کے ساتھ۔'' انہوں نے فون رکھا اور سحاب کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''کیا کہہ رہی تھیں آپی؟''

''کچھ نہیں، آنے کا کہہ رہی تھی، میں نے بھی کہہ عمر کے ساتھ آؤں گی، اللہ نے بڑا جگر دیا ہے میری بچی کو، صبر کا اجر ملے گا انشاءاللہ۔'' انہوں نے دوپٹے کے کونے سے آنکھیں پونچھیں، اسی وقت صفیہ بیگم اندر آئیں۔

''آمنہ! کیوں بچی کو پریشان کرتی ہو۔''

انہوں نے سحاب کی پریشان صورت دیکھ کر آمنہ بیگم کو ڈپٹا، سحاب خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی پھر سر ان کے شانے سے ٹکا کر سسکیاں بھرنے لگی۔

''مجھے اُسامہ یاد آ رہا ہے بڑی امی۔'' وہ اس کا سر سہلانے لگیں۔

''روتے نہیں میری بیٹی! وہ رب کی امانت تھا اور امانت تو ہر حال میں لوٹانی پڑتی ہے، صبر کرو۔''

''مجھے آپی کے پاس جانا ہے۔'' سحاب نے ضد کی۔

''ابھی نہیں، اسے سنبھلنے دو، ایسا نہ ہو وہ پھر ضبط کھودے۔'' صفیہ بیگم نے سمجھایا، وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہی، اسی وقت عمر سیڑھیاں اترتا نظر آیا، بکھرے بالوں سمیت، آنکھوں میں نیند کا خمار لئے، موجود سچوئیشن پر غور کیے بغیر اس نے آواز لگائی۔

''سحاب! میرے کپڑے نکال دو۔''

''عمر یہاں آؤ بیٹے۔'' صفیہ بیگم نے پکارا ''جی امی جان! ارے سحاب! کیا بات ہے؟'' وہ چونکا۔

‘‘مجھے آپی کے پاس جانا ہے۔’’ اس نے بچوں کی مانند ضد کی۔

‘‘تو اس میں رونے کی کیا بات ہے ادھر آؤ، شاباش، امی جان! آپ میرے لیے ناشتہ بنائیں۔’’ عمر نے صفیہ بیگم کو اشارے سے جانے کا کہا، وہ خاموشی سے اٹھ گئیں۔

‘‘اب بولو کیا بات ہے؟ حجاب کے ہاں جانا ہے؟’’ عمر نے سحاب کو چمکارا۔

‘‘ہوں۔’’ اس نے سُوں سُوں کرتی ناک کو رگڑا۔

‘‘شام کو تیار رہنا چلیں گے۔’’ وہ ہلکے سے مسکرایا، سحاب نے فوراً سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

خالد عباسی آج ہی پندرہ دن بعد دبئی سے لوٹا تھا، غصے میں وہ پاگل ہو رہا تھا۔

‘‘خان صاحب! کیس کریں آپ ان کتوں کے خلاف، حد ہے، آپ خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہیں وہ ذلیل دُرانی کھل کے کھیل رہا ہے، کس بات کا ڈر ہے آپ کو؟ چوٹی کے وکیل ہیں ہمارے پاس، میں ہر قسم کے مقدمے کھڑے کروں گا ان پر دیوانی بھی اور فوجداری بھی، برباد کر دوں گا...... قسم اللہ کی...... یہ احسان فراموش...... نمک حرام...... میں چھوڑوں گا نہیں کسی کو...... آپ کیا کرتے رہے ہیں؟’’ وہ برس پڑا، نمروز خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، خالد کچھ کنفیوز ہوا تھا۔

‘‘پھر...... کیا...... ہو گا؟’’ نمروز نے سرد لہجے میں پوچھا۔

‘‘ہم ان سے قانونی جنگ لڑیں گے۔’’

خالد نے جارحانہ لہجے میں کہا۔

‘‘جبکہ میرے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی جا چکی ہے جسے پارٹی کی ایگزیکٹو کمیٹی اکثریت کے ساتھ منظور کر چکی ہے۔’’ نمروز نے بے تاثر مگر بدستور سرد لہجے میں پوچھا، ایک پل کے لیے خالد لاجواب ہو گیا۔

‘‘لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سب کچھ ان کے حوالے کر کے بزدلوں کی طرح منہ چھپا کر بیٹھ جائیں۔’’ وہ تپا ہوا تھا۔

‘‘ٹھیک ہے، آج شام پریس کانفرنس بلاؤ مینشن میں، خیال رہے کہ حفاظتی انتظامات مکمل ہوں، یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔’’ وہ عجیب سے انداز میں بولا تھا، خالد عباسی کا چہرہ چمک اٹھا۔

‘‘جو حکم خان صاحب! آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا، ہم ان غداروں کی ایسی تیسی کر دیں گے مل کر۔’’ وہ پرجوش سا بولا تھا۔

‘‘میں چلتا ہوں، انتظامات کرنے میں وقت لگے گا۔’’ وہ اٹھ گیا، نمروز نے خاموشی سے جانے کی اجازت دے دی۔

اسی شام عمر آیا تو تنہا تھا، حجاب اسے بیڈ روم میں ہی لے آئی، اسے صوفے پر بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی کمبل میں دبک گئی۔

‘‘امی جان کو نہیں لائے؟’’ حجاب نے کہا۔

‘‘وہ کہہ رہی تھیں بلکہ سحاب بھی ضد کر رہی تھی مگر میں نے سوچا کہ پہلے اکیلا ہی صورتِ حال کا جائزہ لے آؤں۔’’ عمر نے کہا۔

‘‘اچھا اور باقی سب ٹھیک ہیں؟’’ حجاب نے ہلکے سے مسکرا کر پوچھا، عمر کو حیرانگی ہوئی، وہ بالکل نارمل نظر آ رہی تھی۔

‘‘ہاں، سب ٹھیک ہیں، تم سناؤ، بھائی کہاں ہیں؟’’ عمر نے اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر نمروز کا پوچھا۔

‘‘وہ اسٹڈی میں بزی ہیں۔’’ حجاب نے بتایا۔

‘‘کس کے ساتھ......؟’’ عمر نے پوچھا۔

‘‘فون پر۔’’

‘‘کس کا فون ہے؟’’ عمر کے صحافیانہ تجسس نے جوش مارا۔

‘‘کسی اہم سرکاری شخصیت کا۔’’ حجاب نے بتایا۔

‘‘کس سلسلے میں؟’’ عمر نے مزید کریدا۔

‘‘چھوڑو سلسلے کو، یہ بتاؤ فنکشن کب کرنا ہے منگنی کا؟’’ حجاب نے کہا۔

عمر کو جھٹکا لگا، اُسامہ کی وفات کو دس دن ہوئے تھے اور وہ فنکشن کا پوچھ رہی تھی۔

‘‘کس کی منگنی کا؟’’ وہ حیرت سے بولا۔

‘‘میری تو ظاہر ہے اب ہو نہیں سکتی اس لیے تمہاری کا ہی پوچھ رہی ہوں۔’’ وہ جھلائی، عمر کو بھی ماننا پڑا کہ اسے واقعتاً نارمل ہو جانا چاہیے۔

‘‘اتنی جلدی کیا ہے؟’’ عمر نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

‘‘جلدی......’’ حجاب کی بات اسٹڈی سے نکلتے ہوئے نمروز نے مکمل کی۔

‘‘جلدی...... مجھے...... ہے۔’’ وہ آگے بڑھا۔

‘‘السلام وعلیکم!’’ عمر نے گرمجوشی سے معانقہ کیا اور بغور نمروز کا جائزہ لیا، وہ اسے کافی

ہشاش بشاش اور بدلا ہوا سا لگا۔

''کیسے ہیں بھائی؟'' عمر نے خوشدلی سے پوچھا۔

''حجاب سے پوچھو۔'' نمروز نے میٹھی نظر سے حجاب کو دیکھا اور شرارت سے کہا، تینوں کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

''آپ کو پتا ہے کہ آپ کے ''سالے'' کے عہدے پر فائز ہونے سے پہلے میں سوچا کرتا تھا کہ اس بندے میں حسِ مزاح ہے ہی نہیں مگر...... آپ نے تو کمال کر دیا۔'' عمر بمشکل ہنسی روک کر بات پوری کی۔

''اور تم سناؤ ٹھیک ہو؟'' نمروز نے پوچھا۔

''الحمدللہ۔''

''میں چاہ رہا ہوں کہ فنکشن جلدی ارینج کر لو۔'' نمروز نے کہا۔

''لیکن...... اتنی جلدی...... کیوں؟...... خیریت؟'' عمر اب کی بار صحیح معنوں میں ٹھٹکا۔

''ان حالات میں...... تمہیں کیا لگتا ہے عمر، مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' نمروز نے اچانک موضوع بدلا، عمر چونکا۔

''آپ میری رائے لینا چاہ رہے ہیں؟'' عمر نے کچھ جھجک کر پوچھا۔

''کہہ سکتے ہو۔'' نمروز نے شانے اچکا کر کہا، حجاب اس دوران خاموشی سے دونوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

''اگر میری...... رائے لینا چاہ رہے...... ہیں تو...... میرے...... خیال سے آپ کو ریزائن کر دینا چاہیے۔'' عمر نے رک رک کر بات مکمل کی، نمروز ہلکے سے مسکرایا، شکست خوردہ سی مسکراہٹ۔

''ہاں، ٹھیک کہا تم نے، حجاب نے مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ دیکھئے گا عمر کی رائے بھی یہی ہوگی، بالکل ایک جیسی سوچ ہے تم دونوں کی۔''

نمروز نے کہا۔

عمر کو ایک بار پھر حیرت کا جھٹکا لگا، کچھ لمحوں کے لیے وہ کچھ بول نہیں سکا، آج واقعی حیران ہونے کا دن تھا۔

''تو...... آپ کا مطلب ہے کہ...... آپ......'' عمر نے ہچکچا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ٹھیک سمجھے ہو تم، میں...... ریزائن کر رہا ہوں۔'' نمروز نے کہا۔

حجاب جانتی تھی کہ اس نے یہ جملہ کس حوصلے سے لبوں سے ادا کیا تھا، اس نے خاموشی سے بیڈ پر دھرے نمروز کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا، وہ اس کا حوصلہ بن جانا چاہتی تھی، وہ اس کے پیروں کی ثابت قدمی بن جانا چاہتی تھی وہ اس کے چٹان سے وجود کا (جو کہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا تھا) سہارا بن جانا چاہتی تھی، نمروز نے تشکر سے اسے دیکھا۔

''کیا...... واقعی......؟ لیکن اس طرح...... کیا آپ کا یہاں رہنا ممکن ہوگا؟'' عمر نے تیزی سے اگلا سوال داغا، نمروز اس کی ذہانت پر عش عش کر اٹھا۔

''اچھا سوال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں اس ملک کے نظام کو تم سے یقیناً تھوڑا زیادہ جانتا ہوں اور میرا علم کہتا ہے کہ ان حالات میں یہاں رہنا ناممکن ہے، پریس، میڈیا عوام اور ایجنسیاں، ان سب سے بچنا مشکل ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے منظر سے ہٹ جایا جائے۔'' نمروز نے کہا، عمر ایک بار پھر چونکا۔

''آپ کہیں اور شفٹ ہونا چاہ رہے ہیں؟'' عمر نے بے چینی سے پوچھا، نمروز نے توصیفی انداز میں سر دھنا۔

''کمال کی ذہانت پائی ہے جناب آپ نے اور اس کا جواب ہے ہاں۔'' نمروز نے سکون سے کہا۔

''کہاں؟'' عمر نے تیزی سے کہا۔

''نیویارک۔'' نمروز نے بتایا۔

''خود ساختہ جلاوطنی۔'' عمر نے بے ساختہ کہا پھر پوچھا۔

''نیویارک جانے کی کوئی خاص وجہ؟''

''ہاں، وہاں ''خان بلڈرز'' کے نام سے فرم ہے میری ذاتی اگر میں سیاست میں نہ ہوتا تو اب تک اپنی بزنس ایمپائر کھڑی کر چکا ہوتا، میں نے کولمبیا یونیورسٹی سے ایم ایس کیا ہے اور میں اپنے بیچ کا سب سے جینئس سٹوڈنٹ تھا، یہ تو تقدیر کے پھیر نے سیاست میں پھینکا ورنہ میں کہاں...... خیر...... تمہارے نزدیک کیسا فیصلہ ہے؟'' نمروز نے کہا۔

''حالات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بالکل ٹھیک ہے اور جذبات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بالکل غلط ہے۔'' عمر نے کہا۔

''وہ کیسے؟'' نمروز نے کچھ دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''حالات کے تناظر میں یہ فیصلہ بہترین ہے، لوگوں کے حافظے ویسے بھی کمزور

ہوتے ہیں بقول شاعر۔''

۔ ''خلقتِ شہر تو کہنے کو فسانہ مانگے

'' آپ کچھ دیر منظر سے ہٹ جائیں گے تو سب کو بھول جائے گا، لیکن صرف اس صورت میں کہ آپ سیاست کو ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہہ دیں دوسری بات ہے جذبات کی، میرا مطلب حجاب سے تھا کہ وہ آمادہ ہے یوں اتنی ...... دور ...... اجنبی شہر...... رہنے کی مدت بھی نامعلوم......'' حجاب نے عمر کی بات قطع کی تھی۔

'' یہ میرا بھی فیصلہ ہے۔'' عمر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اچھی بات ہے، پھر تو کوئی مسئلہ نہیں۔''

''تو پھر فنکشن کب ارینج کرنا ہے؟'' حجاب نے کہا۔

''وہ کوئی مسئلہ نہیں، مل بیٹھ کر کچھ فائنل کرلیں گے۔'' عمر نے نمروز کو دیکھ کر کہا۔

'' آپ کل حجاب کو لے کر آئیں پھر دیکھ لیتے ہیں کیا کرنا چاہیے۔'' نمروز نے تائید بھرے انداز میں سر ہلایا تھا، کچھ دیر مزید اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد عمر ایک بار پھر انہیں آنے کا کہہ کر چلا گیا اور اسی شام نمروز علی خان نے ایک مختصر سی پریس بریفنگ میں صحافیوں کے کسی بھی قسم کے سوال کا جواب نہ دیتے ہوئے اپنے استعفے کا اعلان کر دیا تھا، بحیثیت وفاقی وزیر بھی اور بحیثیت چیئر پرسن بھی، اس کے ساتھ ہی اپنے پارٹی میں موجود اثاثوں میں سے بھی دستبرداری کا اعلان کیا تھا، پارٹی ریکارڈ اور ورکرز کی تفصیلات کا ریکارڈ بھی جمیل دُرانی کے حوالے کرنے کی ہدایت خالد عباسی کو کر دی تھی۔

کھٹا کھٹ کیمروں کے فلش چمک رہے تھے، نوٹ بکس پر قلم گھسیٹنے کی آواز کے سوا کوئی شور نہ تھا، نمروز علی خان نے اپنی بات ختم کی اور واپسی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، صحافی تیزی سے اس کی طرف لپکے تھے مگر باڈی گارڈز نے اتنی ہی تیزی سے ان پر قابو پایا اور صرف دس منٹ میں ''مینشن'' کا لان خالی ہو چکا تھا، وہ بیڈ روم میں آیا تو اس کے قدموں میں صدیوں کی تھکن تھی لاحاصلی کا دکھ! یکطرفہ جدوجہد کا بے مقصد انجام۔ حجاب نے اسے یوں سنبھالا جیسے وہ کوئی نازک کانچ ہو، وہ بچوں کی مانند اس کی آغوش میں سمٹ گیا، سفید سوٹ میں حجاب اسے کسی مہربان پری کی مانند دکھائی دی تھی، جس نے اسے اپنی مہربان آغوش میں سمو لیا تھا، نمروز نے آنکھیں بند کرلیں وہ گہری نیند سونا چاہتا تھا تاکہ جب جاگے تو اس کے ذہن کو یہ خدشے، واہمے، پریشان کن سوچیں اور مایوس کن خیالات نہ ستائیں وہ کھل کے ہنس سکے، وہ پھر سے خواب دیکھنا چاہتا تھا۔

کیونکہ!

خواب مرتے نہیں
خواب تو دل ہیں
خواب تو روح ہیں
خواب تو خوشبو ہیں
خواب تو روشنی ہیں
خواب تو زندگی ہیں
زندہ رہنے کی وجہ ہیں
خواب مرتے نہیں

☆☆☆

ایک ہفتے بعد عمر اور ثناء کی منگنی کا فنکشن بڑی خوش اسلوبی سے انجام پا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی نمروز اور حجاب کے نیویارک جانے کی ساری تیاری مکمل ہو گئی تھی۔

نمروز علی خان کے اس فیصلے پر دو طرفہ عوامی ردعمل سامنے آیا تھا، سنجیدہ اور مفکر طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کے نزدیک یہ حالات کے تناظر میں بروقت اور موزوں فیصلہ تھا جبکہ عوامی رائے اور پریس بڑی تیزی سے اس کے خلاف ہوا تھا اور اس کے فیصلے کو بزدلی قرار دیا گیا تھا۔

نیویارک جانے سے، ایک روز قبل 29 دسمبر کو رحیم انصار نے اپنی پریس کانفرنس میں اس کے خلاف خوب زہر اگلا تھا جس میں نمروز علی خان کو صاف جھوٹا، بے ایمان اور غدار قرار دیتے ہوئے اس نے ان پر بے جا الزامات عائد کیے تھے۔

لاؤنج کے صوفے پر نیم دراز ٹی وی کھولے بیٹھے نمروز نے یہ سب سنا تھا اور اس کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ آ گئی براؤننگ کی نظم مکمل ہو گئی تھی۔

"Alack it was i who leapad at the sun
To give it my loving friends to keep
Naught man could do, have i left un-done.
And you see my harvest?

What i reap -----------?
This very day, now a year is run:
In triumphs .people have deropped down dead
Paid by the wold: what does thou owe----?
Me? ---- God might question: now instead.
Tis God shell repay :lam safer so.

اس کا ذہن خلاؤں میں بھٹک رہا تھا۔

I am safer so?
I am safer so ?

اس کا سر دکھنے لگا، اسے لگا اگر وہ کچھ دیر مزید اس طرح بیٹھا رہا تو شائد پاگل ہو جائے، اسی وقت حجاب اندر آئی تھی۔

''ایسے کیوں بیٹھے ہیں؟'' وہ متفکر ہوئی، نمروز نے سر جھٹک کر سارے خیالات کو بھگانے کی کوشش کی۔

''تمہارے ہاں چلتے ہیں، پیکنگ تو ہوگئی ساری، میں نہیں چاہتا ہمیں سی آف کرنے کوئی ایئر پورٹ جائے یہیں سب سے مل لیتے ہیں۔''

وہ کہہ کر اٹھ گیا۔

''جیسا آپ چاہیں، میں چینج کرلوں۔'' وہ بھی کہتی ہوئی ساتھ ہولی۔

کمرے میں آ کر حجاب نے وارڈ روب کھولی اور لباس منتخب کرنے لگی، وہ حیدر آبادی کرتا پاجامہ منتخب کر چکی تھی جب نمروز کی آواز آئی۔

''کبھی ہمیں بھی خوش کر دیا کریں بیگم صاحبہ!'' نمروز نے حسرت سے کہا۔

وہ چونکی، وہ اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا کہ اگر وہ مڑنے کی کوشش کرتی تو لازماً اس سے ٹکرا جاتی، حجاب نے خاموشی سے ہینگر واپس لٹکا دیا، ایک خوبصورت گلابی لباس نکالا اور مڑی پھر ٹکرائی۔

''اب خوش ہیں؟'' اس نے لباس نمروز کی نظروں کے سامنے لہرایا۔

''سب جانتی ہو تو مانتی کیوں نہیں ہو؟'' وہ افسردگی سے پوچھ بیٹھا۔

''میں بہت خود پرست انسان ہوں حجاب! مجھے ہر طرح سے یقین دلایا گیا کہ میں ''پرفیکٹ'' ہوں، مجھ جیسے انسان کو محبت نہیں کرنی چاہیے تھی، میں زندگی کو ''فیئر اینڈ سوکیئر'' انداز میں گزارنے کا عادی ہوں، بس تمہارے معاملے میں بے ایمانی کی تھی آج تک بھگت رہا ہوں، میں سوچتا ہوں...... کیسا ہوتا تمہارا آئیڈیل؟...... کیا سوچتی ہو تم اس کے بارے میں...... اور...... کیا مجھ میں کوئی بھی ایسی خوبی نہیں جو تمہیں اچھی لگتی ہو...... ہاں...... میں کچھ تلخ مزاج ضرور ہوں مگر...... تمہارے معاملے میں نہیں ہوں، بولو نا! کیا میں واقعی بے حد بُرا انسان ہوں؟ مگر...... میں...... کیا کرتا سارا قصور تمہارا ہے، کیوں انسان اتنا اچھا لگے کہ اسے اپنا بنائے بنا چارہ نہ رہے،'' وہ سارا قصور اس پر ڈال گیا۔

حجاب کے ہاتھ سے ہینگر بہت آہستگی سے چھوٹا تھا اور زمین پر گر گیا، وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی، اسے آج پہلی بار نمروز کی آنکھوں سے خوف محسوس نہیں ہوا، ان ہیروں کی مانند دمکتی آنکھوں نے اسے سٹپٹانے پر مجبور نہیں کیا تھا، اس کے زیریں لب کے سیاہ تل نے اسے عجیب سے انداز میں اپنی طرف کھینچا، وہ چند لمحے اس کو دیکھتی رہی پھر آہستگی سے دونوں بازو اس کے گرد حمائل کر کے سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

ہم تو ساکنانِ فلک تھے قریۂ مہتاب تھے
تمہارے ہاتھ کیسے سے آ گئے ہم تو بڑے نایاب تھے

حجاب نے آہستہ آہستہ بڑے ردھم سے شعر پڑھا، وہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتا رہا پھر اسے بازوؤں میں بھینچ ڈالا۔

''یو چیٹر! مجھے لگا تھا تمہیں شاعری پسند نہیں۔'' وہ تلملا کر کہہ رہا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ایک بات کہوں؟'' وہ سنجیدگی سے، بولی۔

''ہوں۔''

''مجھے اعتراف ہے کیونکہ اگر اعتراف نہ کروں گی تو ناشکری کہلاؤں گی۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

''کیسا اعتراف؟'' وہ چونکا۔

''مجھے فخر ہے کہ میں نمروز علی خان کی ہوں۔'' وہ تفخر سے بولی۔

وہ گنگ سا اسے دیکھتا رہا، اتنی بڑی مسرت، اتنی بے پایاں خوشی، نمروز کا دل سینے میں جیسے زندہ ہو گیا۔

''بڑی گھنی ہیں آپ! کبھی خبر نہیں ہونے دی۔'' وہ مسکرایا تو سیاہ تل جگمگا اٹھا۔

''خبر تو آپ کو ہونی چاہیے، پتا نہیں کیا کیا سوچ بیٹھے تھے اپنی مرضی سے سب کچھ خود ہی فرض کر لیا تھا، نظریاتی اختلاف اپنی جگہ مگر کوئی اپنے آپ کو یونہی تو کسی کے حوالے نہیں کر دیتا۔''

وہ نظریں جھکائے بولی تھی۔

جھوٹ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تو نہیں بولا جا سکتا، وہ بھی تو مسلسل جھوٹ بول رہی تھی نمروز سے، ایک کے بعد ایک جھوٹ، اس دن سے، جب اس نے نمروز کو ریزائن دینے پر منایا تھا، اسے یاد تھی عمر کی بات۔

''نمروز بھائی کو کسی طرح بھی مناؤ حجاب! انہیں ریزائن کرنا پڑے گا ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے، مطلب سمجھتی ہو نا، کچھ بھی کا، ہلکا سا ٹریلر دیکھ چکی ہو، اتنا بڑا نقصان اٹھا چکے ہو تم لوگ، اپنا بیٹا کھو دیا ہے، اب اور کیا دیکھنا باقی ہے؟ میں جانتا ہوں تم انہیں منا سکتی ہو اور تمہیں انہیں منانا ہی ہوگا کسی بھی طرح ہم کسی بڑے نقصان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔''

اور حجاب نے اسے منا لیا تھا وہ جان گئی تھی کہ اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا وہ اس کا سائبان تھا اس کا چھپر، اگر اسے چھوڑ دیتی تو واپسی کا راستہ کیا ہوتا......؟ کچھ بھی نہیں، واپسی کا راستہ نہیں تھا، اس نے اپنے ہر عمل اور بات سے نمروز کے گرد جھوٹ کا ایک جال بُن دیا اور ہر روز اس جال میں گرہ لگتی جا رہی تھی، آج یہ جال اتنا مضبوط ہو چکا تھا کہ اس میں نمروز کا پورا وجود مقید ہو گیا۔

''کیا وقت ہوا ہے حجاب؟'' نمروز نے کھلی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''آٹھ بج رہے ہیں کیوں؟'' وہ بے مقصد سوال پر پریشان ہوئی۔

''رات کے نا!'' وہ معصومیت سے بولا۔

''ہاں۔'' وہ الجھی۔

''فلائٹ کب ہے ہماری؟''

''کل دو بجے۔''

''دن کے نا!'' وہ معصومیت سے بولا۔

''ہاں۔'' وہ جھلائی۔

''تو تمہارے گھر کل جائیں گے نا!'' اس نے کہتے ہوئے حجاب کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔

''یہ چیٹنگ ہے۔'' وہ بات کی گہرائی جان کر چلائی، نمروز کا قہقہہ چھت پھاڑ تھا۔

''یہ بھی تمہارا قصور ہے، میں نے تمہیں خوش کرنے کو کہا تھا، اتنا ''زیادہ'' خوش کرنے کو نہیں کہا تھا۔'' وہ ہنسا۔

''اور ابھی تو تمہیں پورا دیوان سنانا ہے۔''

وہ معنی خیزی سے بولا۔

''مجھے شاعری اتنی بھی پسند نہیں ہے۔''

حجاب نے احتجاج کیا تھا، مگر...... بے سود......!

''نمروز......!'' وہ بسوری۔

یہ کس نے پکارا ہے عدم اتنی چاہ سے
احساس برتری سے خدا ہو گیا ہوں میں

اُس کے بھنور کو چومتے ہوئے اس نے بے ساختہ شعر پڑھا، گویا آغاز کر دیا۔

☆☆☆

اگلا دن طلوع ہوا، شام کا آخری دن، تمام امیدوں کے خاک ہونے کا دن، تمام آرزوؤں، تمناؤں اور تبدیلی کی خواہشات کے ناتمام رہ جانے کا دن، نمروز اور حجاب کے وطن کی سرزمینِ عزیز کو چھوڑ دینے کا دن......!

سال کا آخری دن ان دو نفوس کے لیے کچھ خاص خوشی لیے ہوئے نہیں تھا، حجاب کی حالت بڑی عجیب سی تھی، اپنوں سے دور، وطن سے دور، اجنبی جگہ، اجنبی لوگ، کیسی ہوگی زندگی؟ سوچتے ہوئے اس کے دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ جاری تھی۔

نمروز کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھی۔

وہ دونوں حجاب کے ہاں چلے گئے، سب کے ساتھ ہنستے بولتے، چائے پیتے ہوئے نمروز کا دل بڑا خالی تھا، اتنے دنوں سے خود پہ چڑھایا ہوا بے حسی اور بے نیازی کا خول تڑخنے کو تھا، اقتدار کا نشہ، لوگوں کے ذہنوں پر حکومت، وی وی آئی پی پروٹوکول، سب ختم ہو گیا۔

Thus i entered thus i go ?
I am safer so ?

عوامی رائے یکسر اس کے مخالف جا رہی تھی، شہر میں مختلف جگہوں پر اس کے خلاف جلوس نکالے گئے اس کی تصور والے بینرز کو آگ لگائی گئی، مشتعل ہجوم کی نعرے بازی!

''کرپٹ وزیر کا احتساب کرو۔''

''احتساب کرو، ظلم ختم کرو۔''

یہ کون لوگ تھے، یہ کیسے انجان لوگ تھے جنہیں وہ نہیں جانتا تھا، یہ کہاں سے ظہور پذیر ہوئے تھے وہ نہیں جانتا تھا، وہ جن کے لیے اس نے اتنا سب کیا تھا وہ کہاں گئے؟

It was i, who leapad the sky

ان لوگوں کے لیے اس نے کا کیا تھا یہ سب؟ بے ضمیر، بے حس اور بے بصارت لوگ۔ جنہوں نے اس کے سب اچھے کاموں کو بھلا کر اسے ''کرپٹ'' کا ٹائٹل دیا تھا۔

تو یہ تھا انجام نمروز علی خان!

کوئی اس کے اندر ہنسا تھا۔

وہ سیاہ شیشوں والی لینڈ کروزر میں ایئرپورٹ گئے تھے۔

''حکومت ایک دلکش، خوبصورت اور پرفریب محل کا نام ہے جس تک جانے کا راستہ دشوار گزار، مشکلات اور مصائب سے بھرا ہوتا ہے لیکن اگر ایک بار آپ ان کٹھنائیوں کو پار کر کے اس محل میں داخل ہو جاتے ہیں تو واپسی کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔'' اسے حجاب کی بات یاد تھی۔

معمولی سے ردوبدل کے ساتھ۔

''واپسی کے لیے راستہ ہمیشہ کھلا ہوتا ہے حجاب تاثیر!'' ڈپارچر لاؤنج میں جاتے ہوئے اس نے مڑ کر نہیں دیکھا وہ جانتا تھا بعض راستے ایسے ہوتے ہیں جن پر مڑ کر دیکھنے سے انسان پتھر ہو جاتا ہے اور وہ پتھر نہیں ہونا چاہتا تھا، اس سے پہلے کہ خود پر چڑھایا بے حسی کا خول مکمل طور پر ٹوٹ جاتا وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

جہاز نے Taxi کرنا شروع کر دیا، مسافروں کو سیٹ بیلٹ باندھنے کی ہدایت کی جا رہی تھی۔ حجاب نے بغور اس کا جائزہ لیا، بے دردی سے نچلے لب کو کچلتا وہ بہت بے چین نظر آتا تھا، حجاب کو اس کے چہرے کے تاثرات بڑے ناقابل فہم سے لگے۔

''آپ......ٹھیک...... ہیں نا!'' حجاب نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا، وہ چونکا، اس کے تاثرات میں حیرت انگیز تبدیلی نظر آئی۔

''ہاں، ویسے تم کافی تمیزدار نہیں ہو۔ ہمیشہ ''آپ'' کہہ کر بلاتی ہو، کبھی ہماری طرح اس مقولے پر بھی عمل کر لو۔''

جب محبت کامل ہو جائے تو ادب کی شرط ختم ہو جاتی ہے

وہ ہنسا تھا، حجاب کا رنگ ایک لمحے کو بدلا۔ اسے بے ساختہ وہ فون کال یاد آئی جس کی پاداش میں وہ آج مسز نمروز علی خان تھی، اس نے سر جھٹکا۔

''اب اتنی بھی محبت نہیں ہوئی۔''

''چلو ابھی دیکھ لیتے ہیں کتنی محبت ہے؟ میری شکل اچھی لگتی ہے نا!'' حجاب کا رنگ سرخ پڑا، وہ محظوظ ہوا۔

''شکل تو مجھے (Tobey meguire) کی بھی پسند ہے۔''

''ہا...... تمہیں اسپائیڈرمین پسند ہے۔'' وہ صدمے سے بولا، وہ ہنسی۔

''ہاں۔''

''پھر تو غلطی ہوئی، ایسے ہی تمہیں اس کے شہر لے جا رہا ہوں۔'' وہ جیسے پچھتایا۔

''بے فکر رہیں، اتنا بھی پسند نہیں۔''

''میں تو ہوں نا!'' وہ شرارت سے مسکرایا۔

''کیا؟'' حجاب نے پوچھا۔

''پسند اور کیا؟''

''اب اتنے بھی اعتراف نہ کرائیں۔'' وہ دلکشی سے مسکرائی وہ ایک ٹک اسے دیکھتا رہا، اس کی تھوڑی کے بھنور نے اسے پاگل کر دیا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔'' وہ شرمائی۔

''سوچ رہا ہوں بہت خوش بخت ہوں میں۔''

''ہاں۔'' حجاب کی ہاں میں ڈھیروں اعتراف تھے۔

☆☆☆

بیس گھنٹوں کی طویل فلائٹ کے بعد ان کے جہاز کے پہیوں نے جان ایف۔ کینڈی ایئرپورٹ کے رن وے کو چھوا، حجاب نے دھند میں لپٹے نیویارک کو دیکھا اور سوال داغا۔

''ہم نیویارک میں کہاں ٹھہریں گے؟'' وہ چونکا شائد کسی گہرے خیال سے۔

''مین ہیٹن۔'' حجاب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا وہ مطلب سمجھتے ہوئے مزید تفصیل بتانے لگا۔

''مین ہیٹن نیویارک کا سب سے خوبصورت حصہ ہے، مین ہیٹن آئی لینڈ تیرہ میل طویل اور دو میل چوڑا ایک خوبصورت اور مرکز نگاہ جزیرہ ہے جسے تین حصوں میں منقسم کیا گیا

ہے، اپر ٹاؤن مین ہسٹن ، مڈ ٹاؤن مین ہسٹن اور ڈاؤن ٹاؤن مین ہسٹن ۔'' وہ ایک لمحے کو رکا۔

''ہماری منزل اپ ٹاؤن ہے۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

ییلو کیب بے آواز سڑکوں پر رینگتی ، موڑ مڑتی وسیع وعریض سڑکوں کو روندتی ایک خوبصورت وِلا (Villa) کے آگے رک گئی، گلابی پھولوں سے ڈھکا سفید دیواروں والا گھر تعمیراتی شاہکار تھا۔

''خان ولا (Khan villa)۔'' حجاب نے بے آواز نیم پلیٹ کو پڑھا۔

کبھی کبھی وقت کے پیچھے بھاگتے ہم اپنا آپ بہت پیچھے چھوڑ جاتے ہیں حجاب نے اپنے خالی وجود، خالی دل اور خالی ہاتھوں کو دیکھا، دھندلائی ہوئی نظر کے ساتھ ہاؤس میڈ مسز فیانا کے ہاتھوں سے اس نے ویلکم کے سفید پھول تھامے تھے۔

اس نے اپنی بے عنوان زندگی کے بارے میں سوچا، اسے اپنے جان سے پیارے رشتے یاد آئے جن کے ساتھ رہتے ہوئے اسے کبھی اندازہ ہی نہ ہو سکا تھا کہ زندگی کا رخ اتنا بدصورت بھی ہوگا، وہ اپنی چھوٹی سی جنت میں رہتی تھی، حجاب کی خود ساختہ جنت، جس میں ہر کردار اس کی من مرضی کا تھا، امی اور بابا کا رول بادشاہ اور ملکہ کا سا تھا جبکہ وہ خود شہزادی تھی اور عمر ان کا ولی عہد، اس سلطنت میں اس کی راج دھانی بلا شرکت غیرے تھی وہ ولی عہد کی لاڈلی شہزادی تھی اس لیے ہمیشہ اپنی منواتی، زندگی پُرسکون اور مطمئن انداز میں گزر رہی تھی مگر ایک روز نمروز علی خان اس کی جنت میں آن گھسا اور اسے اس کی سلطنت سے کسی ماہر شکاری کی مانند اچک لے گیا اور یوں یہ نیا نکین ظالم دیو بن گیا، یہ ساری کردار سازی صرف اور صرف حجاب کا تخیل تھی، جیسا کہ ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر ایک بچہ چھپا ہوتا ہے جو کبھی نہ کبھی موقع پا کر باہر نکل آتا ہے، بظاہر وہ بڑی پریکٹیکل اپروچ رکھتی تھی، حساس دل اور زیرک نگاہ دماغ رکھتی تھی اور یوں زندگی نے اپنا رخ بدل لیا، اسے وہ دن اپنی زندگی کا بدصورت ترین دن لگتا جب وہ نمروز علی خان سے ملی تھی، اس کے بلند خوابوں کو ملیامیٹ کرنے والا وہ شاندار انسان جو اپنی تمام تر خوبصورتی، اچھائی اور دولت کے ساتھ بھی اس کے دل میں جگہ بنانے میں ناکام رہا تھا، وہ کبھی بھی اس کے احساس زیاں کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا، اسے عمر کا بے اعتبار چہرہ یاد آتا تو رگوں میں چلتا خون کھولنے لگتا، نمروز کے ساتھ اس کی نفرت بڑھ جاتی اس کے وجیہہ چہرے کو بگاڑ دینے کو دل چاہتا، یہی چہرہ تنہائی میں جب اس کی رگِ جاں سے بھی قریب ہوتا تو اس کا دل مرجانے کو کرتا، زندگی عجائبات کا مجموعہ ہے، وہ نمروز سے کتنی بھی نفرت کرتی تھی یہ حقیقت مسترد

نہیں کر سکتی تھی کہ ایک بار وہ نمروز کے نکاح میں آ چکی تو مر کر ہی نکل سکتی تھی، بے بسی کا احساس کچھ اور بھی شدید ہونے لگتا، پھر اُسامہ آیا، نمروز کی والہانہ وارفتگیوں اور محبتوں کی نشانی! حجاب کی ناپسندیدگی ختم ہونے لگی رفتہ رفتہ اور جس روز یہ احساس ختم ہوا وہ اس کی زندگی ایک اور بدصورت ترین دن بن گیا، اُسامہ کی وفات کا دن، اس کے سارے احساسات مردہ ہو گئے، خاموشی نے اس کے اعصاب کو کسی مہیب سائے کی مانند اپنی لپیٹ میں لے لیا، تب عمر اس کی مدد کو آیا، ایسا نہیں تھا کہ حجاب کی شادی کے بعد عمر کا رویہ حجاب کے ساتھ کرخت تھا بلکہ وہ بالکل پہلے جیسا ہی تھا البتہ حجاب خود اس سے گریز کرنے لگی اسے عمر کی شکل دیکھ کر وہ احساسِ توہین یاد آنے لگتا جب زندگی سزا ہوئی تھی اور اسے نمروز علی خان کو کسی الزام کی صورت میں قبول کرنا پڑا تھا، اُسامہ کی وفات کے بعد وہ ایک بار پھر جذباتی طور پر عمر کے قریب آئی، دھیمے لہجے میں اسے سمجھاتا، تسلی دیتا یہ اس کا مہربان سا بھائی اس کا راہبر بن گیا، اسے زمانے کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتے ہوئے حالات کی چیرہ دستیوں سے بچاتے ہوئے اس نے حجاب کے سامنے دو راستے رکھ دیئے تھے۔

''یا وہ بدلے کی آگ میں سب کچھ داؤ پر لگا دے۔''

''یا پھر وہ نمروز علی خان کو ریزائن دینے پر منا لے۔'' اور حالات کے رخ پر حیران سی حجاب نے دوسرا راستہ چن لیا جس کے نتیجے میں آج وہ یہاں تھی۔ بیڈ پر چت لیٹے ہوئے حجاب نے گہری نیند میں گم نمروز کو دیکھا، وہ اپنے مخصوص انداز میں محوخواب تھا بازو حجاب کے گرد حمائل کیئے سر اس کے سینے میں گھسیڑے ہوئے بالکل بچوں کی مانند وہ اس سے لپٹا ہوا تھا، کسی ایسے بچے کی مانند جسے تحفظ کا احساس صرف ماں کے وجود میں گم ہو کر ملتا ہو، حجاب نے اس کی بند آنکھوں کو دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ اُسامہ کی آنکھیں بالکل نمروز جیسی تھیں۔ اس نے بے ساختہ ہاتھ کی پوروں سے اس کی آنکھوں کو چھوا، دل میں کسی احساس نے کروٹ لی تھی، وقت نے اپنی رفتار بدلی تھی اور رنگ زندگی پہلے سے کچھ مختلف ہو گیا تھا، دھڑکنوں نے اپنی تال بدلی تھی، حجاب نے ہاتھ اس کے شانے پر رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ''کیا اس شخص کی محبت کی کوئی انتہا ہے؟'' اُس نے سوچا تھا۔

☆☆☆

نیویارک میں سردی اپنے عروج پر تھی، درجہ حرارت منفی ڈگری سے بھی نیچے تھا، اپنے آفس کے پر حدت کمرے میں بیٹھے نمروز نے تھک کر سر اٹھایا، سامنے کھلی فائل بند کی اور قلم،

قلمدان میں اٹکا کر سر کرسی کی پشت سے ٹکرا دیا، انہیں یہاں آئے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ ہو چکا تھا اور نمروز نے یہ سارا ماہ اپنی فرم کے معاملات ٹھیک کرنے میں گزارا تھا، جو کہ خاصے گڑ بڑ تھے، سیل فون کی بیل ہوئی تو وہ کسی عمیق سوچ سے چونکا۔

''ہاں، بولو۔'' وہ گھر کا نمبر دیکھ چکا تھا۔

''کہاں ہیں آپ؟'' حجاب نے ترشی سے کہا۔

''آفس میں۔'' وہ اس کا لہجہ نظر انداز کر گیا۔ سکون سے بولا۔

''وقت دیکھا ہے آپ نے؟'' وہ چبھتا ہوا لہجہ لیے ہوئے تھی۔

''میں بس اٹھنے والا ہوں۔'' وہ غصہ پی گیا، دوسری طرف سے کھٹاک سے فون رکھ دیا گیا، اس نے فون کو دیکھا ایک نظر، پھر اٹھ کر گھر جانے کی تیاری کرنے لگا، ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی سوچ کا مرکز ''حجاب'' ہی تھی۔

انسانی کردار بڑی عجیب و غریب شے ہے ہر اس چیز کی کھوج لگاتا ہے جو اوجھل ہے، رازہائے سربستہ کو طشتِ ازبام کرنا اس کی فطرت ہے، جو جانتا ہے اس پر اکتفا نہیں کرتا جو نہیں جانتا ہے اس کا تجسس رکھتا ہے، نمروز بھی کھوج لگانا چاہتا تھا، حجاب کے عجیب و غریب رویے کا یہ حقیقت تو اس پر اس روز ہی آشکار ہو گئی تھی جبکہ انہیں نیویارک آئے ہوئے دو دن ہوئے تھے، وہ جان گیا کہ حجاب نے اسے استعمال کیا تھا، اپنی محبت کا فریب دے کر اسے استعفیٰ دینے پر آمادہ کیا تھا، وہ ایک باصلاحیت اور باشعور انسان تھا جو کہ رویوں کا فرق بڑی زیرک نگاہی سے محسوس کر سکتا تھا اور اگر وہ حجاب کے الجھے ہوئے، عجیب اور پیچیدہ قسم کے رویے کو محسوس نہ کرتا تو یہ سراسر بے وقوفی کہلاتی، البتہ وہ وجہ جاننے سے قاصر تھا، ایک سوال ہر وقت اندر توڑ پھوڑ کرتا رہتا۔

''حجاب نے ایسا کیوں کیا؟''

یہ ''کیوں'' بڑا تکلیف دہ تھا، بالکل سوئی کی نوک مانند جو بظاہر بڑی حقیر چیز دکھائی دیتی ہے مگر حقیقتاً اتنی ہی اذیت ناک، وہ جانتا تھا اکیسویں صدی میں معجزے نہیں ہوتے اور حجاب کا یوں اچانک نمروز کی اتنی ''محبت'' میں مبتلا ہو جانا کسی معجزے سے کم نہیں تھا، حجاب کا اس کا خیال رکھنا، اس کی باتیں سننا اس کے لیے کافی بنانا اسے عجیب سی اذیت میں مبتلا کر دیتا۔

''کیا وہ اتنا گیا گزرا ہے کہ اس کی بیوی اس سے محبت کا ''ڈرامہ'' کر رہی ہے۔'' اسی الجھن کے ساتھ روز شب بتاتے اور حقیقت کا کھوج لگاتے اس کا اپنا رویہ کتنا عجیب ہو گیا تھا وہ اس سے بے خبر تھا۔

فضا میں پھیلی دھند کو چیرتے ہوئے گاڑی جب Khan villa کے گیٹ پر رکی تو وہ چونکا۔

مسز فیانا نے اسے کھانے کا پوچھا تو وہ منع کر کے بیڈ روم میں چلا آیا، لائٹ پنک اور برائٹ ریڈ کلر اسکیم کے کمبنیشن سے سجا پُر حرارت بیڈ روم بے حد خوبصورت اور شاندار تھا، اس نے حجاب کو دیکھا اور اسے پتا چل گیا کہ اِدھر سے اُدھر مارچ پاسٹ کرتی حجاب کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ دھیرے سے بولا۔

حجاب نے جواباً آگ اگلتی نظروں سے اسے دیکھا اور تیزی سے باہر نکلنے لگی، نمروز نے اتنی ہی تیزی سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا۔

''سلام کا جواب نہیں دیا تم نے؟''

''ہاتھ چھوڑیں میرا۔'' وہ سرد لہجے میں بولی۔

''کیوں؟؟'' نمروز نے چیخ کر کہا۔

حجاب نے جواب دینے کی بجائے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر بے سود، نمروز کی گرفت مضبوط تھی۔

''میری بات کا جواب دو۔''

''میں ضروری نہیں سمجھتی۔'' وہ غرائی پھر ایک جھٹکے سے ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔

''تم جانتی ہو میں تم سے زیادہ ہٹ دھرم ہوں۔'' وہ بہت سکون سے بولا، حجاب کا سارا خون سر کو چڑھ گیا۔

''بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں، یہ سارا عمل آپ کی ہٹ دھری کا ہی نتیجہ ہے ورنہ مجھے آپ سے کوئی طوفانی قسم کی عشق نہیں ہوا تھا۔'' وہ حلق کے بل چلائی۔

نمروز کے ہاتھ سے حجاب کا ہاتھ بہت آہستگی سے چھوٹا تھا وہ ساکت سا اسے دیکھے گیا۔

''اگر میں سمجھوتہ کر رہی ہوں تو آپ کو......'' نمروز نے اس کی بات قطع کر دی۔

''سمجھوتہ کر رہی ہو میرے ساتھ؟'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

''کیوں؟ کیوں ...... کر رہی ہو؟'' وہ یکلخت جنوں میں اس پر جھپٹا اور اسے دھکیلتے

ہوئے دیوار کے ساتھ لگا دیا۔

''ایسی کون سی مجبوری ہے تمہاری؟ ہاں...... بولو...... کیوں ہو...... میرے ساتھ؟ کیوں......؟ کیوں کر رہی ہو خود پر اتنا جبر؟ بتاؤ۔'' وہ دھاڑا۔

حجاب لمحوں میں ٹھنڈی پڑ گئی، وہ بات کو قطعاً اس رخ پر نہیں لے جانا چاہ رہی تھی، اس نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے، میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں......'' نمروز نے شدت سے اس کی بات قطع کی۔

''مجھے سچ بتاؤ حجاب! صرف سچ، ایسی کونسی وجہ ہے جو تمہیں میرے ساتھ باندھے ہوئے ہے؟'' وہ جارحانہ انداز میں بولا، حجاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''سچ سننا چاہتے ہیں آپ، سچ...... سچ تو یہ ہے کہ آپ ایک خود پرست اور خود غرض انسان ہیں، آپ چاہتے ہیں ہر شخص آپ کی توصیف کرے ہر شخص آپ سے محبت کرے یہ آپ کی خود پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور میرے...... سامنے اپنی محبت کا ڈھنڈورا مت پیٹا کریں، آپ کو کیا پتا محبت کیا ہوتی ہے، محبت انسان کو خود غرضی نہیں سکھاتی، آپ نے مجھے اپنایا میری مرضی کے بغیر، یہ آپ کی خود غرضی نہیں تو اور کیا تھا، چونکہ آپ کو مجھ سے محبت کا دعوا تھا اس لیے آپ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ میں کسی اور کی ہو جاؤں، یہ بات آپ کی انا برداشت نہیں کر سکتی تھی نا، میں نے جس طرح بھی یہ شادی کی ہو بحیثیت بیوی اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہی میں نے ہر موڑ پر آپ کا ساتھ دیا، اس معاملے میں آپ مجھ پر انگلی نہیں اٹھا سکتے، آج یہاں اس ئے دیس میں، اپنوں سے دور میں صرف آپ کی وجہ سے ہوں اور آپ کے پاس گھر آنے کا وقت نہیں ہے۔'' وہ سسک رہی تھی۔

''میں آپ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں آپ کا خیال رکھنے کی کوشش کرتی ہوں آپ سے...... ''محبت کرتی''...... ہوں اور آپ نے اپنا بدصورت رویہ دیکھا ہے اتنے بڑے گھر کی تنہائی میں...... میں کیا دیواروں سے سر پھوڑوں...... اور آپ ہیں کہ......؟ میرا دل چاہتا ہے میں مر جاؤں...... کاش...... کاش اُسامہ کے ساتھ...... میں بھی مر جاتی۔'' حجاب نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ شانوں سے ہٹائے اور دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی، وہ وہیں کھڑا تھا، دماغ پر حجاب کے الفاظ ہتھوڑوں کی مانند برس رہے تھے۔

''آپ مجھ پر انگلی نہیں اٹھا سکتے۔''

''میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔''

''کاش اُسامہ کے ساتھ میں بھی مر جاتی۔''

وہ ہوش میں آ گیا، اگلے ہی لمحے اس کے قدم دروازے کی سمت بڑھ گئے، دس منٹوں میں اس نے سارا گھر چھان مارا، ڈرائنگ روم، ڈائنگ، ٹی وی لاؤنج اور کچن وہ کہیں بھی نہیں تھی وہ چکرا گیا، پھر اس نے لان کی طرف قدم بڑھا دیے، وہ وہاں بھی نہیں تھی، وہ تشویش سے مسز فیانا کے روم کی طرف آ گیا۔

''حجاب کہاں ہے؟'' وہ نمروز کے سوال پر حیران رہ گئیں۔

وہ بیڈ روم میں تھیں اس کے بعد کا مجھے نہیں پتا۔'' نمروز کے حواس اس کا ساتھ چھوڑنے لگے، وہ تیزی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھا، دروازے کا کھلا لاک اس کے شک کی تصدیق کر رہا تھا۔

''خدایا! کہاں جا سکتی ہے، اسے تو راستوں کا بھی پتا نہیں۔'' وہ پریشانی سے سوچ رہا تھا۔

اگلے ہی پل وہ کار کی چابی اٹھائے اسے ڈھونڈنے نکل پڑا، پریشانی سے اس کا برا حال تھا، فضا میں پھیلی ہوئی دھند اس کی کوشش میں رکاوٹ تھی، اسٹریٹ لائٹس کے روشن ہونے کے باوجود دس فٹ آگے موجود چیز دیکھنا ممکن نہیں تھا، اس نے قریب ترین ساری اسٹریٹس چھان ماریں مگر حجاب کا نام و نشان نہیں تھا، اس نے ایک جگہ کار روکی اور سر اسٹیئرنگ سے ٹکا دیا، اتنی مختصر سی مدت میں وہ اتنی دور کہاں جا سکتی تھی، اس کا خدشہ ''ہارلم'' کی طرف جا رہا تھا، اسٹریٹ ساٹھ سے ایک سو کانوے تک پھیلے ہوئے اپ ٹاؤن مین ہیٹن میں ''ہارلم'' کا علاقہ بھی واقع ہے جو کہ متعصب کالوں (سیاہ فاموں) کا علاقہ ہے، رات تو رات عام لوگ دن میں بھی وہاں جانے سے گریز کرتے ہیں، یہ خدشہ ذہن میں آتے ہی اس نے کار موڑی اور ''ہارلم'' کی طرف بڑھتا چلا گیا، بے خوف و خطر۔

☆☆☆

عمر کی دستک پر دروازہ سفیر صاحب نے کھولا۔

''السلام وعلیکم بابا!''

''وعلیکم السلام! آج جلدی آ گئے بیٹا۔'' وہ اندر کی طرف بڑھتے پوچھ رہے تھے۔

''جی، بس ویسے ہی۔'' انہوں نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

''کیا بات ہے عمر؟'' وہ لاؤنج میں پہنچ کر رک گئے، عمر صوفے پر ٹک گیا، وہ بھی اس

کے سامنے بیٹھ گئے۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا بابا! کیا بتاؤں؟'' پریشانی سے ہونٹ چباتا وہ مضطرب تھا۔

''جو بھی ہے فوراً بتا دو، باخدا اتنی ہمت ہے کہ کوئی بری خبر برداشت کر سکوں۔'' وہ حوصلے سے بولے، وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''ابو جان کہاں ہیں؟'' عمر نے تاشیر کے متعلق پوچھا۔ ''وہ سو رہا ہے۔''

''آپ نے نیوز دیکھیں۔''

''یہ کیا بے معنی سوالات پوچھ رہے ہو؟ بتاؤ بات کیا ہے؟'' وہ جھلا گئے، عمر جان گیا کہ وہ لاعلم تھے۔

''اب سے کچھ دیر پہلے...... بعض نامعلوم افراد نے...... ''نمروز مینشن'' پر حملہ کیا ہے، مزاحمت کرنے پر چوکیدار کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا، وہاں بے تحاشا فائرنگ اور توڑ پھوڑ کی گئی...... بعد میں پولیس کی خانہ تلاشی پر...... رہائشی حصے میں سے ایک...... ایک جواں سال لڑکی کی لاش ملی ہے...... اور آپ کو پتا ہے وہ لڑکی صدف...... ہے، پولیس کے بیان کے مطابق ''مینشن'' میں صدف کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، نیوز چینلز واقع کی خصوصی کوریج کر رہے ہیں اور میں...... مجھے...... سمجھ نہیں آ رہا کہ...... میں...... یہ سب...... نمروز بھائی کو...... کیسے بتاؤں گا۔'' عمر نے رک رک کر حوصلہ مجتمع کر کے ساری بات بتائی تھی، سفیر صاحب گم صم اسے دیکھتے رہے، اسی وقت سحاب اندر آئی، عمر کو دیکھتے ہی وہ چہکی۔

''آپ آ گئے بھیا، کھانا لاؤں؟''

''نہیں، تم چائے بناؤ۔''

''ساتھ کچھ لیں گے؟''

''نہیں۔'' وہ سر ہلا کر اندر کی طرف بڑھ گئی اور وہ دونوں خاموش بیٹھے اس انہونی اور ناگفتہ بہ صورتحال پر سوچ رہے تھے۔

☆☆☆

آنکھوں میں پھیلی دھند بیرونی فضا میں پھیلی دھند سے شاید زیادہ تھی جبھی اندھا دھند چلتے ہوئے وہ رک گئی، اس نے ادھر ادھر دیکھا، پتا نہیں کون سی جگہ تھی، اسٹریٹ کے دونوں اطراف میں بنے ہوئے گھر اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں بہت پر اسرار اور دھند میں گم نظر آتے تھے، وہ چلتے چلتے تھک سی گئی تھی، ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں پر سر رکھ کر پھر سے رونا شروع کر دیا، کچھ دیر بعد اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور اس کے ساتھ ہی ایک نسوانی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

Hey poor girl' who are you?

حجاب نے سر اٹھایا، وہ متناسب قد و قامت کی حامل ایک سیاہ فام عورت تھی، کچھ بولنے کی بجائے وہ پھر سے رونے لگی۔

Hey let me see your"face and tell me why are you weeping"?

وہ ہمدردی سے پوچھ رہی تھی، اسی اثناء میں اندر سے ایک آدمی باہر آ گیا، وہ عورت اسے بتانے لگی، دس منٹ مزید کوشش کرنے کے بعد وہ حجاب کو اٹھا کر اندر لے گئی، اسے پانی پلانے کے بعد وہ اس سے اس کے گھر کا ایڈریس پوچھنے لگی اور تب حجاب پر یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ اسے تو اپنے گھر کا ایڈریس بھی معلوم نہیں تھا، خوف کی ایک لہر اس کے اندر دوڑ گئی، آنسو کچھ اور شدت سے بہنے لگے، وہ جب سے نیویارک آئی تھی صرف ایک بار نمروز کے ساتھ شاپنگ کرنے کے لیے باہر گئی تھی، روتے ہوئے اس نے انہیں بتایا کہ وہ اپنے گھر کا پتا نہیں جانتی، وہ اس سے گھر کے فون نمبر کے متعلق پوچھنے لگے روانی سے نمبر بتاتے ہوئے حجاب ایک ڈیجٹ مس کر گئی جبھی فون نہیں ملا تھا، پریشانی اور خوف سے حجاب کے پیروں میں سے جان سی نکلنے لگی، وہ روئے جا رہی تھی۔

پھر اسے جھماکے سے نمروز کا پرسنل سیل فون نمبر یاد آیا، اس نے تیزی سے دوہرا کر نمبر صحیح ہونے کا یقین کیا اور اسے نمبر بتایا، کچھ دیر کوشش کرنے کے بعد نمبر مل گیا، اس سیاہ فام عورت نے نمروز کو حجاب کے متعلق بتا کر گھر کا پتا سمجھایا اور فون بند کر کے حجاب کی طرف متوجہ ہو گئی، جو پھر سے رونے میں مشغول ہو گئی تھی، صرف چار منٹ کے قلیل انتظار کے بعد ڈور بیل ہوئی، سیاہ فام آدمی دروازہ کھولنے گیا اور واپسی پر اس کے ساتھ نمروز بھی تھا، پریشان حال اور حواس باختہ سا، حجاب پر نظر پڑتے ہی وہ چند لمحے سن سا کھڑا رہا، غصے نے اُسے پاگل سا کر دیا وہ تیزی سے آگے آیا اور اُلٹے ہاتھ کا بھرپور تھپڑ اُس کے گال پر پڑا۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟ پاگل ہو گئی ہو تم؟ یوں بنا بتائے گھر سے نکلنے کا مطلب؟ کچھ احساس ہے تمہیں میری پریشانی کا......؟'' وہ بلند آواز میں دھاڑا تھا۔

حجاب زرد چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی، اسے یاد نہیں تھا کہ اس نے آج سے

پہلے نمروز کو اتنے غصے میں دیکھا ہو، آنسو ایک بار پھر بڑی روانی سے اس کے گالوں پر بہنے لگے، وہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا۔

''اٹھو، چلو میرے ساتھ۔'' نمروز نے جھک کر حجاب کا ہاتھ تھاما، پھر مڑ کر اپنے اجنبی مہربان دوستوں کا شکریہ ادا کرنے لگا، واپسی کے سفر میں حجاب مسلسل روتی رہی تھی، جبکہ نمروز خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا، اس نے حجاب کو خاموش کرانے کی کوشش نہیں کی۔

گھر آنے کے بعد وہ رکے بغیر سیدھا بیڈ روم میں چلا گیا جبکہ حجاب لاؤنج کے صوفے پر گر سی گئی، کچھ دیر بعد جب اس کا دل ہلکا ہوا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اسے اپنی غلطی کا احساس تھا اس لیے معافی بھی اسے ہی مانگنی تھی، وہ بیڈ روم میں آئی تو نمروز ایزی چیئر پر جھول رہا تھا، وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آگے آ گئی۔

''مجھے...... معاف کر دیں۔'' حجاب بھیگی آواز میں بولی تھی، کرسی کی حرکت ایک لمحے کو رکی۔

''مجھے پتا...... نہیں کیا ہو گیا تھا...... میں ایسا نہیں...... چاہتی تھی...... پتا نہیں کیا...... اول فول بکتی رہتی ہوں پلیز۔'' حجاب کے آنسو بہہ نکلے، وہ چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا، دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھے اور دھیرے سے اسے خود میں بھینچ لیا۔

''تم مجھے معاف کر دو حجاب! مجھے احساس ہے میں تمہیں وقت نہیں دے پاتا، لیکن میں ایسا بھی نہیں چاہتا تھا، میں بس مصروف رہنا چاہتا ہوں، بے حد...... بے تحاشا...... تا کہ مجھے کچھ یاد نہ آئے۔ میں پاکستان کو بھول جانا چاہتا ہوں وہاں سے جڑی ہر یاد کو دل سے کھرچ دینا چاہتا ہوں۔ تم رویا نہ کرو...... مجھے تکلیف ہوتی ہے۔'' نمروز نے والہانہ انداز میں کہا تھا۔

''چاہے ان مصروفیات میں، میں آپ کو بھول جاؤں۔'' وہ شکوہ کناں لہجے میں بولی۔

''نہیں، میری زندگی! تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔'' اُس نے حجاب کے اَشک صاف کیے۔

''مگر آثار تو ایسے ہی تھے۔''

''اب ایسا نہیں ہوگا، آؤ! ہم ایک نئی زندگی شروع کریں، میری اور تمہاری زندگی، جس میں کوئی تیسرا نہ ہو اور سب سے پہلے میں تمہیں سارا نیویارک دکھاؤں گا تا کہ اگر تمہارا دوبارہ گھر سے جانے کا موڈ بنے تو مجھے ٹینشن نہ ہو۔'' وہ ہنسا۔

''اچھا...... تو میں آپ کے لیے ٹینشن ہوں۔'' وہ ٹھٹکی۔

''بالکل ٹینشن ہو، ایک محبت کر کے پھنس گیا ہوں۔'' وہ ماتم کرتا ہوا بولا۔

''میں نے نہیں کہا تھا محبت کرنے کو۔'' وہ طنزیہ بولی تو نمروز نے سرد آہ بھری۔

''جانتا ہوں، مجھے تو میرے دل نے پھنسایا تھا۔'' وہ ہنسی تھی۔

''ناراض تو نہیں ہیں نا مجھ سے؟''

''میں اپنی اتنی پیاری، فرماں بردار اور تمیزدار بیوی سے ناراض ہو سکتا ہوں۔'' نمروز نے اس کا بھنور چوما۔

''اتنی بھی تعریفیں نہ کریں کہ مجھے خوش فہمی لاحق ہو جائے۔'' وہ ہنسی تھی۔

☆☆☆

زندگی نے بہت خوبصورت روپ دھار لیا تھا حجاب اور نمروز کے لیے، بالکل کسی ایسے شجر سایہ دار کی مانند جو طویل فاصلہ طے کر کے آنے والے مسافروں کو اپنی مہربان آغوش میں سمیٹ لیتا ہو۔

آج چھٹی کا دن تھا، نمروز بڑی فرصت سے بیٹھا بزنس نیوز دیکھ رہا تھا، جبکہ حجاب اس کے لیے کچن میں کافی بنا رہی تھی، وہ اتنی محبت اور محویت سے نمروز کے لیے کھانے بناتی تھی کہ اگر عمر اسے یوں کچن میں گھسے دیکھ لیتا تو لازماً بے ہوش ہو جاتا۔

وہ کافی لے کر لوٹی تو اسے بدستور ٹی وی میں مگن پایا، حجاب نے خاموشی سے کپ اس کے ہاتھ میں تھمایا اور ساتھ بیٹھ گئی۔

''اتنی کافی...... پیتے ہیں آپ؟ آپ کی اسکن کو فرق نہیں پڑتا؟'' حجاب نے کچھ رشک اور کچھ فکر مندی کے ملے جلے تاثرات سے اس کی سرخ و سفید رنگت کا جائزہ لیا، وہ اس کی بات سن کر ہنس دیا۔

''تمہیں پتا ہے کب سے کافی پی رہا ہوں اولیول سے، مجھے کوئی فرق پڑا نہیں نا تو پھر۔؟''

''ہوں مگر...... کچھ دن پہلے...... جب ہم پاکستان میں تھے تو آپ کی آئیز کے ڈارک سرکلز بہت نمایاں ہو گئے تھے۔''

''ہاں، ٹینشن، نیند کی کمی، تم بتاؤ اب تو نہیں ہیں نا۔'' نمروز نے اپنی پرشوق نگاہیں اس پر گاڑیں وہ فوراً کنفیوز ہوئی۔

''تم مجھے ایک بات بتاؤ حجاب! تم...... جرنلسٹ ہو، مطلب...... تھیں...... جرنلسٹ اتنے Shy نہیں ہوتے، یا پھر میں اسے خالصتاً مشرقی ادا سمجھوں، تم مجھ سے اتنا کیوں شرماتی

ہو، میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ تم ...... میری طرف دیکھ کر بات نہیں کرتیں، خاص طور پر میری آنکھوں میں نہیں دیکھتیں، کیا بات ہے، آج اس راز پر سے بھی پردہ اٹھا ہی دو۔''

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ فوراً مکر گئی۔

''نہیں بات تو ہے، بتانی تو پڑے گی، بتاؤ نا۔'' وہ اصرار کرنے لگا۔

''مجھے ڈر لگتا ہے۔'' وہ جھجک کر بولی۔

''مجھ سے۔'' وہ حیرت سے چلایا، حجاب نے دھیرے سے ہاں میں سر ہلایا۔

''ہائے گاڈ! میں ...... میں اتنا خوفناک ہوں۔'' وہ صدمے سے چور تھا۔

''نن ...... نہیں ...... میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ بس مجھے ڈر لگتا ہے آپ کی آنکھوں سے۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''اور......''

''اور آپ کے غصے سے۔''

''جو کہ ابھی تک تم نے دیکھا نہیں۔'' وہ تلملا کر بولا، حجاب نے خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا اور اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی، نمروز نے اتنی ہی پھرتی سے اسے جکڑ کر صوفے پر گرا دیا۔

''کیوں ڈر لگتا ہے میری آنکھوں سے؟ بتاؤ۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔ حجاب نے آنکھیں میچ لیں۔

''مجھے جانے دیں۔''

''ایسے کیسے جانے دوں؟''

''پلیز ......'' حجاب کی بند آنکھوں سے دو موتی نکل آئے، نمروز نے ایک طویل سانس لے کر اسے چھوڑ دیا۔

''اچھا، نہیں پوچھتا بھئی۔'' حجاب خاموشی سے چلتی ہوئی دروازے تک گئی اور دروازے سے پشت ٹکا کر اسے دیکھا، پھر مسکرائی، نمروز کو جھٹکا لگا یعنی ڈراما۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں؟''
جھیلِ سیف الملوک جیسی ہیں
وہ دھیرے سے گنگنا اٹھی۔

نمروز گنگ سا اسے دیکھتا رہا، خوشی و حیرت کے ملے جلے احساس کے ساتھ۔

''یو چیٹر۔'' وہ دانت پیس کر اس کی طرف لپکا، وہ پلٹ کر بھاگ گئی، پورے گھر میں اسے بھگانے کے بعد آخر کار لان میں وہ نمروز کے ہاتھ آ گئی، پھولے سانسوں اور سرخ چہروں کے ساتھ وہ بے تحاشا ہنس رہے تھے۔

''اف ...... حجاب! سچ میں تم ڈراما ہو پورا۔''

''چلو حجاب! کہیں باہر چلتے ہیں۔''

''کہاں؟''

''جہاں تم کہو۔''

''یہاں کون سی جگہیں قابل دید ہیں؟''

''نیویارک میں ...... قابل دید جگہیں ...... بہت سی ہیں، ایسٹ ریور، سینٹرل پارک، برونز بل آف وال اسٹریٹ، مین ہیٹن برج، نیویارک یونیورسٹی، راک فیلر سنٹر، دریائے ہڈسن، ٹائم اسکوائر اور اسٹیچو آف لبرٹی وغیرہ وغیرہ۔''

''سب سے خوبصورت کیا ہے؟''

''میرے نزدیک ''مین ہیٹن برج کا نظارہ، ایسٹ ریور کو مین ہیٹن برج کراس کرتے ہوئے دیکھنا کمال کا منظر ہوتا ہے۔''

''او کے دیکھ لیتے ہیں۔'' وہ شانے اچکا کر ساتھ چل پڑی۔

''ویسے یہاں ''اوپیرا'' بھی ہے کیا خیال ہے چلیں؟'' وہ شرارت سے ہنسا، حجاب نے مکا اس کے بازو پر کھینچ مارا۔

''کیا بات ہے بھئی، میں تو سمجھتا تھا کہ مشرقی لڑکی کو ''اوپیرا'' کا نہیں پتا ہوگا۔'' نمروز نے چھیڑا، وہ کھلکھلا دی۔

جیسے ہی وہ تیار ہو کر نکلنے لگے، نمروز کا سیل فون بج اٹھا، حجاب نے سیل اس کی جیب سے اچکا اور بنا نمبر دیکھے بیڈ پر پھینک دیا۔

''نو فون، نو ڈسٹربنس۔'' وہ دھمکی دینے والے انداز میں بولی تو وہ ہنس دیا۔

''جیسا میری بیگم صاحبہ چاہیں۔'' وہ دونوں باہر نکل گئے۔

بیڈ پر پڑا فون وقفے کے بعد پھر سے بج رہا تھا اور اسکرین پر بہت چمکدار ہندسوں کے ساتھ ''عمر کالنگ'' کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

☆☆☆

لوگوں کے حافظے واقعی کمزور تھے، آج پانچ سال گزر گئے سب کو بھول گیا آج سے پانچ سال پہلے کیسا درخشاں ستارہ سیاست کے افق پر ابھرا تھا جسے مخالفوں نے سیاہ کالی رات میں گم کر دیا تھا، زندگی اسی طرح رواں رہی تھی، دن رات ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے رہے تھے، خالی جگہیں کبھی خالی نہیں رہتیں، کوئی نہ کوئی انہیں بھر دیتا ہے، کیا فرق پڑتا تھا نمروز علی خان کے نہ ہونے سے، شاید کچھ بھی نہیں، نہ حکومت کو وفاقی وزارء کی کمی تھی نہ عوام کو لیڈروں کی۔

مکن تکیہ بر ملک دنیا وپشت
کہ بسار کس چون تو پرورد و کشت

(دنیا، بادشاہت اور جائیداد پر ہرگز بھروسہ نہ کرو، اس دنیا نے تم جیسے بہت سے لوگوں کو پالا پوسا، بڑا کیا اور پھر مار ڈالا)۔

☆☆☆

''نمروز مینشن'' ایک بار پھر سے آباد ہو گیا تھا۔ مگر اب وہاں صدف نہیں تھی، وہ اپنے خان کی دیوانی لڑکی ''میانی صاحب'' کے قبرستان کے ایک پُرسکون گوشے میں محوِ خواب تھی۔ اُس کی وفات کی خبر سُن کر نمروز کتنے ہی دن ڈسٹرب رہا تھا۔

اُس کی خالی جگہ یقیناً کوئی نہیں بھر سکتا تھا۔

''نمروز'' پچھلے ایک ماہ سے نیویارک میں تھا آج اُس کی واپسی کی فلائٹ تھی۔

پانچ سال بعد وہ پاکستان آ گئے تھے، خالی جگہیں واقعی خالی نہیں رہتیں جیسے اُسامہ کی جگہ عباس علی خان اور علیزہ علی خان نے بھر دی تھی۔

حجاب کو ایئرپورٹ جانا تھا اس لیے وہ آئینے میں تیار ہونے کے بعد اپنا تنقیدی جائزہ لینے لگی ہلکا سا بھرا ہوا جسم، کھلے بال جو چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھے پلین پنک لانگ شرٹ اور ٹراؤزر پہنے، لائٹ پنک لپ اسٹک لگائے وہ واقعی نمروز علی خان کی بیوی حجاب علی خان لگ رہی تھی، وہ مسکراتے ہوئے گاڑی میں آ بیٹھی فرنٹ سیٹ پر عباس اور علیزہ بیٹھے تھے جبکہ ڈرائیونگ وہ خود کر رہی تھی۔

''ماما پاپا کیسے آئیں گے؟'' چار سالہ عباس نے اپنا پہلا سوال داغا، حجاب نے ایک طویل سانس لے کر خود کو تیار کیا، عباس محض چار سال کا تھا مگر سوالات میں ماسٹر، اتنے سوال کرتا کہ حجاب عاجز آ جاتی۔

''بیٹے! پاپا پلین کے ذریعے آئیں گے۔''

''ماما! پلین کیسے چلتا ہے۔''

''پلین پائلٹ اڑاتا ہے۔''

''پائلٹ...... یعنی کہ جہاز کا ڈرائیور۔''

حجاب نے اس کی الجھن دور کی۔

''ہوں...... ماما! میں بھی پائلٹ بنوں گا۔'' عباس نے فوراً اعلان کیا حجاب ہنس دی۔

''بن جانا۔'' اس نے احتیاط سے موڑ کاٹا۔

''ماما! پاپا اتنے سارے دن ہم سے دور کیوں رہے ہیں؟'' عباس نے اگلا سوال کیا۔

''اتنے سارے دن نہیں صرف ایک ماہ کام کے سلسلے میں۔''

''وہ کہاں گئے تھے۔''

''نیویارک''

''نیویارک کہاں ہے ماما؟''

''جہاں سے آپ کے پاپا آ رہے ہیں۔'' حجاب نے مسکرا کر جواب دیا، باقی کا سارا راستہ وہ اسی طرح کے لایعنی سوالوں سے اس کی جان کھاتا رہا تھا، پارکنگ میں گاڑی پارک کرنے کے بعد حجاب نے دو سالہ علیزہ کو اٹھایا اور عباس کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

تھوڑے سے انتظار کے بعد اس نے نمروز کو آتے دیکھا۔ سیاہ شلوار سوٹ میں وہ آج بھی ویسا ہی تھا، چھایا ہوا، حاوی، برتر، خوبصورت، کچھ لوگوں کو وقت چھوئے بغیر گزر جاتا ہے، حجاب کو حیرت ہوئی، اس کی پرسکون جھیل کی مانند زندگی میں کنکر پھینکنے والا انسان، اس کے خوابوں کو مسمار کر دینے والا سنگدل اس کی سوچ کا رخ بدلنے والا وہ انسان اسے اس قدر عزیز ہو گیا تھا، چاہنے والے ہماری ضرورت بن جاتے ہیں، شاید اسی لیے وہ مسکرا کر آگے بڑھی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!'' نمروز نے گہری نظر سے اس کا جائزہ لیا اور عباس کو اٹھا کر پیار کرنے لگا۔

''ٹھیک ہیں آپ؟ وہاں پہ سب ٹھیک رہا؟''

''ہاں، تم سناؤ۔'' نمروز نے اپنی خوبصورت آنکھیں اُس پر مرکوز کیں۔

کیا سُناؤں۔

رَچا ہوا ہے تیرا عشق میری پوروں میں!
میں اس خمار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں!

حجاب نے طویل سانس لے کر شعر پڑھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیا، پانچ سالوں میں سب سے بڑا اثر حجاب نے نمروز کی صحبت کا یہی اختیار کیا تھا، بات کے جواب میں دھڑ سے شعر، واپسی پر ڈرائیونگ سیٹ نمروز نے سنبھالی۔

''آج اچھی طرح ریسٹ کر لیجیے گا کل بابا کے ہاں چلیں گے، عانیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' حجاب نے عمر کی بیٹی کا نام لیا، تین سال پہلے ثناء اور عمر کی شادی ہو چکی تھی۔

''او کے۔'' نمروز نے کہا۔

''ماما آئسکریم۔'' عباس نے آئس پارلر دیکھتے ہی نعرہ مارا۔

''نہیں بیٹے! کل جائیں گے، آپ کے پاپا تھکے ہوئے ہیں۔'' حجاب نے پیار سے سمجھایا، وہ فوراً مان گیا۔

'' بچے پیار کی زبان کتنی جلدی سمجھ جاتے ہیں۔'' حجاب نے تبصرہ کیا۔

''خیر اب ایسی بھی بات نہیں، تم بھی سمجھ جاتی ہو۔'' وہ شریر ہوا، دونوں ہنس دیئے۔

گھر آ کر جیسے ہی وہ کھانا کھا کر بیڈ روم میں آئے، نمروز بیڈ پر گر سا گیا۔

حجاب نے اُس کی پیشانی پہ گرے بالوں کو سمیٹا، اُس کی ساحر آنکھوں کو چوما اور اُس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا۔

نمروز کو نشہ سا چڑھنے لگا، اُسے اپنی ساری تھکن غائب ہوتی محسوس ہوئی اُس نے بے ساختہ حجاب کو بازوؤں میں لے لیا۔

ایک ماہ بعد ان کے درمیان ایک خوبصورت رات آئی تھی، وہ جیسے پاگل ہو رہا تھا، محبت کم نہیں ہوتی بڑھتی جاتی ہے۔ اس کی قسمت میں بڑھنا ہے، لامحدود، بے انتہا۔

''کیا...... ہو تم؟ کیوں کرتا ہوں تم سے اتنا پیار؟'' نمروز نے اسے شدت جذب سے خود میں پیوست کر لیا تھا۔

''جب آپ کے پاس جواب نہیں ہے تو میرے پاس کیسے ہوگا؟'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔

نمروز نے اس پر محبت کی بارش سی کر دی، چاند نے ایک ان کہی کہانی چھیڑ رکھی تھی جس میں جل پریاں تھیں، موتیوں سے بنے ہوئے غار تھے، فضا میں ریشم کی مانند بہنے والی ہوا کا تذکرہ تھا، گل لالہ کی آتشیں، خوبصورتی تھی، محبت وصال سے کبھی کم نہیں ہوتی، وہ آج بھی اس کے لیے اسی طور پاگل تھا، اس کا جنون، دیوانگی آج بھی اسی طور قائم تھی۔

اگلی صبح بے حد روشن اور چمکدار تھی، ناشتے کی میز پر نمروز نے نیوز پیپر اٹھایا اور اس کی نظر ''صدائے پاکستان'' میں شائع ہونے والے ''حجاب علی خان'' کے کالم پر ٹھہر گئی۔

آؤ میرے دوستو! ان لوگوں کو خراج تحسین پیش کریں جنہوں نے اس وطن کے لیے اپنا سب کچھ وار دیا، ان کی قربانیوں کو یاد کریں جنہوں نے اپنا لہو اس وطن کی بنیادوں میں ڈال دیا۔''

ارشادِ باری ہے۔

''میں تمہیں آزماؤں گا تمہارے مال اور اولاد سے۔'' سلام ہے انکو جنہوں نے اپنے لختِ جگر کھو دیئے، اپنے مال بخش دیئے، آج...... ہم کہاں کھڑے ہیں؟ یہ کیسی دنیا ہے؟ یہ کیسے لوگ ہیں جو سچ نہیں سننا چاہتے جو عدل کے لیے اٹھنے والے ہاتھ کاٹ دینا چاہتے ہیں، جو معصوم بچوں کو بھی نہیں بخشتے، یہ کیسے اشراف المخلوقات ہیں، کب تک انصاف کرنے والے قربانیاں دیتے رہیں گے؟ کب تک؟ کب تک معصوموں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی رہے گی؟ آفرین ہے ان لوگوں کے حوصلے پر جو رب کی آزمائش پر پورا اترتے ہیں، جنہوں نے اپنے مال اور اولاد کی قربانی دی، مگر کوئی ان کے دل سے پوچھے، کیا ملا؟ نہ خدا ملا نہ وصالِ صنم، دل زخمی ہیں، روح دست بریدہ اور آنکھیں اشکبار، مگر دوستو! گواہ رہنا ہم نے قربانیاں دیں اور کچھ نہ پایا ہاں اس کا اجر تو بس میرا رب دے گا۔

ہاں! سنو دوستو!
جو بھی دنیا کہے
اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں
ساری دنیا یہ کہتی ہے
پربت پر چڑھنے کی نسبت اترنا سہل ہے
کس طرح مان لیں
تم نے دیکھا نہیں!
سرفرازی کی دھن میں کوئی آدمی
جب بلندی کے رستے پہ چلتا ہے تو
سانس تک ٹھیک کرنے کو رکتا نہیں

اور اسی شخص کا
عمر کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے، پاؤں اٹھتا نہیں!
اس لیے دوستو! جو بھی دنیا کہے
اس کو پرکھے بنا
مان لینا نہیں!

◆

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام